مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآں در زبان پہلوی

جامی

انوار العلوم

اردو شرح

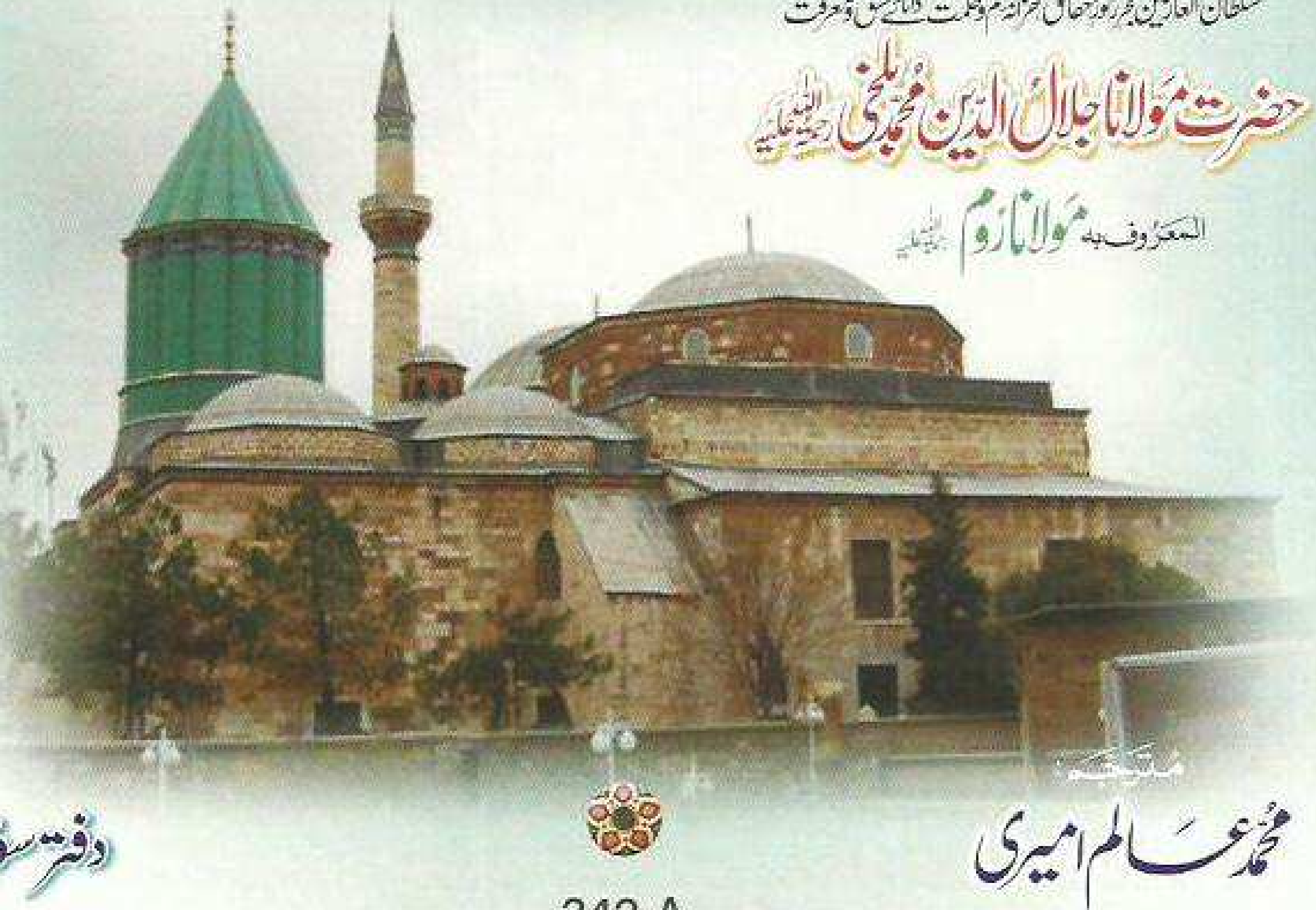
مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

مصنف

سلطان العارفین بحر رموز حقائق خزانہ علم و حکمت دانائے عشق و معرفت

حضرت مولانا جلال الدین محمد بلخی رحمۃ اللہ علیہ

المعروف بہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ

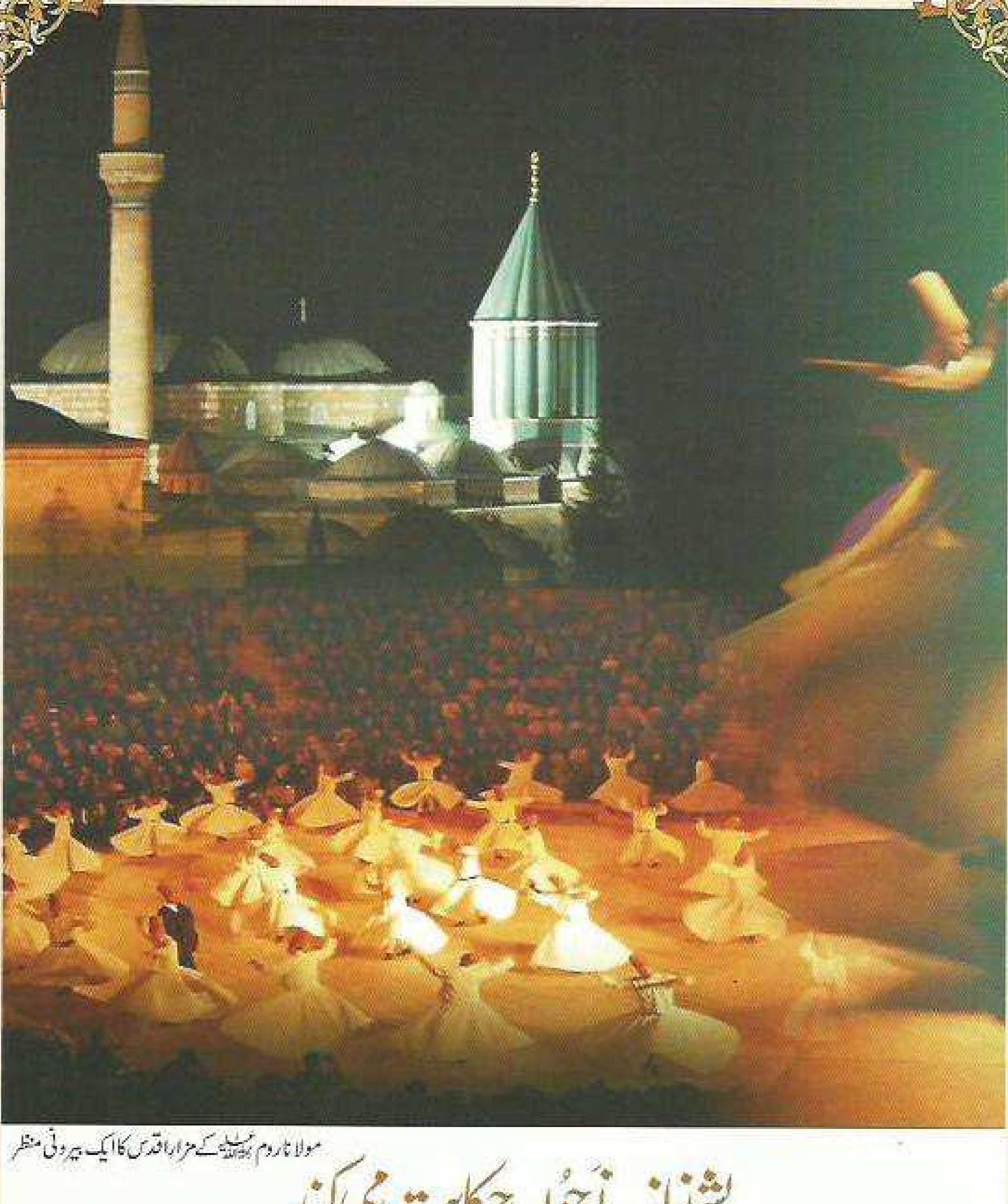


مترجم

محمد عالم امیری

دفتر سوم

342-A



مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس کا ایک بیرونی منظر

بشنو از نے چوں حکایت می کند
وز جدائیہا شکایت می کند

ترجمہ: بانسری سے سُن! کیا حکایت کرتی ہے اور جُدائیوں کی کیا شکایت کرتی ہے؟

فہرست دفترِ سوم

بندۂ یک مردِ روشن دل شوی | بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی

کسی روشن دِل مرد کا خادم ہو جانا | بادشاہوں کے درباری ہونے سے بہتر ہے

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار

بر دلِ خود کم نہ اندیشۂ معاش
اپنے دل پر روزی کی فکر کو کم کر دے

عیش کم ناید تو بر درگاہ باش
معاش کم نہیں ہوگی بس اللہ کے دربار میں حاضر رہ

ترک چوں باشد بیابد خرگہے
سپاہی جب بھی تھک جائے تو رہنے کی جگہ مل ہی جاتی ہے

خاصہ چوں باشد عزیز درگہے
خصوصاً جب کہ وہ دربار میں باعزت ہو

جُزوِ ہر خاکے بخاکستان بَرد
خاک کا ہر ذرہ خاکستان میں چلا جاتا ہے

موجِ بحرِ جاں سُوی جاناں بَرد
اور جان کے سمندر کی لہر اُسے محبوب کی طرف لے جاتی ہے

صفحہ نمبر	عنوان	نمبر شمار

پس زجاں کن وصلِ جاناں را طلب
اِس لئے ہمیشہ محبوب کے وصل کی طلب میں رہ

بے لب و بے کام می گو نام رب
بغیر ہونٹوں اور بولنے کے رب کا نام لیتا رہ

لِلْخَبِيثَاتِ الْخَبِيثُونَ حکمت ست
خبیثات کے لئے خبیثوں کا ہونا ہی لائق ہے

زشت را ہم زشت جفت و بابت ست
بُرے کا بُرا ہی جوڑا اِس لائق ہے

ابتدا دفترِ سوم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! تیسرا دفتر لکھنا ضروری ہے کیونکہ تین بار کرنا سُنّت ہے۔ طہارتِ ظاہری، وضو اور غسل وغیرہ میں بھی تین بار دھونا مسنون ہے۔ لہٰذا طہارتِ باطنی جو کہ مثنوی کے مضامین سے حاصل ہوتی ہے اُس کے لیے بھی تیسرے دفتر میں تیسری بار مضامین کا لانا بہت مناسب رہے گا۔ اپنی جسمانی کمزوری کو بہانہ نہ بنا اور عذر نہ کر کیونکہ تیری قوت جسم اور رگوں کی محتاج نہیں ہے بلکہ عطائے خداوندی ہے۔ جس طرح سورج کی روشنی ظاہری اَسباب کی بنا پر نہیں ہے اسی طرح تمہاری طاقت بھی اَسبابِ ظاہری سے متعلق نہیں ہے۔ آسمانوں کا قیام بھی ظاہری اَسباب سے متعلق نہیں ہے۔ جبرائیل علیہ السلام کی یہ قوت کہ بازو سے بستیوں کو اُلٹ دیا بھی کسی جسمانی غذا کی وجہ سے نہ تھی۔

اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم کی قوت بھی مِن جانب اللہ ہوتی ہے۔ یہ کسی مادی چیز کی محتاج نہیں ہوتی۔ ابدال کے اجسام بھی نورانی ہوتے ہیں اور وہ انسانی رُوح اور تمام فرشتوں سے بڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ نفسانی رذائل کو آپ کے مزاج نے مغلوب کر رکھا ہے۔ کیونکہ آپ کا مزاج اللہ کے اخلاق سے بنا ہے۔ آپ کو اِسی وجہ سے اللہ سے اِتّحاد حاصل ہو چکا ہے۔ عوام کی سمجھ کے گلے سے یہ مضمونِ وحدت نہیں اُترتا کیونکہ عوام وہ حلقوم ہی نہیں رکھتے جو ان مضامین کو نگل سکے لیکن اے ضیاء الحق رحمۃ اللہ علیہ! آپ میں وہ طاقت ہے کہ پتھر کے گلے میں سے بھی اس مضمون کو اُتار سکتے ہیں۔ اِن مضامین کو کوہِ طور نے سمجھ لیا حالانکہ وہ پتھر ہے۔ کوہِ طور کا رقص معرفت کی شراب پی لینے ہی کی وجہ سے تو تھا۔ ایک انسان دوسرے کو لقمہ تو دے سکتا ہے لیکن حلق عطا کرنا تو صرف خدا کا کام ہے۔

پس تو ہر جُفتے کہ میخواہی بگیر پس تُو اپنے لئے جو جوڑا چاہے بنالے	محو اُو باش و صفاتش را پذیر اُس میں فنا ہو جا اور صفات کو قبول کرلے

تعلیم و تربیت دینا تو انسانی فعل ہے لیکن طالب کے اعضاء کا اُسے قبول کرنا اور اُن میں قبولیت کی استعداد پیدا کرنا اللہ ہی کا کام ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر عضو کو اور رُوح کو اُس کے مناسب حلق بھی بخش دیتا ہے۔ اللہ ہر عضو کو اور رُوح کو حلق اُس وقت بخشتا ہے جب انسان خدائی اخلاق سے موصوف ہو جائے۔ اور بھی معارفِ الٰہیہ اُس وقت حاصل ہوتے ہیں جبکہ انسان میں اُن کے اخفاء کی پوری صلاحیت پیدا ہو جائے اور نااہلوں کے سامنے اُن کو ظاہر نہ کرنے پر اُس کو قدرت حاصل ہو جائے۔ اللہ نے زمین کو بھی یہ حلق عطا کیا ہے۔ وہ پانی پیتی ہے اور سینکڑوں قسم کی گھاسیں اُگا دیتی ہے۔ حیوانات کو اسی حلق کی وجہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اُن کی غذا گھاس میں ہے۔ حیوانات اور نباتات سے انسان اپنی غذا حاصل کرتا ہے لیکن ایک مقررہ مدت کے بعد جب وہ مرتا ہے تو وہی خاک اُسی خدائی حلق کی وجہ سے انسان کو اپنی خوراک بنا لیتی ہے۔

کائنات میں باہمی تنازع للبقاء کا نظام جاری ہے اور کائنات کا ہر ذرہ دوسرے کو کھانے کے لیے اپنا منہ کھولے ہوئے ہے۔ پتے جو کہ حیوانات کی غذا ہیں اُن کو بھی اللہ تعالیٰ خوراک فراہم کرتا ہے۔ کائنات میں جو چیزیں دوسروں کی پرورش کرتی ہیں اُن کی خدا پرورش کرتا ہے۔ گیہوں خود رزق ہے لیکن اگر اُس کو رزق مہیا نہ ہو تو اُس کی پرورش بھی نہ ہو۔ عالمِ امکان میں سب چیزیں ایک دوسرے کو فنا کر رہی ہیں۔ ہاں بقا صرف اُن کو حاصل ہے جو مقبولِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ عالمِ امکان میں سب چیزیں فنا ہو جاتی ہے لیکن دوسرے عالم میں موت نہیں ہے۔ وہاں بقا ہی بقا ہے۔ جب کوئی انسان مجموعۂ فضائل بن گیا تو وہ مجسّم باقی رہنے والی نیکی بن گیا۔ اِسی لیے اولیاء رحمہم اللہ اور بزرگ یک رُوح ہزار قالب ہوتے ہیں۔ اِس جہان میں جو کھانے والے ہیں اور خود کھائے جاتے ہیں اُن کا تو صرف حلق اور گلا ہے لیکن جو لوگ اپنے نفس پر غالب ہیں اور اللہ کی مرضیات سے مطلوب ہیں وہ ہی صاحبِ عقل و رائے ہوتے ہیں۔

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو حلق عنایت فرمایا تو وہ جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں وغیرہ کو نگل گئی اور پھر موٹی بھی نہ ہوئی کیونکہ اُس کا کھانا حیوانی کھانا نہ تھا۔ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کے حلق تھا اسی طرح یقین کا بھی حلق ہوتا ہے جو وساوس کو نگل جاتا ہے۔ پس جس طرح خارجی اشیاء کا حلق ہوتا ہے اُسی طرح معنوی اشیا بھی نگل جانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ اگر انسان میں منفی معنوی اشیاء یعنی وساوسِ شیطانی کو نگل جانے کی صلاحیت پیدا ہو جائے اور اِس طرح اپنی رُوح کو مادی ضروریات کے احساس سے پاک کرلے تو اُس کی جسمانی اور رُوحانی روزی خدائی ہو جاتی ہے۔ اپنی عقل اور دل کو مادی اشیاء کی محبت سے پاک کرلیں تو نظامِ ہضم کے بغیر تازہ غذا میسر آ جاتی ہے جیسے

پس تو ہر راہے کہ می خواہی بِرَو	محو و ہم شکلِ صفاتِ دوست شو
پس تُو جس راستہ پر چلنا چاہے، چل	دوست کی صفات میں فنا اور ہم شکل بن جا

حضرت مریم علیہا السلام کو ملا کرتی تھی۔ اس کے لیے مزاج کا بدلنا شرط ہے۔ غلط خوراک کھانے سے انسانی جسم میں امراض پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب مادی مزاج میں تبدیلی آجاتی ہے تو انسان اَنوارِ الٰہی کا محل بن جاتا ہے۔

دایۂ قدرت جب بچے کا دودھ چھڑاتی ہے تو طرح طرح کے میوے کھلاتی ہے۔ جب تک بچہ شیر خوار رہتا ہے بے شمار لذیذ غذاؤں سے محروم رہتا ہے۔ اِسی طرح دنیاوی لذّتوں کا دودھ چھوڑنے پر اُخروی نعمتیں موقوف ہیں۔ جس طرح بچہ کا دودھ چھڑانا اُس کے لیے غذاؤں کی ترقی کا سبب بنا اِسی طرح اگر لذاتِ جسمانی ترک کرو گے تو رُوحانی غذائیں بہتر سے بہتر حاصل ہوں گی۔ جسمانی لذات کے ترک سے حکمتیں حاصل ہوں گی اور ذاتِ خداوندی کی طلب پیدا ہوگی۔ اگر ماں کے رحم میں بچے سے کوئی کہتا کہ باہر بڑی منظم اور خوبصورت دُنیا ہے جہاں بہت سی نعمتیں ہیں تو بچہ اس خارجی عالَم کی باتوں کا انکار کرتا ہے۔ اِسی طرح عوام عالمِ آخرت کی باتوں کا انکار کرتے ہیں۔

ابدال لوگوں کو بتاتے ہیں کہ یہ دُنیا تاریک اور تنگ کنواں ہے اور اِس کے باہر ایک وسیع بے بُو اور بے رنگ عالَم ہے۔ وہ (لوگ) نہیں سُنتے کیونکہ اِس دُنیا کا لالچ ایک موٹا اور گہرا پردہ بن گیا ہے۔ لالچ کانوں کو سننے اور آنکھوں کو دیکھنے سے روک دیتا ہے۔ جس طرح خون کے لالچ نے بچے کو باہر آنے سے روک دیا تھا۔ وہ خون کے علاوہ کسی اور غذا سے واقف نہیں تھا۔ اِس دُنیا کا لالچ تیرے لیے بھی پردہ بن گیا ہے۔ اور یقین کو تجھ سے پوشیدہ کردیا ہے۔ لالچ حق کو باطل کرکے دکھاتا ہے۔ بچے لوگوں کی طرح تُو لالچ سے بیزار ہو جا تاکہ اُس درگاہ تک پہنچ سکے۔ تیری رُوح کی آنکھ روشنی اور حق دیکھنے والی بن جائے اور تُو خوف سے نجات پا جائے۔ ایک مثال سُن شاید تجھے رُوح کا نور حاصل ہو جائے۔

لالچ کی وجہ سے ہاتھی کے بچوں کو کھانے والوں کا قصہ اور نصیحت کرنے والوں کی نصیحت کو ترک کر دینا

ہندوستان میں ایک عقل مند نے کچھ دوستوں کو دیکھا کہ بھوکے ننگے تھکے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ عقل مند کی محبت نے جوش مارا۔ اُس نے اُنہیں سلام کیا اور کہا کہ میں جانتا ہوں تم تھکے ہارے ہو اور بھوکے بھی ہو لیکن اے دوستو! خدا کے لیے ہاتھی کے بچے کو نہ کھانا۔ یہ خوب موٹے تازے پلے ہوئے ہیں لیکن یاد رکھو! ان کی ماں ہر وقت گھات میں رہتی ہے۔ اس لیے اُس کے قابلِ رحم بچے سے بچو۔ اے بیٹے! اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بھی اللہ کے بچے ہوتے ہیں۔ وہ ہر وقت اُن سے باخبر ہوتا ہے۔ وہ غیر حاضری میں بھی کام میں لگے ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم بظاہر بے سہارا اِس لیے بنائے گئے ہیں کہ عوام کی آزمائش ہو سکے۔

نُور خواہی مُستعدِ نُور شو	دُور خواہی خویش بین و دُور شو
نُور چاہتا ہے تو نُور کے لئے مُستعد بن جا	دُور ہونا چاہتا ہے تو متکبر بن اور دُور ہو جا

سب اولیاء رحمہم اللہ سیرت کے اِعتبار سے ایک ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی ایک لاٹھی فرعون کی سلطنت کو بغیر اللہ کی مدد کے کیسے زیروزبر کرسکتی تھی اور قومِ لوط کی بستیاں صرف ایک بددُعا سے کیسے غرق ہوسکتی ہیں۔ تُو اُن کے نشان اب بھی شام میں جا کر دیکھ سکتا ہے۔

یہ تمام واقعات ایسے ہیں کہ سن کر پہاڑوں کے جگر خون ہو جائیں لیکن انسان کیسی مخلوق ہے کہ اُن کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔ اُن کو اونٹ میں اُون کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ انسان اِس دُنیا کے نفع اور نقصان کا ذرہ ذرہ دیکھتا ہے اور دُنیا کی خوشی پر ناچتا ہے۔ ایسا مناسب نہیں۔ انسان اپنی ہستی کو مٹائے، لالچ اور شہوت سے آزاد ہو تب خوشی منانے کا موقع ہے۔ نیک لوگ جب اپنے بُرے اخلاق، حسد و کبر وغیرہ سے نجات پا جاتے ہیں اور نقائص سے پاک ہو جاتے ہیں تو قدرت کی طرف سے اُن کے لیے تالیاں بجانے اور رقص کے اسباب مہیا کر دیے جاتے ہیں۔ سمندر کی لہریں دیکھو کیسے ناچتی ہیں اور درختوں کے پتے کیسے تالیاں بجاتے ہیں۔ تم ان پتوں کے تالیاں بجانے کو نہیں سمجھتے کیونکہ اُن کو سننے کے لیے دل کے کان درکار ہیں نہ کہ بدن کے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کانوں کے بارے میں قرآن میں آیا ہے:
اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ یعنی اُن کے کان صرف نیکی سننے والے ہیں۔ وہ ہماری بھلائی کے لیے مجسّم کان اور آنکھ ہیں۔ اُن کی رحمت دودھ پلانے والی ہے اور ہم بچوں کی طرح ہیں۔ اس بات کی انتہا نہیں۔ آؤ ہاتھی والوں کو دیکھیں۔

ہاتھی والوں کا بقیہ قصہ

ہاتھی ہر منہ کو سونگھتا ہے تاکہ کہیں اپنے بچے کے کباب کی خوشبو پالے اور پھر بدلہ لے۔ تُو اللہ کے بندوں کا گوشت کھاتا ہے اُن کی غیبت کرتا ہے تو سزا ضرور پائے گا۔ اللہ بھی اسی طرح تمہارے منہ سونگھے گا۔ قبر میں منکر نکیر اس خوشبو سے واقف ہیں۔ اُن سے منہ نہیں چھپایا جاسکے گا۔ وہاں کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوگا۔ مَلکُ الموت کا گرز بظاہر نظر نہیں آتا لیکن بیمار بعض اوقات دیکھتا ہے اور گھر والوں سے کہتا بھی ہے کہ دیکھو مجھے کون مار رہا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ یہ وہمی بات نہیں ہے بلکہ جان نکالنے کے لیے مجھے مارا جارہا ہے۔ ہمیں یہ باتیں وہم نظر آتی ہیں لیکن بیمار جو کچھ دیکھتا ہے ہم نہیں دیکھ سکتے۔ اُس کے دیکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اُس کی نظر حرصِ دُنیا سے خالی ہو چکی ہوتی ہے۔

اگر پہلے ہی سے حرص کو ختم کرلیا جاتا اور عذاب کی کیفیت نظر آجاتی تو نیک اعمال کرسکتا تھا۔ اب آنکھ کا کھلنا بے وقت ہے اور بے وقت کا کام ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ جیسے کہ بے وقت اذان دینے والا مرغ ذبح کردیا جاتا ہے۔ ہر آن انسان کے جسم کے اجزاء فنا ہوتے رہتے ہیں اور اُن کی جگہ دوسرے اجزاء لیتے رہتے ہیں۔ اس لیے تُو

وَر رہے خواہی ازیں سجن خرب
اگر اس برباد قید خانے سے رہائی چاہتا ہے

سر مکش از دوست وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ
دوست (اللہ تعالیٰ) سے سرکشی نہ کر اور سجدہ کر اور قریب ہو جا

ہمیشہ اپنے ایمان کی نگرانی کرتا رہ۔ ہر وقت ہر جگہ پر عوض ضرور رکھتا رہ تا کہ تجھے وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (سجدہ کر اور قریب ہو جا) کا مقصد حاصل ہو جائے۔ دُنیا کے کاموں میں کوشش کرو لیکن آخرت کے کاموں میں انہماک رکھو۔ اگر آخرت کے کام نہیں کرو گے تو دنیا سے ناکام جاؤ گے۔ قبروں کی آبادی کتبے لگانے سے نہیں ہوتی بلکہ اپنی قبرِ دل کی صفائی سے بنا۔ اپنی خودی کو اللہ کی خودی میں فنا کر دے۔ ایک بدکار اچھا لباس بھی پہن لے تو اُسے سکونِ قلب تو حاصل نہیں ہوگا۔ نیک عمل انسان گدڑی میں بھی ہو تو اُس کا دل باغ باغ ہوتا ہے۔ نصیحت کرنے والے نے مسافروں سے کہا کہ بھوک کے وقت گھاس کھا لینا لیکن ہاتھی کے بچے کا شکار نہ کرنا۔ میں نے نصیحت کا حق ادا کر دیا ہے۔ اب خدا حافظ۔

مسافروں میں سے ایک نے نصیحت کو مان لیا اور گوشت نہ کھایا لیکن باقی ایسا نہ کر سکے۔ اُسے فقیر کی بات یاد تھی۔ وہ جاگتا رہا اور باقی سب کبابوں سے پیٹ بھر کر سو گئے۔ اُس نے دیکھا ایک خوفناک ہاتھی آیا۔ اُس نے اس کے منہ کو تین بار سونگھا اور بُو نہ پا کر چلا گیا۔ پھر اُس نے ہر سوئے ہوئے کے منہ سونگھے۔ ہاتھی نے اُن سب کو پھاڑ ڈالا۔ اس لئے اے مخلوق کا خون پینے والے! توبہ کر لے۔ لوگوں کے مال کو اُن کا خون سمجھ۔ کسی کے مال کو تباہ کرنا اُس کی جان کو تباہ کرنے کے برابر ہے۔ مکر کرنے والے کو اُس کے مکر کی بُو رُسوا کر دیتی ہے۔ وہ ذات جو ایک اچھی خوشبو یمن سے سونگھ لیتی ہے وہ میرے اور تیرے باطن کی بُو کو کیوں نہ محسوس کرے گی۔ وہ ہم سب کی بُو کو پہچانتے ہیں لیکن اپنے کرم سے ہم سے چُھپاتے ہیں۔

ہر اچھی اور بُری بُو آسمانوں پر پہنچتی ہے۔ ہم سو رہے ہوتے ہیں ہمارے منہ کی بُو آسمانوں کا سفر کر لیتی ہے۔ ہماری تکبر کی بُو، غصہ کی بُو، حرص کی بُو، پیاز کی بُو کی طرح سانس کے ساتھ ہونے کی وجہ سے پہچان لی جاتی ہے۔ اگر تُو انکار کرے گا تو یہ بُو تیرے خلاف گواہی دے گی۔ گناہوں کی بُو کی وجہ سے ہماری دُعائیں مردود ہو جاتی ہیں اور دل کا ٹیڑھا پن زبان سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اخلاص کے ساتھ بعض نامناسب لفظ بھی بارگاہ میں قبول ہو جاتے ہیں۔ اگر دُعا میں اخلاص نہیں ہے تو بہتر الفاظ بھی مردود قرار دیئے جاتے ہیں۔ دوستوں کی غلطی بیگانوں کی اچھائی سے بہتر ہوتی ہے۔

دوستوں کی غلطی کے بیان میں جو محبوب کے نزدیک غیروں کی ٹھیک بات سے بہتر ہے

حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان میں حیّ کو عاجزی کی وجہ سے "ہیّ" پڑھتے تھے۔ منافقوں نے کہا: اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم! ایسا دُرست نہیں ہے کسی فصیح مؤذن کو مقرر فرمایئے۔

ور ہمی خواہی ازیں حبس خرب
اگر اس برباد قید خانے سے رہائی چاہتا ہے

سرکش از دوست وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ
دوست (اللہ تعالیٰ) سے سرکشی نہ کر اور سجدہ کر اور قریب جا

نبی کریم ﷺ جوش میں آ گئے اور فرمایا: بلال کا "ہس" کہنا شور و غُل کے سینکڑوں حیّ سے بہتر ہے۔ مجھے جوش نہ دلاؤ ورنہ تمہارے دل کی ساری بُرائیاں تم پر ظاہر کر دوں گا۔ اگر تمہاری دُعاؤں میں اچھا دم نہیں ہے تو بہتر ہے کسی صفائی والے سے اپنے لیے دُعا کراؤ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا فرمان "مجھے اُس منہ سے پکارو جس سے تُو نے گناہ نہ کیا ہو"

اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: اے موسیٰ علیہ السلام! مراد مانگتے وقت اُس منہ سے مانگ جس سے تُو نے گناہ نہ کیا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! میرا منہ تو ایسا نہیں ہے۔ اللہ نے فرمایا: تو پھر دوسرے کے منہ سے مانگ کیونکہ دوسرے کے منہ سے تُو نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ ایسے عمل کر کہ دوسرے تیرے لیے دُعا کریں۔ تیرا منہ اگر دُعا کرنے کے لائق نہیں ہے تو غیر کا منہ تیری اس مجبوری کے لیے عُذر خواہ ہو جائے گا۔ اگر اپنے منہ سے دُعا کرنی ہے تو منہ کو اور رُوح کو پاک کر لینا چاہیے۔ اللہ کا ذکر پاک ہے۔ جب اس سے پاکی حاصل ہو جاتی ہے تو ناپاکی خود بخود اپنا بوریا بستر باندھ کر باہر ہو جاتی ہے۔ ضدیں ضدوں کو دفع کرتی ہیں۔ روشنی آتی ہے تو رات بھاگ جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ کا پاک ذکر رُوح کو حاصل ہوتا ہے تو نہ پلیدی رہتی ہے اور نہ ناپاک منہ۔

نیازمند کا اللہ کہنا، اللہ کا لبیک کہنا ہے

ایک شخص رات کے وقت اللہ اللہ کرتا تھا اور اس سے خوب لطف حاصل کرتا تھا۔ شیطان نے اُسے کہا: تم بُت کی طرح کب تک ایسے کرتے رہو گے۔ اللہ کی طرف سے تو لبیک کا جواب آج تک نہیں آیا۔ وہ دل شکستہ ہو گیا اور لیٹ گیا۔ اُس نے خواب میں حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا۔ اُنہوں نے پوچھا: تُو نے اللہ کا ذکر کیوں چھوڑ دیا؟ اُس نے جواب دیا: میرے پاس لبیک نہیں آ رہا۔ مجھے ڈر ہو گیا ہے کہ میں مردُودِ بارگاہ ہوں کیونکہ ذکر کا جواب نہیں آتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا: اے سادہ دل! مجھے خدا نے اِس لئے بھیجا ہے کہ تجھے بتاؤں کہ تیرا اللہ اللہ کہنا ہی تو ہماری لبیک ہے اور تیری عاجزی اور درد و سوز تمہاری طرف ہمارا قاصد ہوتا ہے۔ کسی شخص کو عبادت کی توفیق ہونا اللہ کی جانب سے قبولیت کی دلیل ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہی ہے کہ وہ اپنی یاد میں لگا لے۔ اللہ کا عشق اُس کی رحمتوں کو متوجہ کر دیتا ہے۔ تو دُعا کرنے والے کا ایک مرتبہ یارَبّ کہنا اللہ کی جانب سے چند بار لبیک کہنا بن جاتا ہے۔ جس سے خدا ناراض ہوتا ہے اُسے کبھی دُعا کی توفیق ہی نہیں ہوتی۔ اللہ نے اُسے دردِ سر سے بھی محروم رکھا ورنہ وہ ہی دُعا کا سبب بن جاتا۔ وہ بیماری جو اللہ کی طرف رُجوع کرا دے وہ اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

خاکِ پاکاں لیسی و دیوارِ شاں
بھلے لوگوں کی دیوار کی مٹی چاٹنا

بہتر از عام و رز و گلزارِ شاں
عام لوگوں کے باغ کے انگوروں سے بہتر ہے

حدیث میں ہے کہ جب اللہ کسی سے محبت کرتا ہے تو اُسے تکلیف میں مبتلا کر دیتا ہے تاکہ اُس کی عاجزی کو سُنے۔ درد اور زاری کے ساتھ دُعا عشق کا نتیجہ ہوتا ہے۔ گھُٹ گھُٹ کر رونا اِبتدائی حالت میں ہوتا ہے۔ جب انسان درد اور رونے کی حالت میں ''اے مددگار'' اور ''اے معین'' پکارتا ہے تو آواز صاف ہوتی ہے اور اُسی میں انتہائی غم کی کیفیت ہوتی ہے۔ جب جذبۂ الٰہی طاری ہوتا ہے تب انسان درد کے ساتھ گریہ کرتا ہے۔ اصحابِ کہف کے کتے میں جذب پیدا ہوگیا تھا۔ اصحابِ کہف کا کتا اُن اصحاب کے فیضِ محبت سے برابر مئے وحدت پی رہا ہے۔ اے بھائی! ایسے کئی معمولی لباس والے اہل اللہ ہوتے ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا۔ تیرے لئے یہ ضروری ہے کہ جامِ محبت کی طلب میں صبر کے ساتھ اپنی جان دے دے۔ ایک مجاہد جنگ کی سختیوں پر صبر سے کام لیتا ہے تو فتح یاب ہوتا ہے۔

صبر کشادگی کا راستہ ہے۔ تمام معاملات میں احتیاط اور پُختہ کاری سے کام لینا ضروری ہے۔ غفلت انسان کو منزل سے دُور کر دیتی ہے۔ ہر خواہشِ نفس کے پیچھے بھاگنے والا تنکے کی طرح ہوتا ہے۔ شیطان طرح طرح سے انسان کو دھوکے دیتا ہے لیکن انسان کی پُختہ کاری یہ ہے کہ وہ شیطان کے فریب میں نہ آئے اور اُس کے دامِ فریب سے بچ جائے۔ شیطان کے خوش نما فریب میں بہت سی مُضرّتیں پوشیدہ ہیں۔ دُنیا کی دولت کی جھنکار انسان کو اُس کے فریب میں پھنسا دیتی ہے۔ یاد رکھو! قناعت بہت بڑی دولت ہے کیونکہ دُنیا کی چمک دمک چند روزہ ہے اِس کو دھوکا سمجھو۔ ایک قصّہ سُن لے۔

ایک دیہاتی کا شہری کو فریفتہ کرنا اور خوشامد و عاجزی سے دعوت دینا

پچھلے زمانے میں ایک شہری ایک دیہاتی کا دوست بنا۔ دیہاتی جب شہر میں آتا تو اُس کے گھر میں ٹھہرتا اور اُس کی مہمانی کا لُطف اُٹھاتا۔ ایک مرتبہ دیہاتی نے شہری سے کہا: جناب آپ کبھی گاؤں تشریف لائیں۔ اپنے بال بچوں سمیت آئیں اور آ کر دیہات کی بہار دیکھیں۔ شہری اُس سے ٹالنے کے بہانے کرتا رہتا لیکن دیہاتی ضد کرتا رہا کہ میرے بال بچے آپ کے منتظر ہیں۔ شہری نے کہا: میں دل و جان سے حاضر ہوں لیکن ہر نقل و حرکت اللہ ہی کے قبضے میں ہے۔ اسی طرح کے دیہاتی کے وعدوں اور خوشامدوں کی وجہ سے شہری کے بال بچوں نے بھی منت سماجت کی کہ ہمیں دیہات میں لے جائیں تاکہ یہ بھی ہماری مہمان نوازی کا حق ادا کریں۔ شہری نے کہا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس مقولے پر بھی غور کرو کہ ''اُس شخص کے شر سے بچنا جس کے ساتھ تُو نے اِحسان کیا ہو'' دوستی بھی اُن نیکیوں میں سے ہے جو آخری وقت میں کام آتی ہیں۔ میل جول دو قسم

بندہ یک مردِ روشن دل شوی		بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی
کسی روشن دل مرد کا خادم ہو جانا		بادشاہوں کے درباری ہونے سے بہتر ہے

کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہے جو دوستی ٹوٹ جانے کا سبب بنتا ہے اور دوسرا وہ ہوتا ہے جس سے دوستی میں مزید مضبوطی آتی ہے۔ خیال کرنا چاہیے کہ کہیں میل جول دوستی توڑ ہی نہ دے۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر قدم احتیاط سے اُٹھاؤ' ایسا نہ ہو کہ کہیں پھنس جاؤ۔ غلطی سے بچنے کے لئے پہلے عقل سے کام لو اور اپنے تجربے کو کام میں لاؤ اور اگر سمجھو کہ میں ایسا نہیں کر سکوں گا تو کسی دیدہ ور کو اپنا راہبر بناؤ۔ اندھا بھی چلنے کے لئے قدم اُٹھاتا ہے تو احتیاط کرتا ہے کہ کہیں گڑھے میں نہ پڑ جائے۔

اہلِ سبا کا قصہ، نعمتوں کا اُن کو سرکش بنا دینا، اللہ کی نعمت اور شکر کی فضیلت

قرآن میں سبا والوں کا قصہ آیا ہے۔ اللہ نے اُن کو خوب فارغ البالی بخشی۔ اُنہوں نے خوبصورت قلعے' محلات اور باغات تعمیر کیے لیکن اُن بدطینتوں نے اُس کا حق ادا نہ کیا۔ وہ وفاداری میں کتوں سے بھی کم نکلے۔ کتا بھی جہاں سے اُسے لقمہ ملتا ہے وہاں کا وفادار نگہبان بن جاتا ہے۔ وہ کسی غیر کو اختیار کرنا کفر سمجھتا ہے۔ اگر کوئی اجنبی کتا اُدھر آ جائے تو وہ بھونک کر اُس کو تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اپنے پہلے مالک اور اُس کے مکان کو کیوں چھوڑ آیا ہے۔ جس طرح کتے کا پہلے مکان کو چھوڑ دینا بے وفائی ہے اِسی طرح بزرگوں کے در سے مستفید ہو کر اُسے چھوڑنا بھی بے وفائی ہے۔ مرید اپنے شیخ کے در سے بہت سی رُوحانی غذائیں حاصل کرتا ہے۔ سُکر' وجد اور بے خودی رُوح کی غذائیں ہیں۔ اصل غذا وہ ہوتی ہے جو تمہاری رُوح کی پرورش کرے نہ کہ جسم کی۔ اہلِ دل کا دستر خوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجے کی طرح ہوتا ہے جہاں سے سب فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

مُصیبت زدوں کا ہر صُبح حضرت عیسٰی علیہ السلام کے گرجا میں دُعا سے شفا حاصل کرنے کے لیے جمع ہونا

جسمانی اور رُوحانی مریض ہر صبح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجے میں جمع ہو جاتے تا کہ وہ اُن کو تکلیف سے نجات دیں۔ وہ اپنی عبادات سے فارغ ہو کر چاشت کے وقت باہر آتے اور کمزور بیماروں کے غول' اُمید اور انتظار میں دروازے پر بیٹھے دیکھتے تو دُعا کرتے اور کہتے کہ جاؤ! اللہ نے تمہاری حاجتیں پوری کر دی ہیں۔ تمام مریض مصیبتوں سے ایسے آزاد ہو جاتے جیسا کہ اونٹ زانو کا بند کھولنے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اُس نیک بزرگ کی دُعا سے اللہ لوگوں کے دردوغم دُور کر دیتا اور وہ خوشی سے دوڑتے ہوئے واپس جاتے۔ اے انسان! تُو بھی اللہ کے نیک بندوں سے بہت دفعہ فیض حاصل کر چکا ہے۔ اُن کے در کو چھوڑنا ایسا ہے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گرجا گھر سے منہ موڑنا۔ تیری ناشکری نے تجھے وہ شہد بھلا دیا جو تُو نے ان بزرگوں کے

مستی کاید ز بوئے شاہ فرد
وہ مستی جو اُس شاہ کی خوشبو سے پیدا ہو گی

صد خُمِ مے در سر و مغز آں نکرد
شراب کے سو مٹکے بھی پیدا نہیں کر سکتے

در سے پیا تھا۔ لامحالہ اہلِ دل کا دل تُو نے زخمی کر دیا اور وہ راستہ تجھ پر بند ہو گیا۔ اب بھی توبہ کر لے۔ اَبر کی طرح عاجزی سے رو تاکہ اُن کے باغ کا دروازہ تیری طرف کھلے۔ اگر تجھ میں کچھ کمال بھی پیدا ہو گیا ہے تب بھی اُس در کو نہ چھوڑ۔ بے وفائی تو کتوں کے لئے بھی عار اور ذلّت ہے، تُو نے اُس کو اپنے لئے کیوں پسند کر لیا؟

سورۃ توبہ میں اللہ تعالیٰ نے وفاداری پر فخر فرمایا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر زیادہ عہد پورا کرنے والا اور کون ہے؟ اُس کے حکم کے مطابق اچھوں سے اچھائی کرو اور بُروں سے بُرا سلوک کرو۔ ماں کا حق بہت بڑا ہے لیکن اللہ کا حق اُس سے بھی بڑا ہے۔ ماں کے پیٹ میں بھی تیری پرورش اللہ ہی نے کی۔ اُس کے بعد ماں کے پستان میں دودھ بھی اللہ ہی نے پیدا کر دیا۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ میرے اُس احسان کو یاد کرو کہ نوح علیہ السلام کی کشتی کے ذریعے تمہارے باپ دادا کو بچایا۔ میں نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو پھر تُو اس قدر احسانات کے باوجود میرے ساتھ وفا نہ کرنے والوں کو کیوں دوست بناتا ہے۔ میں بھول اور بدگمانی سے پاک ہوں۔ میں باقی ہوں۔ تُو فانی انسانوں سے دوستی کرتا ہے۔ حالانکہ دوستی کے لائق کوئی فانی نہیں بلکہ باقی ہوتا ہے۔ انسان تو ہر حال میں انسان کا ساتھ چھوڑ دیتا ہے، چاہے اچھا ہو یا بُرا۔ اُس ذات کے ساتھ تعلق پیدا کرو جو قیدِ زمان و مکان سے پاک ہے۔ اِس طرح کا تعلق پیدا کرو کہ جب تُو جسمانی زندگی گزارے وہ تیرے ساتھ ہو اور جب تو رُوحانی زندگی گزارے تو لامکان میں تیرے ساتھ ہو۔ اُس کو اپنا ساتھی بنا جو کہ انسان کی بُرائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

جب انسان کوئی غلطی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُسے تنبیہ فرما کر بُرائی سے نکال کر بھلائی کی طرف متوجہ فرما دیتا ہے۔ اگر کوئی مقررہ عبادت فوت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ انسان میں ایک اِنقباضی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ تنبیہ ہوتی ہے کہ انسان اپنا معمول نہ چھوڑے۔ اِنقباضی کی یہی کیفیت آخر میں ایک زنجیر بن جائے گی جس سے فرار ناممکن ہو جائے گا۔ گناہ کرنے کے بعد انسان میں ایک دلی تنگی پیدا ہو جاتی ہے، وہ اسی گناہ کا اثر ہوتا ہے۔ جب انسان اس گناہ پر اصرار کئے جاتا ہے تو وہی دلی تنگی ظاہری گرفت بن جاتی ہے۔ اِبتدائی اِنقباضی کیفیت زیادہ پکی ہو کر سزا کی صورت اختیار کر لے گی۔ اسی طرح نیکی، انسان کی رُوح کے لئے اِنشراحی کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ اِنقباضی کیفیت کا احساس ہو تو توبہ کے ذریعے اُس کا علاج کر کے ازالہ کیا جا سکتا ہے۔ نیکی پر انشراحی کیفیت پیدا ہو تو اُس میں اضافے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اگر اللہ کی رحمت سے اِنشراحی کیفیت میں پھل پیدا ہوں تو احباب کو اُس سے فیض پہنچانا چاہیے۔ کسی کی دی ہوئی نعمت کا کفران یہ بھی ہے کہ محسن کا شکر ادا نہ کیا جائے۔

مستی کاید ز بوئے شاہِ فرد	صد خُمِ مے در سر و مغز آں نکرد
وہ مستی جو اُس شاہ کی خوشبو سے پیدا ہو گی	شراب کے سو مٹکے بھی پیدا نہیں کر سکتے

سبا والوں کا باقی قصہ

سبا والوں نے کفران کی یہ صورت اختیار کی کہ اُن نعمتوں کو نعمت نہ سمجھا اور اللہ سے اُس کیخلاف تمنا شروع کر دی اور جھگڑا کیا۔ اہل سبا پر یہ کرم تھا کہ اُن کی آبادیاں قریب قریب تھیں تا کہ سفر کی مشقت سے بچ سکیں۔ چاروں طرف سرسبز باغات تھے تا کہ اُن سے فائدہ اُٹھائیں لیکن اُنہوں نے اِن دونوں چیزوں کو نعمت نہ سمجھا۔ انسانی نفس کی ایک یہ بھی خاصیت ہے کہ وہ ایک حالت پر راضی نہیں رہتا۔ گرمیوں میں جاڑوں کی اور جاڑوں میں گرمیوں کی تمنا کرنے لگتا ہے۔ اسی لئے نفس کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ نفس کی خاصیت ایک گوکھرو کی سی ہے کہ اس کو جس جانب بھی رکھیں یہ ضرور زخم پہنچائے گا۔ نفس کے کانٹے کو پھونکنے کی ترکیب یہی ہے کہ ہر خواہش کو ترک کر دیا جائے۔ اہلِ سبا نے یہاں تک زیادتی کی کہ وبا کو نسیم سحری سے اچھا سمجھنے لگے۔ نصیحت کرنے والوں نے انہیں کفر اور فسق سے روکنا چاہا تو وہ اُن بزرگوں کی جان کے درپے ہو گئے لیکن اللہ کی قضا آتی ہے تو انسان مجبور ہو جاتا ہے۔ اگر بدبختی کی وجہ سے آنکھ آنکھ کے سُرمے ہی کو نہ دیکھ سکے جو اُس کا علاج ہے تو پھر سوائے اللہ سے مدد مانگنے کے کوئی چارہ ہی نہیں رہتا۔ زاری کرنے سے انسان قضا کی مار سے بچ جاتا ہے۔ ایسی حالت میں زاری سے اللہ کی مدد طلب کرو۔

اللہ کے غضب کے آثار دیکھ کر بھی جو ہوش میں نہ آیا وہ ضرور مصیبتوں میں گرفتار ہوگا۔ نصیحت کرنے والوں نے اُنہیں نیکی کی دعوت دی لیکن اُنہوں نے نہ مانا اور اُن کو غمگین کیا۔ اُن سے جواب میں کہا کہ ہم خود اپنی بھلائی کو سمجھتے ہیں ہمیں تمہاری نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سردار ہیں اور کسی کے تابع نہیں بن سکتے۔ تمہاری دوستی کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ اُن کے دماغوں میں جاہلیت گھسی ہوئی تھی اور بدبختی کا کوا اُن پر سوار تھا۔ اُنہوں نے اُن یوسفوں (بزرگوں) کو ذلیل کیا اور پھر اس کی سزا بھگتی۔ اہلِ سبا کے لئے یوسف خود اُن کا دل تھا جو طالبِ حق تھا لیکن اُس دل کو اُنہوں نے نفسِ امارہ کا قیدی بنا دیا۔ یعنی رُوح کو جسم کے ستون کے ساتھ باندھ دیا اور اُسے مادی غذائیں کھلانی چاہیں۔ اُس کی غذا تو ذکرِ الٰہی تھا۔ وہ تو لقاءِ دوست کی بھوکی تھی۔

رُوح انسان کے ظلم وستم کی خدا سے شکایت کرتی ہے۔ وہ اُسے فرماتا ہے: صبر کرو۔ رُوح کہتی ہے: اے دوست! مجھے جلدی اپنے پاس بلا لے مجھے نفس کے ہاتھوں مادی تکالیف برداشت کرنی پڑ رہی ہیں۔ جیسی آنحضور ﷺ کو یہود کے ہاتھوں اور حضرت صالح علیہ السلام کو ثمود کے ہاتھوں برداشت کرنی پڑی تھیں۔ رُوح کہتی ہے: اب مجھے فراق برداشت نہیں۔ تُو مجھے اپنے پاس بلا لے یا خود میرے پاس آ جا۔ خدا سے جُدائی کی کیفیت تو کفار بھی برداشت نہیں کر سکیں گے

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف	**تا نہد بر گورِ اُو دِل رُوی وکف**
ایک مردِ خدا کی وجہ سے اُس کی قبر کی مٹی شرف پالیتی ہے	یہاں تک کہ دل اُس پر جھک جاتا ہے اور منہ اُس پر رکھ دیتا ہے

چہ جائیکہ مومن برداشت کرے۔ فراق میں بے گانوں کا یہ حال ہے تو اپنوں کا کیا حال ہوگا۔

دیہاتی کی دعوت پر خواجہ کا گاؤں جانا

دیہاتی نے ایسی خوشامد کی، شہری خواجہ کی ہوشیاری کو دیوانہ بنا دیا۔ یاد رکھ! جو بات بھی تیرے لیے دوست سے جُدائی کا سبب بنے اُس کو نہ سُننا چاہیے۔ معمولی فائدے کے لئے بڑا نقصان گوارا نہیں کرنا چاہیے۔ سورۂ جمعہ میں قصہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار مدینہ میں گیہوں کا آٹا فروخت کرنے والا قافلہ آیا، اُس وقت آنحضور ﷺ نمازِ جمعہ پڑھا رہے تھے۔ صحابہ آٹا خریدنے کے شوق میں حضور ﷺ کو نماز پڑھاتے چھوڑ کر چلے گئے۔ اِس پر صحابہ موردِ عتاب بنے۔ اُنہوں نے تھوڑے فائدے کے لئے بڑا نقصان کیا اور آنحضور ﷺ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ صرف دس، بارہ صحابہ وہاں موجود رہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حضور ﷺ کی صحبت تمہارے لئے بہتر تھی۔ رزّاق تو میں ہوں۔ گیہوں کو بھی تو میں ہی رزق دیتا ہوں تو تمہارے توکل کو کیسے ضائع کرتا۔ تم لوگ گیہوں کے لئے اُس سے جدا ہوگئے جس نے گیہوں آسمان سے بھیجا ہے کیونکہ نبی سے جدا ہونا خدا سے جدا ہونا ہے۔ تُو پانی کی بطخ سے کم نہیں، جو دعوت دینے والے باز کو جواب دیتی ہے۔ باز، بطخ سے کہتا ہے کہ تُو پانی سے نکل اور دیکھ جنگل میں کیسے شکر بکھری پڑی ہے۔ بطخ نے کہا: اے باز! جا کیونکہ پانی میرے لئے امن کا قلعہ ہے۔ خشکی کی عُمدہ خوراک میرے کسی کام کی نہیں ہے۔

شیطان انسان کے لئے ایسا ہی ہے جیسا باز بطخوں کے لئے تھا۔ جب شیطان دُنیا کی محبت کا لالچ دلائے اُس کو دھتکار دو اور روزی کے بارے میں انسان کو توکل سے کام لینا چاہیے۔ پختہ کار خواجہ نے بہت عُذر کئے کہ میں دیہات کو چلا جاؤں گا تو یہاں کاروبار کا انتظام نہیں ہو سکے گا۔ لیکن اُس کے تمام حیلے تقدیرِ خداوندی کا مقابلہ نہ کر سکے۔ قضا کے مقابل آدمی مجبور ہوتا ہے۔ زمین، سورج کی تپش برداشت کرنے پر مجبور ہے، اِسی طرح انسان قضا کے ہاتھوں لاچار ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح اللہ کے سُپرد کر دے کیونکہ اُس نے قرآن میں فرمایا ہے: اے انسانو! ہم نے تمہیں زمین کی مٹی سے پیدا کیا اور اسی میں ہم تمہیں لوٹائیں گے۔ دیکھو خاکساری اختیار کرنے والے کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ بیج، مٹی میں مل کر نشو ونما پاتا ہے۔ تُو خاکی بن جائے گا تو میں تجھے بڑے رُوحانی مراتب سے نوازوں گا۔ پانی آسمان سے زمین کی طرف آیا تو زمین سے نکل کر انسان کا جُزو بنا اور انسانی صفات اختیار کر کے عرش تک پہنچا۔ عالم کے اجزاء حرکت وسکون میں یہی کہتے ہیں کہ ہم تیری طرف لوٹنے والے ہیں۔ ان پوشیدہ اجزاء کے ذکر اور تسبیح نے آسمان میں غلغلہ مچا رکھا ہے۔ آخر کار شہری خواجہ کی ثابت قدمی کا پہاڑ دیہاتی کی خوشامد

خاکِ گور از مردِ حق یابد شرف ایک مردِ خُدا کی وجہ سے اُس کی قبر کی مٹی شرف پالیتی ہے	تا نہد بر گورِ اُو دِل رُوی و کف یہاں تک کہ دل اُس پر جھک جاتا ہے تھا اور مُنہ اس پر رکھ دیتا ہے

کے سیلاب کے آگے نہ ٹھہر سکا۔ قضا ہر جگہ کارفرما ہے۔ اِسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا تھا ہم اللہ کی قضا سے اللہ ہی کی قضا کی طرف فرار اختیار کرتے ہیں۔ قضا سے کوئی تدبیر رہائی نہیں دلا سکتی۔

اہلِ ضروان کی تدبیر کہ وہ فقیروں کی زحمت سے بچ کر باغوں کے پھل توڑ لیں

یمن میں صنعاء کے قریب ایک گاؤں ضروان تھا۔ اُس کے باشندوں کا قصہ قرآن میں مذکور ہے۔ اُنہوں نے فقراء کو اللہ کی نعمتوں سے محروم رکھنے کے لئے خفیہ سرگوشی کی تاکہ خدا اُن کی سازش سے بے خبر رہے۔ قرآن میں ہے اَلَا یَعۡلَمُ مَنۡ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ۔ "بے شک وہ اللہ جانتا ہے اُن کو جن کو اُس نے پیدا کیا ہے اور وہ مہربان اور باخبر ہے"۔ اب شہری خواجہ کی داستان بھی سُن لے کیونکہ وہ درد سے بھری ہوئی ہے۔ تُو غور سے سُنے گا تو اُس کے دل کا دُھواں خارج ہو جائے گا۔ تُو اگر اللہ کی رحمت سے سیراب ہے اور تیرا سلوک راہِ حق پر ہے تو براہِ مہربانی ہمیں بھی اپنی معیت کا شرف بخش دے۔ تردّد کی کیفیت عروج کے لئے مُضر ہے۔ اِس لئے اگر ہرن کا نافہ حاصل کرنا ہے تو ہرن کے نقشِ قدم پر چل کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ یاد رکھ! آثار ہی سے ذات تک رسائی ہوگی۔ اگر تُو اِس راہ پر مجاہدات کر رہا ہے تو مشکلوں سے نہ ڈر۔ خوف کا طاری ہونا اِس بات کی علامت ہے کہ جلد ہی لَا تَخَفۡ کا مقام حاصل ہوگا جو ہر طرح کے خوف سے بالکل خالی ہے۔

غرض شہری خواجہ اور اُس کے گھر والے سفر کی تیاری میں لگ گئے کہ گاؤں جا کر وہاں کی زندگی کا لُطف اُٹھائیں گے۔ اندر سے عقل اُن کو کہہ رہی تھی کہ زیادہ خوش نہ ہو۔ اُسی پر خوشی محسوس کرو جو اللہ نے تمہیں دیا ہے۔ اُس کے غیر سے خوش ہونے کی کوشش نہ کرو۔ جن کی عقل پختہ نہیں ہوتی وہ ہمیشہ دنیاوی لذتوں کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ یاد رکھ! قدرت پوشیدہ ہے لیکن اُس کے تیر دیکھنے والوں کو نظر آتے ہیں۔ تیر ہم پر مسلسل چل رہے ہیں لیکن کمان چھپی ہوئی ہے۔ اُن تیروں کی مار ہی کی وجہ سے تو ہم توانا جوانی سے لاغر بڑھاپے کی طرف چلے جاتے ہیں۔ اے لوگو! دل کی دُنیا کو آباد کرو۔ یہ ایک مضبوط قلعہ ہے؛ جس میں طرح طرح کے گلشن اور باغیچے ہیں۔ قلب کی دُنیا گویا شہر کی دُنیا ہے اور خارجی دُنیا گاؤں کی طرح۔ گاؤں ایک ناقص شیخ کی طرح ہوتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ "جس نے دیہات کی سکونت اختیار کی وہ سخت دل بن گیا"۔ گاؤں میں ایک دن رہنے سے انسان ایک مہینے کے لئے بے عقل ہو جاتا ہے۔ شہر گویا شیخِ کامل ہے جو تیرے ظاہری حواس پر بندھی پٹی کھول دیتا ہے۔ اگر تُو اب تک اپنے باطن کی اِصلاح نہیں کر سکا ہے تو فکر نہ کر اپنے ظاہر ہی کو دُرست کرنے کی کوشش کر کیونکہ

از خدا جوئیم توفیقِ ادب
ہم خُدا سے ادب کی توفیق چاہتے ہیں

بے ادب محروم ماند از فضلِ رب
بے ادب خُدا کے فضل سے محروم رہا

مجاز حقیقت تک پہنچنے کا ایک پُل ہے۔ پہلے صورت بنی اور پھر اُس میں جان پیدا کی گئی۔ ہر میوے کی ابتداء صورت ہے۔ لذت جو کہ اس پھل کا معنیٰ ہے بعد میں آیا۔ خواجہ اور اُس کے گھر والے خوشی خوشی سفر پر چل پڑے ہیں۔ سفر وسیلہ ظفر ہوتا ہے۔ سفر کے بغیر چاند کب حسین بنتا ہے اگر مقصد محبوب ہو تو انسان کے لئے راہ کی سختیاں خوشگوار بن جاتی ہیں۔ انسان محبوب بیوی کی خاطر دن بھر کمائی کرتا ہے۔ لیکن یاد رکھو! فانی اشیاء کی محبت عارضی ہوتی ہے۔

ماں باپ کی محبت، دودھ پلانے والوں کی محبت، سب چند روزہ ہوتی ہیں۔ بچّے کی مکتب سے نفرت بھی عارضی ہے۔ صرف مجازی محبوب پر حقیقی محبوب کا سایہ پڑ جاتا ہے، اس لئے وہ محبوب بن جاتا ہے۔ اس لئے محبت کے لائق حقیقی محبوب ہی ہے۔ ایک وقت وہ آتا ہے کہ یہ حُسن اپنی اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ پھر یہ حسین خوبصورت نہیں رہتا۔ جب عارضی حُسن جاتا رہتا ہے تو اُسی محبوب سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ دُنیا کی جن حسین چیزوں پر ذاتِ باری کے پرتَو سے عارضی حُسن ہے اُن پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ دیوار پر روشنی عارضی ہے یہ سورج سے آ رہی ہے۔ پانی آسمان سے آ رہا ہے۔ پرنالے پر اپنی توجہ نہ کر۔ اس میں پانی وقتی طور پر آ رہا ہے۔

مجنُوں کا لیلیٰ کے کُوچے کے کُتّے کو نوازنا

اس حکایت کا مطلب ہے کہ محبوب کے دَر کے کتے کو بھی لوگ محبوب رکھتے ہیں۔ مجنوں، لیلیٰ کے کُوچے کا اُسی طرح طواف کرتا تھا جس طرح حاجی خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ وہ اُس کو چومتا تھا۔ ایک بیہودہ نے اُسے کہا: اے پاگل! تُو اس غلیظ کتے کو کیوں چومتا ہے؟ وہ کتے کے بہت سے عیب گنوا رہا تھا لیکن عیب جاننے والا غیب جاننے والے کا راز نہ پا سکا۔ مجنوں کہنے لگا: تُو کتے کے ظاہر کو نہ دیکھ۔ میرے اندر آ اور میری آنکھ سے اِسے دیکھ۔ اس کتے کا ایک بال بھی شیروں کی قیمت سے زیادہ ہے۔ اے انسان! اگر مجازی محبوب کے کتے کے ساتھ یہ تعلق ہو سکتا ہے تو دیکھ لے محبوبِ حقیقی سے متعلق چیزوں سے کس قدر محبت ہونی چاہیے۔ اگر انسان صورت پرستی سے بلند ہو جائے تو پھر حقیقت کی جنت کی سیر کر سکتا ہے۔ اگر انسان اپنا بُت توڑ دے تو پھر ہی بُت شکنی کر سکتا ہے۔ خود کو ختم کر کے ہی حیدری قوت حاصل ہو سکتی ہے۔

شہری خواجہ اور اُس کی اولاد صورت پرستی میں مبتلا ہو گئے تھے۔ اِسی لئے دیہاتی کی چکنی چپڑی باتوں سے دیہات کو جانے پر راضی ہو گئے کہ وہاں جا کر خوب عیش کریں گے۔ انہوں نے دیہاتی کی باتوں کو اپنے لئے کرم سمجھا اور اندھا دُھند گاؤں کی طرف چل دیئے۔ وہ گاؤں در گاؤں پھر رہے تھے کیونکہ زیادہ خوشی کے زیرِ اثر اُنہوں نے صحیح راستہ بھی

معلوم کرنے کی طرف توجہ نہ دی۔ جو شخص کسی اُستاد اور شیخ کی رہبری کے بغیر چلے گا۔ اُس کا یہی حال ہوگا جو اُس خواجہ اور اُس کے بیوی بچوں کا ہوا۔ یاد رکھو! اَسبابِ ظاہری کے بغیر مقصد کو پہنچنا بالکل ایسا ہی نادر ہے جیسا ماں باپ کے بغیر بچے کا پیدا ہونا۔ صرف معروف طریقے سے ہی محنت کرنے سے مقصد حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ صرف آنحضور ﷺ ہی کی خصوصیت تھی کہ اُستاد کے بغیر براہِ راست ذاتِ خداوندی سے اُن کو علوم حاصل ہوئے۔ عوام کو قلم ہی کے ذریعے تعلیم دی جاتی ہے۔ "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" غرض خواجہ اور اُس کے خاندان نے راستے میں بہت رنج اور تکلیف دیکھی۔

خواجہ اور اُس کے خاندان کا گاؤں میں پہنچنا اور دیہاتی کا اُن کے ساتھ سلوک

اب تکلیفیں دیکھ کر خواجہ اور اُس کے خاندان کو گاؤں سے نفرت سی ہونی لگی۔ ایک ماہ کے تکلیف دہ سفر کے بعد وہ لوگ دیہاتی کے گاؤں پہنچ گئے۔ دیہاتی بدنیتی سے ادھر اُدھر ہو جاتا تاکہ کہیں وہ اُس کے باغ کی طرف نہ آجائیں۔ ایسے مجسم مکر اور شرارت کا چہرہ مسلمانوں سے چھپا رہنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ ایسے ہی خبیث چہرے کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے (جیسے ابوجہل کے چہرے کے بارے میں فرمایا) کہ ہم ضرور اُس کی پیشانی پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ دیہاتی کے گھر والوں نے دروازہ بند کرلیا اور اُن کی رات جاڑے میں گزرتی اور دن سورج کی گرمی میں بسر ہوتا۔ اُن کے پاس اپنا روپیہ پیسہ ختم ہوگیا اور اب وہ مجبوراً اُس کے دروازے پر پڑے رہتے۔ خواجہ دیہاتی کو سلام کرتا تو وہ اُس سے پوچھتا کہ آپ کون لوگ ہیں؟ دیہاتی اُس کے سامنے اپنی بزرگی کی باتیں بگھارنے لگ جاتا۔ شہری کہنے لگا کہ یہ دن تو قیامت جیسا ہے کیونکہ اُس دن بھائی بھائی کو بھی نہیں پہچانے گا۔

اُس نے کہا کہ میں وہی ہوں جس کے دسترخوان سے تم خوب خوب کھاتے رہے ہو۔ کیا تو مہینوں میرا مہمان نہیں رہا؟ کہتے ہیں جب حلق نعمت کھاتا ہے تو منہ شرماتا ہے۔ دیہاتی نے کہا کہ یہ کیا بکواس ہے میں تو تجھے جانتا ہی نہیں ہوں۔ پانچویں روز رات کو بارش ہوگئی۔ خواجہ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ بڑی مشکل سے دیہاتی باہر آیا تو خواجہ نے کہا کہ میں نے سب حق چھوڑے۔ جاڑے اور تکلیف سے میری جان نکلی جارہی ہے۔ ہمیں کم از کم کوئی ایسی جگہ دکھا دے کہ ہم بارش سے بچ کر لیٹ جائیں۔ دیہاتی نے اُن کو باغبان کی اُس کوٹھڑی میں ڈال دیا جس میں رہ کر وہ رات کے وقت تیر کمان لے کر بیٹھ جاتا تاکہ رات کو آنے والے بھیڑیوں کو مارے۔ دیہاتی کہنے لگا: تو وہی خدمت کر اور اُس کوٹھڑی میں رہ جا اور میرے انگوروں کی بھیڑیے سے حفاظت کر۔ شہری اور اُس کے گھر والے ٹڈیوں کی طرح ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے: اے خدا! یہی ہماری سزا ہے۔ جو کمینوں کو اپنا دوست بنائے اُس کے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہر چہ آید بر تو از ظلماتِ غم
تجھ پر جو غم کی اندھیریاں آتی ہیں

آں زبیا کی و گستاخی ست ہم
وہ تمہاری کسی بیباکی اور گستاخی کی وجہ سے بھی ہیں

جو بزرگوں کی صحبت چھوڑ کر دُنیا کے لالچیوں کی طرف دوڑتا ہے وہ نہ گھر کا رہتا ہے نہ گھاٹ کا۔ یہی حال اُس شہری خواجہ کا تھا۔

بزرگوں کی صحبت میں تکلیفیں اُٹھانا دُنیا داروں کی لُطف اندوزیوں سے بہتر ہوتا ہے۔ اُس کوٹھڑی میں بے شمار مچھر اور پسو تھے لیکن خواجہ' بھیڑیے کے خوف میں اِس قدر مبتلا تھا کہ اُسے اُن کو اُڑانے کی فرصت بھی نہ تھی۔ اچانک اُس نے دیکھا کہ ایک بھیڑیا آتا ہے۔ خواجہ نے تیر چھوڑا تو وہ جانور کو لگا اور وہ گر پڑا۔ دیہاتی نے شور مچایا: اے نامراد! تُو نے میرے گدھے کے بچّے کو مار دیا کیونکہ اُس کے گرنے سے جو گوز نکلا ہے میں اُسے پہچانتا ہوں۔ تُو نے بھیڑیے کو نہیں میرے گدھے کے بچّے کو مار دیا ہے۔ خواجہ اُچھل پڑا۔ اُس نے دیہاتی کا گریبان پکڑ لیا اور کہا: اے دیوانے! تُو اپنے گدھے کی بُو کو پہچانتا ہے تُو مجھے کیوں نہیں پہچانتا؟ تُو کہتا ہے کہ میں صرف اللہ کے معاملے میں ہوش میں ہوں اور اپنے معاملے میں بے خبر ہوں۔ تیرے دعوؤں کا اللہ نے امتحان لیا ہے۔ تُو مقامِ فنا میں پہنچنے کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اللہ نے ثابت کر دیا ہے کہ تُو غلط دعوے کر رہا تھا۔ جب کوئی عشقِ الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے تو اُس کی آزمائش شروع ہو جاتی ہے اور خاصانِ خدا دعوے کی حقیقت کو پہچان لیتے ہیں۔

کسی مُدّعی کمال کو صاحبِ کمال اور عوام کی جانب سے پہچاننے کے بارے میں اشارہ

اگر کوئی درزی ہونے کا دعویٰ کرے تو بادشاہ اُس کے سامنے قیمتی کپڑا ڈال دیتا ہے کہ اسے سی کر دکھا تاکہ دعوے کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہو جائے۔

اگر ہر نا اہل کے امتحان کا طریقہ نہ ہوتا تو ہر ہیجڑا رُستم ہوتا۔ یاد رکھو! اللہ کا مست تو صُور پھونکنے سے بھی ہوش میں نہیں آتا۔ اللہ کی شراب سچی ہوتی ہے جھوٹی نہیں ہوتی۔ تُو اپنے آپ کو جُنید اور بایزید بتاتا ہے لیکن اپنے مکر کو کیسے چُھپا سکے گا۔ بہتر یہی ہے کہ اپنے آپ کو سالکوں سے کم تر سمجھ۔ تُو اپنے آپ کو خدا کا عاشق بتاتا ہے لیکن دوستی کالے شیطان سے رکھتا ہے۔

یاد رکھ! اولیاء رحمہم اللہ کا قرب محض خالق و مخلوق کا قرب نہیں ہوتا۔ وہ خاص قسم کا قرب ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو جو قربِ الٰہی حاصل تھا۔ اُس کا نتیجہ یہ تھا کہ اُن کے ہاتھ میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ محض خالقیت اور مخلوقیت کے تعلق سے یہ بات پیدا نہیں ہو سکتی۔ اللہ ہر انسان کی شہ رگ یا اس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ وہ اپنی رزّاقیت کے اعتبار سے بھی ہمیشہ ہمارے نزدیک ہے۔ یہ قرب تو سب انسانوں کو حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کا اصل قرب اُن کو حاصل ہوتا ہے جو اللہ کے

مقرّب ہوں۔ اُن کو عشق کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ اے جھوٹے! تیری غیر واقعی مستی کا اظہار بعد میں شرمندگی کا موجب بنے گا لیکن کاملوں کی دیوانگی بھی عقل مندوں کے لئے باعثِ رشک ہوتی ہے۔ ہاں اگر انسان حقیقت تک پہنچ جائے تو بے شک شوق سے وجد کرے اور فنافی اللہ کے مقام پر پہنچ کر انسان اگر مخلوق کو نہ پہچانے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

گیدڑ کا رنگ کے مٹکے میں گر کر رنگین ہونا اور مور بن جانے کا دعویٰ کرنا

ایک گیدڑ رنگ کے مٹکے میں گر گیا۔ باہر نکلا اور اپنے آپ کو رنگین دیکھا تو کہنے لگا کہ میں تو جنت کا مور ہوں۔ اُس نے اپنے آپ کو گیدڑوں پر پیش کیا اور مور ہونے کا دعویٰ کر دیا۔ سب نے کہا کہ یہ تیری غلط قسم کی مُستی ہے۔ تکبر نے تجھے ہم سے جدا کر دیا ہے تُو نے مکر کیا ہے تاکہ اپنی ڈینگوں سے لوگوں کو حسرت دلائے۔ یہی حال بناوٹی پیروں کا ہوتا ہے کہ باہر سے کچھ اور ہوتے ہیں اور اندر سے کچھ اور۔

ایک شیخی خورے کا ہر صبح ہونٹوں اور مونچھوں کو دُنبہ کی چربی سے چکنا کرنا تاکہ ظاہر ہو کہ چکنا کھایا ہے

ایک ذلیل شخص کو دُنبے کی چربی کا ٹکڑا ملا۔ ہر روز وہ اُس سے اپنی مونچھوں کو چکنا کرتا اور باہر جا کر لوگوں سے ڈینگیں مارتا کہ میں نے مرغن کھانے کھائے ہیں۔ ثبوت کے لئے اپنی چکنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرتا لیکن اندر سے اُس کا بھوکا پیٹ بلا آواز پکارتا کہ جھوٹوں پر لعنت ہو۔ جسم کے سب اعضاء مونچھوں کو بددُعا دیتے۔ دوسرے سب اعضاء کہتے کہ اگر تُو اپنی بھوک کا اِظہار کسی سے کر دیتا تو شاید کوئی سخی تجھے کھانا دے دیتا جس سے تیری بھوک مٹ جاتی۔ انسان کو کبھی غلط بیانی سے کام نہیں لینا چاہیے۔ سچائی ہمیشہ مُفید ہوتی ہے۔ اپنی خامی کو چُھپانا اچھا نہیں ہوتا۔ اِس کا اِظہار کر کے علاج کرانا چاہیے۔ اگر انسان کا باطن بُرا ہو تو اُسے کم از کم بھلائی کی شیخی تو نہ مارنی چاہیے کیونکہ جب حقیقت کھل جائے گی تو رُسوائی ہوگی۔ اگر تیرے چربی کے ٹکڑے کو بلی لے گئی تو تُو بدنام ہو جائے گا۔ اے جھوٹے بنے ہوئے درویش! اس طرح اپنی رُسوائی کا سامان نہ کر۔ اگر انسان کو کوئی کمال کا مقام حاصل ہو بھی جائے تو اس کا بھی فخریہ اظہار ہر جگہ نہ کرتا پھرے۔ اولیاء رحمہم اللہ اپنی بصیرت سے کھوٹے کھرے کو پرکھ لیتے ہیں۔ اِسی طرح اُن اولیاء رحمہم اللہ کے بھی اِمتحان اور آزمائش ہوتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہے یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّتَیْنِ "وہ ہر سال میں دو مرتبہ آزمائے جاتے ہیں"۔ خبردار! خود پسند ہرگز نہ بن۔ بلعم باعور جو کہ ایک درویش تھا اور شیطان دونوں اپنی ابتدائی کامیابیوں پر مغرور ہو گئے اور آخر کار تباہ ہوئے۔ یاد رکھو! انسان کی شیخی اُناتوں اور اللہ تعالیٰ کے کرم کی منافی ہوتی ہے۔ جب پیٹ نے مونچھوں کو بددُعا دی اور اپنے آپ

پیش اہلِ تن ادب بر ظاہر ست
اہلِ ظاہر کے سامنے صرف ظاہری ادب ہی ضروری ہے

کہ خدا از ایشاں نہاں را ساتر ست
لیکن اہلِ باطن کے سامنے خیالات کا ادب چاہیے

کو اللہ کے سپرد کر دیا تو بلی چربی کے ٹکڑے کو لے بھاگی۔ اُس شیخی خورے کا چھوٹا بچہ مجمع میں آیا اور زور زور سے کہنے لگا: ابا وہ چربی جو آپ مونچھوں کو لگاتے تھے اُسے بلی لے بھاگی ہے۔ میں نے پکڑنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ میرے ہاتھ نہیں آئی۔ وہ شرمندہ ہوا اور لوگ اُس پر ہنسنے لگے۔ لوگوں کو اُس کی حالت پر رحم آ گیا۔ اُنہوں نے اُس کا پیٹ بھر دیا۔ جب اُس نے شریف لوگوں کی سچائی کا ذوق دیکھا تو تکبر سے توبہ کر لی۔ تو بھی سچائی کو اپنا پیشہ بنا اور دونوں جہانوں میں نیک نام ہو جا۔

فرعون کا خُدائی کا دعویٰ، اُس گیدڑ کی مانند ہے، جو خود کو مور کہتا تھا

فرعون نے غرور سے اپنی داڑھی میں موتی پرو رکھے تھے۔ وہ بھی اسی گیدڑ کی نسل سے تھا جس نے عارضی رنگ کی وجہ سے اپنے آپ کو مور کہنا شروع کر دیا تھا۔ اُس کو مال، دولت اور جاہ کا عارضی رنگ تھا۔ وہ اللہ کے برگزیدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے پر آ گیا۔ تکبر انسان کو اس طرح ہلاک کر دیتا ہے جس طرح سانپ ہلاک کرتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے معجزوں نے اُس کے تکبر کو رُسوا کر دیا۔ وہ جھوٹا سونا تھا کسوٹی کے سامنے آیا تو سیاہ پڑ گیا۔ تُو جو کچھ اپنے آپ کو ظاہر کرتا ہے اس پر تیرا امتحان ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا کہ مُنافق خواہ بظاہر بہت اچھے نظر آتے ہیں لیکن تم اُن کو اُن کے لہجے سے پہچان لو گے جس طرح ٹوٹا ہوا برتن آواز سے پہچان لیا جاتا ہے۔

ہاروت اور ماروت نے آزمائش پر دلیری کی اور اپنے آپ کو اللہ کے دیدار کے مست کہا حالانکہ یہ اُن کے اِستدراج کی مستی تھی۔ وہ اِمتحان میں پڑے تو تباہ ہوئے۔ ایک بکرا مست ہو گیا۔ اُس نے ایک بکری دیکھ لی تھی۔ وہ اس مستی میں ایسا ہو گیا کہ گڑھے اور ہموار زمین میں بھی فرق نہ کرتا۔ شہوت کی مستی میں بھی انسان اندھا ہو جاتا ہے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔ شہوت سے مغلوب بکرا، بکری کی طرف بھاگا جو کہ دوسرے پہاڑ پر کھڑی تھی، تو اُسے وہ شکاری نظر نہ آئے جو درمیان میں گھات میں تھے۔ بکرا آسانی سے شکار ہو گیا۔ اے انسان! تو بھی شہوت کی مستی کے بال سے آزاد ہو جا۔ خدائی مستی اختیار کر لے۔ قربِ الٰہی کی مستی جس شخص کو حاصل ہو جاتی ہے دُنیا کی مستیاں اُس کی نظر میں ہیچ ہوتی ہیں۔ جب تک انسان نے شیریں پانی نہ پیا ہو اُسے کھاری پانی ہی شیریں لگتا ہے۔ فرشتوں اور رُوحوں کو قربِ الٰہی کی ایسی مستی حاصل ہوتی ہے کہ اُن کے دل اس سے وابستہ ہو جاتے ہیں اور وہ دُنیا کی مستیوں کے اسباب ہی کو ختم کر دیتے ہیں۔ کفار کی رُوحیں قربِ الٰہی کی مستی سے محروم ہیں۔

پیشِ اہلِ دل ادب بر باطن ست
اہلِ دل کے سامنے باطنی ادب کی ضرورت ہے

زانکہ دل شاں بر سرائر فاطن ست
کیونکہ اُن کا دل باطنی احوال پر ہی لگتا ہے

بعض اوقات قربِ الٰہی سے جو مستی حاصل ہوتی ہے شیطان کے اثر سے استدراج میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ وہ ہمیشہ انسان کو غرور پر اُکساتا ہے۔ مستی وہی درست ہوتی ہے جو انسان میں عاجزی پیدا کرنے کا باعث بنے۔ ہاروت و ماروت نے مستی میں اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اُنہوں نے کہا: ہم اگر زمین پر ہوتے تو وہاں عدل و انصاف اور عبادات و وفا کا بیج بوتے۔ انسانوں نے دُنیا میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ خبردار! اپنے آپ کو آزمائش میں نہ ڈال۔ آزمائش کی راہ میں بہت سی قومیں تباہ کر دی گئی ہیں۔ اپنے پاک بندوں کی تعریف میں اللہ نے فرمایا: ''اور اللہ کے نیک بندے وہ ہیں، جو زمین پر خاکساری سے چلتے ہیں''۔ نیک لوگ احسان کی وادی میں سوچ سمجھ کر عاجزی سے قدم اُٹھاتے ہیں۔ جو لوگ خود کو مٹا دیتے ہیں اُن کے کان کھلے ہوئے ہوتے ہیں اور عنایتِ خداوندی اُن کی آنکھیں کھول دیتی ہے۔ اللہ کی محبت ہی غضبِ الٰہی کو ختم کر سکتی ہے لیکن جب تک توفیقِ الٰہی نہ ہو تو کوشش بھی بے کار ہوتی ہے۔

فرعون کی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش روکنے میں ناکامی

فرعون کے حکم پر ہزاروں نجومی جمع ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری اللہ کی طرف سے اُنہیں خواب میں دکھائی گئی۔ سب منجموں اور معبّروں نے کہا کہ ہم اِس بچّے کا راستہ ہی بند کر دیں گے اور ایسی تدبیریں کریں گے کہ کوئی اسرائیلی عورت اُس رات کو حاملہ نہ بن سکے۔ پھر اُنہوں نے اعلان کرایا کہ اے اسرائیلیو! آج بادشاہ کی طرف سے تمہاری دعوت ہے تاکہ وہ تمہیں آج بلا نقاب اپنا دیدار کرائے۔ اُس زمانے میں اسرائیلیوں کے لئے ناممکن تھا کہ وہ کبھی فرعون کا دیدار کر سکیں۔ جو اسرائیلی فرعون کو دیکھنے کی جرأت کرتا اُسے سخت سزا دی جاتی۔ اسرائیلی اعلان سے بہت خوش ہوئے کہ فرعون کا دیدار بھی ہوگا اور وہ بخشش بھی کرے گا۔ تمام اسرائیلی اِس لالچ کی وجہ سے گھروں سے باہر میدان میں جمع ہو گئے۔ اِسی طرح ایک حیلہ گر مغل حاکم نے مصر والوں میں سے ہر ایک کو ایک جگہ جمع کر لیا۔ ایک ایک کو بادشاہ کے سامنے لاتے۔ بادشاہ دیکھتا تو کہتا: نہیں، یہ نہیں ہے۔ اُسے ایک کونے میں بٹھا دیتے۔ سب لوگ جمع ہو گئے تو اُس نے سب کی گردن اُڑا دی۔ مصریوں کا قتلِ عام اِس لئے ہوا کہ وہ اذان کی آواز پر توجہ نہیں دیتے تھے اور نماز نہیں پڑھتے تھے۔

یاد رکھو! عذابِ الٰہی سے نجات کا باعث جس طرح مؤذن کی پکار کو قبول کرنا ہے اِسی طرح فقیروں اور محتاجوں کی صدا پر توجہ دینا بھی ہے۔ اُنہی دُنیا دار فقیروں میں کوئی صاحبِ دل بھی ہوگا لہٰذا سب کی خدمت کرو۔ اسرائیلیوں کے جمع ہونے کے بعد فرعون نے اُن کو اپنا دیدار کرایا اور انعامات دیئے اور اُس رات اُن کو میدان میں رکھ کر عورتوں سے علیحدہ

گفت شیطاں کہ بما اغویتنی
شیطان نے کہا کہ تُو نے مجھے کیوں گمراہ کیا؟

کرد فعلِ خود نہاں دیوِ دنی
کمینے شیطان نے اپنے فعل کو چھپا لیا

رکھا۔ بادشاہ خوشی خوشی اپنے محل کو لوٹا۔ فرعون کا خزانچی عمران جو کہ اسرائیلی تھا اُس کے ساتھ ہی شہر میں لوٹا۔ فرعون نے کہا: اے عمران! تُو بھی یہیں سو جا۔ وہ فرعون کا منظورِ نظر تھا۔ وہ اُس کے کام سے بہت خوش تھا۔ اُس کے خیال میں بھی یہ کہاں تھا کہ اُس کی تباہی عمران ہی کے ہاتھوں لکھی جا چکی ہے۔ فرعون چلا گیا اور عمران وہیں سو گیا۔ رات کو اُس کی بیوی شہوت سے بھری ہوئی اُس کے ساتھ لیٹ گئی۔ عمران نے پوچھا: تُو یہاں اس وقت کیوں آئی ہے؟ اُس نے جواب دیا: محبت اور اللہ کے حکم کی وجہ سے۔ عمران اپنے اُوپر قابو نہ پا سکے اور امانت اُس کے سپُرد کر دی۔ اُنہوں نے بیوی کو واپس بھیج دیا اور تاکید کر دی کہ اس بات کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم پر سختیوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ اسی وقت میدان میں سے لوگوں کے نعروں کی آواز آئی۔ فرعون فوراً ننگے پاؤں محل سے باہر آ گیا اور پوچھا کہ شور وغل کیسا ہے؟ عمران نے جواب دیا: لوگ آپ کے دیدار کی وجہ سے خوشیاں منا رہے ہیں۔ اُس نے جواب دیا: ہو سکتا ہے ایسا ہو مگر میں اس آواز سے بہت ڈر محسوس کر رہا ہوں۔ میرے دل میں اندیشے پیدا ہو چلے ہیں۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کے رحم میں آئے تو آسمان پر ایک ستارہ نمودار ہو گیا۔ جیسا کہ جب کوئی نبی اپنی ماں کے شکم میں آئے تو ہوتا ہے۔ عمران نے فرعون سے کہا: میں جا کر اس شور کی وجہ معلوم کرتا ہوں۔ اُنہوں نے نجومیوں سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے؟ بادشاہ اس کی وجہ سے سو نہیں سکا۔ نجومیوں نے خاک اپنے سروں پر ڈالی اور آہ و فریاد کرنے لگے۔ اُنہوں نے کہا کہ ہمیں قدرت نے عاجز کر دیا ہے۔ وہ بچہ جسے ہم پیدا ہونے سے روکنا چاہتے تھے وہ وجود میں آ گیا ہے۔ اُس کی پیدائش کا ستارہ نمودار ہو گیا ہے اور ہم آنسوؤں کے ستارے گرا رہے ہیں۔ عمران یہ خبر سُن کر دل میں بہت خوش ہوئے مگر بظاہر غم و فکر کا اظہار کرنے لگے۔ اُنہوں نے اپنے آپ پر بناوٹی غصہ طاری کیا اور نجموں کو بُرا بھلا کہنے لگے اور میدان سے واپس لوٹ آئے اور فرعون کے پاس آ کر تمام صورتحال بیان کر دی۔

بادشاہ نے نجومیوں سے کہا کہ میں نے تمہارے کہنے پر عمل کیا اور اسرائیلیوں میں اتنا مال تقسیم کیا۔ اُن کو بیویوں سے الگ رکھا' پھر بھی تم کامیاب نہ ہوئے۔ میں تم سب کو پھانسی پر لٹکا دوں گا۔ وہ کہنے لگے: اب ہم اس بچے کی پیدائش کے وقت تدارک کر سکتے ہیں۔ اگر نہ کر سکیں تو ہمیں بے شک قتل کروا دینا۔ لیکن اللہ کی قضا کا مقابلہ کرنے والا ذلیل ہوتا ہے۔ جو بھی خالق کی مرضی سے ٹکرائے گا تباہ ہو جائے گا۔

گُفت آدم کہ ظَلَمْنَا نَفْسَنَا
آدم علیہ السلام نے کہا ہم نے اپنے اُوپر ظلم کیا

اُو ز فعلِ خود نبُد غافل چُو ما
وہ اپنے فعل سے ہماری طرح غافل نہ تھے

فرعون کا مکاری سے بنی اسرائیل کی اُن عورتوں کو میدان میں بلوانا، جن کے حال میں بچے ہوئے تھے

فرعون نے اعلان کروا دیا کہ جن عورتوں کے ہاں بچے پیدا ہوئے ہیں اُن کو انعام دیا جائے گا۔ سب میدان میں جمع ہو جائیں۔ عورتیں آ گئیں تو فرعون نے حکم دیا کہ بچوں کو عورتوں سے لے کر قتل کر دیا جائے۔ اُس نے سب بچوں کو قتل کروا دیا۔ اُس کے بعد فرعون نے سپاہیوں کو دائیوں سمیت اسرائیلیوں کے گھروں میں داخل کیا تاکہ معلوم کریں کہ کوئی بچہ زندہ تو نہیں رہ گیا۔ عمران کی بیوی میدان میں نہیں گئیں کیونکہ اُنہیں شک تھا کہ فرعون کوئی خرابی نہ کر دے۔ سپاہی اُن کے گھر میں داخل ہو گئے تو ماں نے اللہ کی وحی کی وجہ سے بچے کو تنور میں ڈال دیا۔ آگ نے موسیٰ علیہ السلام کے جسم پر کوئی اثر نہ کیا۔ سپاہیوں نے گھر کی تلاشی لی اور ناکام واپس آ گئے تاکہ کہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو تلاش کریں۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو وحی ہوئی کہ اسے دریا میں ڈال دو۔ اُنہوں نے بچے کو دریائے نیل میں بہا دیا۔ باہر فرعون لاکھوں بچوں کو قتل کروا رہا تھا لیکن اللہ نے فرعون سے بالاتر کو پیدا کر دیا۔ فرعون سے بالاتر حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے جنہوں نے اُس کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دیا۔ ہر طاقت سے بالا ایک طاقت ہوتی ہے اور سب سے بالا اللہ کی طاقت ہے۔

خدائی طاقت ایک لامحدود سمندر کی طرح ہے اور دوسری طاقتوں کے دریا اُس کے سامنے نہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ساری دنیاوی تدبیریں صرف ایک موجود یعنی اللہ کے سامنے مَعدُوم ہیں۔ فرعون میں جس قدر بُری خصلتیں تھیں وہ ہر انسان کے نفسِ امّارہ کی ایک فی صد ہے۔ نفسِ انسانی میں جو فرعونی خصلتیں موجود ہیں، خود کسی انسان کو سُنائی جائیں تو وہ گھبرا جائے۔ دوسروں کی بیان کی ہوئی باتیں انسان قصہ کہانی کے طور پر سنتا رہتا ہے لیکن اپنے اندر موجود اِن خصلتوں سے جاہل اور ناواقف رہتا ہے۔ ہر انسان کو بُرائی کرنے کے پورے مواقع میسر نہیں آتے ورنہ وہ بھی وہی کام کرے جو فرعون نے کئے تھے۔

ایک سپیرا جو ٹھٹھرے ہُوئے سانپ کو مُردہ سمجھ کر بغداد لے آیا

ایک سپیرا پہاڑ کی جانب گیا تاکہ وہاں سے سانپ پکڑ کر لائے۔ جو تلاش کرتا ہے وہ پا لیتا ہے۔ طالب چاہے چست ہو یا سُست ہو اگر اُس میں طلبِ صادق ہے تو وہ اُسے ضرور پا لے گا۔ انسان کے لئے ضروری ہے کہ اپنی معذوریوں کو نظر انداز کر کے خلوص سے طلب کی جستجو میں لگ جائے اور طلب کے جس قدر بھی طریقے ہوں اُن کو اختیار کرے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے کہا تھا:

در گنہ اُو از ادب پنہانش کرد اُنہوں نے ادب کی وجہ سے اپنا گناہ کہا	زاں گنہ بر خود زدن اُو بر بخورد اپنے اُوپر گناہ لے لینے سے اُنہوں نے پھل کھایا

''یوسف علیہ السلام کی تلاش میں لگ جاؤ اور کبھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا''۔ اپنے محبوب کو تلاش کرنے میں خوب کوشش کرو۔ اگر محبوب کی خبر دینے والے کو جان بھی دینی پڑ جائے تو آمادہ ہو جانا چاہیے۔

یاد رکھو! انسان کی صفات' اللہ کی صفات کا مظہر ہوتی ہیں اور تمام صفات کی اصل اللہ کی صفات ہیں۔ جس طرح خوبیاں ذات کی طرف رہنما ہیں' اسی طرح انسانوں کی بُرائیاں بھی رہنما ہیں کیونکہ ہر بُرائی کا انجام کوئی نہ کوئی اچھائی ہوتی ہے۔ انسان کی بے سروسامانی عمدہ حالت کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ''ہر سختی کے بعد آسانی اور آسانی کے بعد سختی ہے''۔ لڑائیاں صلح کا پیش خیمہ ہوتی ہیں۔ کبھی لڑائی صلح پر منتج ہوتی ہے اور کبھی مقصود حاصل ہوتا ہے۔ کبھی انسان لڑائیوں سے گھبرا کر خدا کی طرف رجوع کرتا ہے تو گویا خدا سے صلح ہوئی۔ انسان تکلیفیں اُٹھاتا ہے تو راحت نصیب ہوتی ہے۔ غصہ بُرا ہے لیکن یہ والدین کی طرف سے ہو تو شفقت کی بنا پر ہوتا ہے۔ کبھی مخلوق کی زیادتیاں شفقتِ خداوندی کا سبب بن جاتی ہیں۔ محبوب کی جفا کے نتیجے میں وفا نمودار ہو جاتی ہے۔ جس طرح بھلائی کو اللہ تعالیٰ کی طرف رہنما بنایا جاتا ہے۔ اسی طرح بُرائی کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رہنما بنا لے۔ بُرائی سے بھلائی حاصل کرنا ایک بالمقابل چیز سے دوسری بالمقابل چیز کا سراغ لگانا اسی طرح ممکن ہے جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بنا حالانکہ دونوں متضاد چیزیں ہیں۔ اسی طرح اس عالم کی دوسری چیزوں کو بھی سمجھ لے۔ سپیرے نے سانپ تماشے کے لئے پکڑا حالانکہ وہ سبب ہلاکت ہے جو تماشے کی ضد ہے۔ سپیرے نے سانپ اس لئے پکڑا کہ وہ لوگوں کو دکھا کر حیرانی میں ڈال سکے اور یہ اُس کی نادانی تھی۔ جس طرح پہاڑوں میں سانپ ہوتے ہیں اسی طرح خود انسانوں میں بُرے اخلاق کے اژدہے موجود ہیں۔ تُو باہر والے سانپ کو دیکھنے کا کیوں مشتاق بنتا ہے۔ خود اپنے اندر کا سانپ دیکھ لے۔ انسان کی سانپ پر حیرانی ایسی ہے جیسے پہاڑ سانپ پر حیران ہو۔

انسان نے اپنی رفعت اور بلندی کو نہیں سمجھا۔ وہ اشرفُ المخلوقات پیدا کیا گیا تھا لیکن وہ ارذل مخلوق بن گیا۔ صد ہزاراں کائنات انسان کے اعلیٰ مقام پر حیران ہے لیکن حیرانی کی بات ہے کہ یہ خود اپنی حماقت سے ایک ادنیٰ مخلوق کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔ غرض سپیرے نے سانپ کو پکڑا اور اُسے اپنی روزی کے لئے کھینچ کر بغداد میں لے آیا۔ وہ ٹھٹھرا ہوا تھا۔ زندہ تھا لیکن بظاہر مردہ نظر آتا تھا۔ یاد رکھ! اس کائنات کی جتنی چیزیں ہیں جن کو ہم جماد مانتے ہیں' وہ بھی دراصل ٹھٹھری ہوئی ہیں اور حشر میں جب اصل سورج اُن پر پڑے گا تو اُن کا ٹھٹھرا پن ختم ہو جائے گا اور اُن کا حس و ادراک نمودار ہو جائے گا جیسا کہ اُس اژدہا کے معاملے میں ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی جو بے حس و حرکت تھی جب اس

بعدِ توبہ گفتش اے آدم نہ من | آفریدم در تو آں جرم و محن
توبہ کے بعد اُس نے کہا اے آدم! کیا میں نے نہیں | پیدا کیا تھا تجھ میں وہ جرم اور مصیبتیں

دُنیا میں سانپ بن گئی تو عقل سمجھ گئی کہ جمادات میں بھی حرکت نمودار ہو سکتی ہے۔ انسان بھی تو مٹی کا بنا ہوا ہے اور پھر اُس میں حس و حرکت آ گئی۔ اِسی طرح دوسرے جمادات کو بھی سمجھ لو۔ جماداتِ عالم اِس دُنیا کے اِعتبار سے مردہ لیکن عالمِ آخرت کے اِعتبار سے زندہ ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اُن کے آخرت والے رُخ کو ہماری طرف موڑ دیتا ہے تو اُن کی زندگی ظاہر ہو جاتی ہے۔ لوہا اِسی وجہ سے حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں نرم ہو جاتا تھا اور ہوا اِسی وجہ سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے تخت کو اُٹھائے پھرتی تھی۔ دریائے نیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات کو سمجھ لیا اور فرعون کو غرق کر دیا اور اُن کو پار اُتار دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو وہ شق ہو گیا۔ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے کو سمجھ گیا۔ زمین نے قارون کو ایک اژدہا کی طرح نگل گیا۔

مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ستون جس کے سہارے کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیا کرتے تھے۔ جب منبر تیار ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا سہارا نہ لیا تو رو پڑا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک موقع پر ہر پتھر اور درخت نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ کائنات کا ہر ذرہ دلالتِ حال سے اپنے سننے اور دیکھنے کی کیفیت کو بتاتا ہے۔ جب کوئی انسان اپنی قوتِ احساسِ رُوحانی کھو بیٹھے تو وہ جمادات کی رُوح کا محرم نہیں بن سکتا۔ اگر انسان اپنی جمادیت ختم کر کے رُوحانیت حاصل کرے تو کائنات کی تسبیح کا شور سُن سکتا ہے۔ قرآن میں ہے کہ "ہر چیز اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے لیکن تم اُس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے"۔ یہ رُوحانی باتیں بہت طویل ہیں۔ اِس لئے اب پھر اژدہا کے قصے کی طرف آتے ہیں۔ اژدہے والے نے دجلہ کے کنارے مجمع لگایا اور سارے بغداد میں شور مچ گیا کہ سپیرا ایک عجیب نادر چیز پکڑ کر لایا ہے۔ لاکھوں بیوقوف اُسے دیکھنے کے لئے جمع ہو گئے۔ ہجوم کی وجہ سے مرد کو عورت کا پتہ نہیں لگتا تھا۔ اژدہا پردوں وغیرہ میں لپٹا ہوا تھا۔ دھوپ لگی اور اُس نے حرکت شروع کی تو مجمع نے جوش میں شور مچایا۔ آہستہ آہستہ وہ حرکت کرنے لگا۔

اُس اژدہے کی مثال ایسی تھی جیسے کوئی بھیڑ سوئے ہوئے بھیڑیے کو جگا دے یا کوئی خود ملکُ الموت کے پاس چلا جائے۔ انسان کو بھی اپنے نفس کو اِسی قسم کا اژدہا سمجھنا چاہیے۔ اگر اَسباب مہیا ہو جائیں تو تمہارا نفس سب سے پہلے تمہیں ہی ہلاک کرے گا۔ تمہارا نفس قابلِ رحم نہیں ہے۔ اُس کو مردانہ وار مشقتوں میں مبتلا رکھو تا کہ اللہ کا وصل حاصل ہو سکے۔ سپیرے نے اژدہے کو گرمی اور آرام پہنچایا تو وہ سرکش ہو گیا۔ سرکش ہو کر اژدہے نے جو فتنے بپا کیے وہ بیان سے باہر ہیں۔ انسان کو غلط فہمی ہے کہ وہ نفس کو آرام پہنچا کر اِس سے وفا کی اُمید رکھے۔ اژدہے کو مارنے کے لئے تو کسی موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہوتی ہے۔

نے کہ تقدیر و قضائے مَن بُداں کیا وہ میری تقدیر اور قضا نہ تھی؟	چُوں بوقتِ عُذر کردی آں نہاں تُو نے عُذر کے وقت اُس کو کیوں چھپایا؟

فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دھمکانا اور اُن کا خواب

سپیرے کے اژدہے کو دیکھ کر مجمع میں بھگدڑ مچ گئی اور بہت سے آدمی مارے گئے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کو اژدہا بنتے دیکھ کر بھی تماشائیوں کا مجمع بھاگا تھا اور بہت سے لوگ مارے گئے۔ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا: تیری وجہ سے یہ لوگ مارے گئے ہیں۔ تُو نے لوگوں کے دلوں میں خوف پیدا کر دیا ہے۔ گو میں ابھی تیرا مقابلہ نہیں کر سکا ہوں لیکن میں بدلہ ضرور لوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اپنے معاملات میں مختار ہے، میری اس میں کوئی شرکت نہیں ہے۔ دُنیا میں رُسوائی جس میں اللہ کی رضامندی ہو مجھے منظور ہے۔ میں نے اپنی رُسوائی کی بات کہنے کو تو کہہ دی ہے لیکن مجھے اللہ کی رحمت سے یقین ہے کہ وہ مجھے رُسوا نہیں کرے گا۔ غلبہ اور عزت تو اللہ اور اُس کے غلاموں کے لئے ہے۔ اسی لئے آدم علیہ السلام باعزت ہوئے اور شیطان رُسوا ہوا۔ فرعون کہنے لگا کاغذ اور قلمدان اور حکم میرا ہے۔ جب میری رعایا مجھے پسند کرتی ہے تو کیا تُو ہی سب سے زیادہ عقل مند ہے کہ مجھے ناپسند کر رہا ہے۔ تُو گھمنڈ نہ کر میں دُنیا بھر کے جادوگر جمع کر دوں گا۔ صرف چالیس دن کی اور مُہلت چاہیے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اللہ کا غلام ہوں۔ تُو ایک بڑا بادشاہ ہے لیکن میں اپنے رَبّ کا پابند ہوں۔ جب تک اُس کا حکم نہ ہوگا میں لڑتا رہوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے وحی بھیجی کہ اُس کو مُہلت دے دے تاکہ یہ اپنی پوری کوشش کرے۔ میں وہ کروں گا جو کسی کے خیال میں بھی نہ آئے۔ اُنہوں نے فرمایا: حکم آ گیا ہے جا تُجھے مُہلت ہے۔ وہ واپس اپنی قوم کے پاس جا رہے تھے۔ پیچھے پیچھے اُن کا اژدہا تھا جو محبت کی وجہ سے دُم ہلاتا جا رہا تھا۔ جب وہ واپس پہنچے اُنہوں نے اُسے پکڑ لیا تو وہ پھر لاٹھی بن گیا۔ اُنہوں نے فرمایا: تعجب کی بات ہے ہمارے لئے یہ سانپ کا مُعجزہ خورشیدِ راہِ ہدایت ہے لیکن دُشمن کے لئے تاریک رات، جس میں اُن کو کچھ نظر نہیں آتا۔ تعجب ہے کہ فرعون کے لشکری اس کی پہچان کی علامتوں کو کیوں نہیں دیکھ رہے اور اس مُعجزے کے قائل کیوں نہیں ہو رہے۔ اُن کے حواس موجود ہیں لیکن پھر بھی اللہ نے اُن کی نظر بندی کر رکھی ہے۔ میں نے ان لوگوں کے سامنے ہدایت کے گلدستے پیش کئے ہیں لیکن وہی پھول اُن لوگوں کے لئے کانٹے بن جاتے ہیں۔

ہدایت کے جام صرف اُن لوگوں کا حصہ ہوتے ہیں، جو اپنی خودی کو فنا کر چکے ہوں یعنی جو دُنیا کے معاملے میں خفتہ اور آخرت کے معاملے میں بیدار ہوں۔ عالَمِ بالا کی چیزیں جو ہمیں خواب میں نظر آتی ہیں اُن لوگوں کو عالَمِ بیداری میں نظر آنے لگتی ہیں۔ جو لوگ دنیاوی افکار میں مبتلا ہوں وہ اُن خوابوں سے بھی محروم ہوتے ہیں۔ جب تک اُن کا یہ فکر بند

گُفت ترسیدم ادب نگذاشتم
حضرت آدم علیہ السلام نے کہا میں ڈرا، ادب کو نہ چھوڑا

گُفت مَن ہم پاس آنت داشتم
اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے بھی تیرے لئے اُس کا لحاظ رکھا

نہ ہو جائے وہ حلق نہیں کھلتا۔ اُس فکر کا صفایا کرنے کے لئے حیرت درکار ہے۔ حیرت بعض اوقات ذکر اور فکر دونوں کو نگل لیتی ہے۔ مقامِ حیرت میں پہنچ کر سالک نہ تو ذکرِ الٰہی پر قادر رہتا ہے اور نہ دنیاوی افکار اُس پر قبضہ کر سکتے ہیں۔ جو لوگ دنیاوی معاملات میں بہت ہنر مند ہیں۔ وہ بظاہر دوسروں سے آگے نظر آتے ہیں لیکن درحقیقت وہ پیچھے ہیں۔

اللہ نے قرآن میں فرمایا ہے: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ" یعنی ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اُسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ بکریوں کا ریوڑ جو جنگل میں چرنے گیا ہے وہ گھر واپس لوٹے۔ جو بکری جانے میں سب سے پیچھے ہوگی واپسی میں وہی آگے ہو جائے گی۔ پیچھے رہنے کی وجہ سے اُن لوگوں کو رنج تھا لیکن واپسی میں جب وہ آگے ہو جائیں گے تو خوش ہوں گے۔ اسی لئے اولیاء اللہ رحمہم اللہ دنیاوی معاملات میں اپنے آپ کو جان بوجھ کر پیچھے رکھتے ہیں۔ وہ دُنیا کی چیزوں کی محبت اپنے دل میں زیادہ نہیں رکھتے۔ وہ لوگ عبادت گزاری میں بے سروسامانی کی حالت میں بھی قائم رہتے ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ مشقتیں برداشت کرنے سے ہی اُخروی حاجتیں میسر آئیں گی۔

آزمودم عقلِ دُور اندیش را
بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

"میں نے اپنی کامیابی کے لیے اپنی دُور اندیش عقل کو بھی آزمایا لیکن مجھے آخرِ کار دیوانگی ہی میں پناہ ملی"۔

عالمِ آخرت کی رہنمائی کے لئے اُسی عالم کی عقل چاہیے نہ کہ اس عالم کی۔ اُس علم کی ضرورت ہے جو براہِ راست ذاتِ باری سے حاصل ہوا ہو۔ ایسا علم نہ ہو کہ جو صرف عقل کے دلائل سے حاصل کیا گیا ہو اور کتاب و سُنّت سے اُس کا تعلق نہ ہو۔ یاد رکھو! دنیاوی مشاغل میں پس ماندگی بہتر ہے تاکہ واپسی میں سبقت حاصل ہو جائے۔ حدیث شریف میں ہے "ہم دُنیا میں سب اُمتوں سے بعد میں ہیں لیکن قیامت میں سب سے آگے ہوں گے" پھل، درخت پر سب سے بعد میں لگتے ہیں لیکن سب سے زیادہ اہمیت اُن ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ فرشتوں نے امتحان کے وقت کہا تھا: لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا "ہمیں صرف وہی علم حاصل ہے جو تُو نے ہمیں سکھایا ہے" لہٰذا اگر انسان بھی دُنیا کے مکر و فریب کے علم سے فارغ ہوگا تو اُس کو عَلَّمْتَنَا یعنی خداوندی علم حاصل ہو جائے گا۔

آنحضور ﷺ نے کسی دنیاوی مکتب سے تعلیم حاصل نہیں کی تھی محض اللہ کے دیئے ہوئے علم نے ہی اُن کو اس مرتبہ پر پہنچایا۔ جس طرح خزانے ویرانوں میں ہوتے ہیں اسی طرح حضرتِ حق اپنی امانت بھی ایسے شخص کے دل میں ودیعت

کرتے ہیں جس کی زیادہ شہرت نہ ہو۔ جس طرح خزانہ غیر معروف ویرانہ میں ہوتا ہے اسی طرح حقیقی خوشی بھی غم میں مخفی ہوتی ہے۔ یہاں طبیعت میں یہ اشکال پیدا ہوگا کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بھی تو مشہور شخصیتیں ہیں تو پھر یہ کہنا کہ خزانہ غیر معروف ویرانہ میں ہوتا ہے، کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب عقل یہ دے گی کہ اگر شہرت مقصود بن جائے تو بہت مضر ہے اور اگر فقر اور لالچ کے باوجود شہرت من جانب اللہ ہو تو وہ مقبولیت کے خلاف نہیں ہے۔ عقلِ راست کے ذریعے اشکالات کا جواب سوچنے کے لئے بہتر یہ ہے کہ عشق کی آگ دل میں روشن کی جائے۔ یہ آگ ہر قسم کے شکوک وشبہات کے خس وخاشاک کو جلا کر یقین کی دولت حاصل کرنے میں مدد دیتی ہے۔ عشق کی وجہ سے دل اشکال کو دُور کر دیتا ہے۔ دل کے گوشے میں اُس سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ مہ حق کی عطا ہے۔

جب انسان اپنے دل کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اس پر اسرار کھلتے ہیں۔ درد کے وقت انسان ''یَا رَبِّی'' کہتا ہوا اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو اسی طرح دیگر شکوک ومشکلات کا جواب بھی اُسی جانب سے حاصل کرنا چاہیے۔ قرآن میں ہے: اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهٗ مُنِيْبًا اِلَيْهِ ثُمَّ اِذَا خَوَّلَهٗ نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُوْٓا اِلَيْهِ ''جب انسان کو کوئی نقصان یا تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اللہ کو پکارتا ہے اُس کی طرف مکمل رُجوع کرتے ہوئے، پھر جب وہ اُس کو نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے اُس کو کہ جو وہ اُس سے مانگتا تھا'' اور اسی طرح جیسے رنج وغم کے وقت یاد کرتا تھا اب یاد نہیں کرتا ہے۔ یہ کیفیت اس لئے ہے کہ خدا پر پورا یقین نہیں ہے ورنہ اُن کا اللہ کی طرف رُجوع دائمی ہوتا۔ جس شخص کے دل اور عقل پر کوئی پردہ ہوتا ہے کبھی ذاتِ باری اُس کے لئے پوشیدہ ہوتی ہے اور وہ اُس کے راستے سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے اور کبھی اُس کی یاد میں گریبان چاک کرتا ہے۔ دنیاوی عقل والوں کا ایسا ہی حال ہوتا ہے لیکن راہِ سلوک کے مسافروں کی زندگی میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے کہ انوار وتجلیات کی فراوانی سے پیدا ہونے والی حیرت سے وہ مبہوت ہو کر رہ جاتا ہے اور اُس کو نہ ذکر کا خیال آتا ہے نہ فکر کا۔ عبادات میں مجاہدات اصل ہیں۔ اُن کی وجہ سے انسان کا قلب معارف واسرار کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ علماءِ ظاہر نے اپنے آپ کو صرف باتوں ہی میں اِس قدر آلودہ کرلیا ہے کہ وہ خود اُن باتوں ہی کی طرح افسانہ بن گئے ہیں۔ ہم گریہ وزاری میں معدوم افسانہ بنے ہوئے ہیں تاکہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نشست وبرخاست حاصل کرلیں۔

اے بھائی! کام کے آدمی کے لئے یہ کہانی نہیں ہے۔ اُسے اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری درکار ہے۔ ظاہری علماء میں دین کی حقانیت نہیں رہی۔ وہ اچھی حالت اور دوست کے دربار کی حاضری جیسے انعامات سے محروم

ہر کہ در خلوت بہ بینش یافت راہ	اُو ز دانشہا بجوید دستگاہ
جس کو خلوت میں مشاہدہ نصیب ہو جائے	وہ ذِکر اور اسباق کا متمنی نہیں رہتا

ہیں۔ میں جو یہ قصے بیان کر رہا ہوں یہ گزشتہ لوگوں کے نہیں ہیں بلکہ تمہارے اپنے احوال ہیں۔ ان قصوں کا مقصد رجوع الی اللہ ہے۔ ان کو وہ قصے کہانیاں نہ سمجھو جن سے میں روک رہا ہوں۔ منافقوں نے قرآن کو بھی محض پچھلے لوگوں کی کہانیاں قرار دیا اور ان قصوں کا جو اصل مقصود تھا اُسے نہ سمجھا۔ یہی حال میری کتاب کا ہے۔ قرآن ایک صفتِ خداوندی ہے جو زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ وہاں ماضی و مستقبل نہیں ہے بلکہ وہ ہر زمانے کے لئے ہے۔ قرآن کے اعتبار سے ماضی و مستقبل دو چیزیں نہیں ہیں' تُو ان کو دو سمجھتا ہے۔ نسبت کے بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں۔ ایک شخص ایک کی نسبت سے باپ ہے تو وہی شخص دوسرے کے اعتبار سے بیٹا ہے۔ چھت کسی کے اعتبار سے نیچے ہے کسی کے اعتبار سے اُوپر ہے۔ خدا کی ذات وصفات کو مثالوں سے سمجھنا ممکن نہیں ہے کیونکہ وہ **لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ** ہے۔ چونکہ اس دریا کا کنارا نہیں ہے' اس لئے' اے مشک! اپنے لب بند کرلے۔ آ، فرعون کے قصے کی خبر لیں۔

فرعون کا جادوگروں کو بُلوانا

فرعون نے اپنے درباریوں سے جو اُس کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے' کہا: اس میں کوئی شک نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام بہت ماہر جادوگر ہے۔ یہ چاہتا ہے کہ اپنے جادو کے زور سے ہمیں مُلک سے نکال دے۔ تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے؟ درباریوں نے مشورہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کے معاملے کو چند دن کے لئے ملتوی رکھیں اور شہروں میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے ہرکارے روانہ کردیں اور وہ آپ کے پاس ہر ماہر جادوگر کو لے آئیں۔ دو بہت مشہور جادوگر تھے۔ سحر کا اثر عموماً سفلیات پر پڑتا ہے لیکن وہ اپنے جادو سے علویات کو بھی متاثر کردیتے تھے۔ وہ دونوں جادوگری میں مُجتہد تھے اور کسی کے مُقلِد نہ تھے۔ اُن کے پاس بادشاہ کے دو سفیر آئے اور کہا کہ بادشاہ نے تمہیں طلب کیا ہے کیونکہ دو فقیر آئے ہیں اور اُنہوں نے بادشاہ کے قلعہ پر ڈیرہ جمالیا ہے۔ اُن کے پاس ایک لاٹھی ہے جو اژدہا بن جاتی ہے۔ بادشاہ اور اُس کی فوج سب اُس کے سامنے عاجز ہیں۔ اُن کو دفع کرنے کی کوئی تدبیر کرو۔ بادشاہ تمہیں بہت سارا انعام دے گا۔ اُن دونوں پر بھی خوف طاری ہوا کہ وہ کون ہے جس نے بادشاہ اور اُس کی فوج کو خوفزدہ کردیا ہے۔ اُس کے پاس کس قدر طاقت ہوگی؟ اُن کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق محبت کا جذبہ بھی پیدا ہوا کہ شاید وہ اللہ کے برگزیدہ ہوں۔ اُنہوں نے اپنی ماں سے پوچھ کر اپنے باپ کی قبر دریافت کی۔ وہ اُن کو اُس کی قبر پر لے گئی۔ پہلے اُنہوں نے تین روزے رکھے تاکہ اپنے باپ کی رُوح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حقیقت معلوم کرلیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کا اژدہا بننا منجانب اللہ کوئی معجزہ ہے یا جادو ہے؟ اگر معجزہ ہے تو ہم اُس کی تعظیم کر کے راہِ ہدایت پر آجائیں۔

منگر از چشمِ خودت آں خوب را	**بیں بچشمِ طالباں مطلوب را**
اصل محبوب کو تُو اپنی آنکھ سے نہ دیکھ	معشوق کو عاشق کی آنکھ سے دیکھ

اُن دونوں بھائیوں کے باپ کی رُوح نے انہیں خواب میں بتایا کہ اِس معاملے میں صاف صاف بتانا ممکن نہیں ہے۔ یہ پوشیدہ بات مجھے معلوم ہے لیکن بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں ایک علامت بتا دیتا ہوں جس سے تم سمجھ جاؤ گے کہ یہ جادو ہے یا معجزہ۔ سِحر اور معجزہ میں یہ فرق ہے کہ سِحر کا تعلق محض سِحر کرنے والے کی توجہ اور تصرّف سے ہے لیکن معجزے کا تعلق نبی کی توجہ اور ہمت سے نہیں ہے بلکہ وہ خدائی ارادے کے ماتحت ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس لئے جادوگر کی غفلت کے وقت سِحر کا کوئی اثر نہیں رہتا اور نبی کی نیند اور غفلت سے معجزہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ وہ معجزہ ہر حال میں قائم رہتا ہے۔ اگر تم نے اُس کی لاٹھی اُس کے سوتے ہوئے ہونے کی حالت میں چُرا لی تو وہ جادوگر ہے اور اُس کا علاج تمہارے پاس موجود ہے لیکن اگر نہ اُٹھا سکو تو اُسے خدائی معجزہ سمجھو۔ وہ شخص یقیناً اللہ کا برگزیدہ رسول ہے۔ اگر یہ معجزہ ہے تو فرعون اس پر قابو نہ پا سکے گا بلکہ ذلیل ہوگا۔ چونکہ معجزے کا تعلق ذاتِ خداوندی سے ہے، وہاں غفلت کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا اُس کی حفاظت مکمل ہوتی ہے جبکہ ساحر کی حالت اُس گڈریے کی سی ہوتی ہے کہ جب وہ سو جائے تو بھیڑیا اُس کی بکری لے جاتا ہے۔

قرآن کو عصائے موسیٰ علیہ السلام، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وِصال کو موسیٰ علیہ السلام کی نیند اور جادوگروں کو قرآن (جو خُدا کی حفاظت میں ہے) میں تغیّر کرنے والے سمجھو

اللہ نے قرآن میں قرآن کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے "ہم نے ذکر (قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اِس کی حفاظت کرنے والے ہیں" اللہ نے فرمایا: میں تیری کتاب اور معجزے کا نگہبان ہوں۔ نہ اِس میں زیادتی ہو سکے گی اور نہ کمی۔ اللہ نے قرآن میں فرمایا: وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ "میں نے تمہارے ذکر کو بلند کر دیا" اور پھر فرمایا: لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ "اس کے کلمات کو کوئی بدلنے والا نہیں ہے"۔ میں تمہارا نام بڑھاتا رہوں گا۔ میری تم سے اتنی محبت ہے کہ تیری ناراضگی میری ناراضگی ہوگی۔ مکّہ کی ابتدائی زندگی کے دوران مسلمان، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے تعلق کو چُھپاتے تھے۔ نمازیں بھی چُھپ کر پڑھتے تھے۔ اللہ نے فرمایا: میں تیرے دین سے سارے عالم کو منوّر کروں گا اور مخالفوں کی آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گی۔ اللہ کا وعدہ سچا ہوا اور مسلمانوں نے قیصر و کسریٰ جیسی عظیم سلطنتوں کو مغلوب کر لیا۔ اب چونکہ قیامت تک کوئی نئی شریعت نہیں آئیگی تیرے خادم بلند مرتبہ حاصل کر لیں گے۔

تم دین کے مٹنے کے خیال سے نہ ڈرو، تم جادوگر نہیں ہو، تم سچے ہو اور قرآن تمہارے لئے موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی کی طرح ہے۔ اگرچہ تم مٹی کے نیچے سوئے ہوئے ہو لیکن یہ پاک کلام باخبر ہے۔ تم سو جاؤ، تمہارا سو جانا مُبارک ہے۔ تمہارا

بلکہ زو کُن عاریت چشمِ نظر | پس زچشمِ اُو بروی اُو نگر
بلکہ اسے دیکھنے والی نظر اُسی سے مانگ لے | پھر اُس کی آنکھ سے اُس کے چہرے کو دیکھ

نورتمہارے مخالفوں پر آسمان سے نشانہ لگائے ہوئے ہے۔ ملحدین، فلسفی لوگ، قرآن پر کوئی بھی اعتراض کریں۔ نورِ محمدی ﷺ اُن کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو بھی وعدے کئے اُن کو صرف پورا ہی نہیں کیا بلکہ اُن سے زیادہ کیا۔ دونوں جادوگر اپنے باپ کی قبر سے اُٹھ کر مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیام گاہ کی تلاش شروع کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اُنہیں کھجوروں کے ایک نخلستان میں مل گئے۔ وہ سوئے ہوئے تھے لیکن دُنیا بھر کے بیدار تھے۔ اُن کی آنکھیں بند تھیں لیکن عرش و فرش اُن کی نگاہ میں تھے۔ بہت سے بیدار آنکھ والے سوئے ہوئے دل والے ہوتے ہیں۔ آب و گِل کی دُنیا والوں کی آنکھ کیا دیکھ سکتی ہے۔ جو شخص دل کی بینائیاں رکھتا ہے اگر سو بھی جائے تو اُس کی سو بینائیاں کھل جاتی ہیں۔ اگر تو صاحب دل نہیں ہے تو جاگ اور نفس سے لڑتا رہ اور دل کا طالب بن اور اگر تیرا دل بیدار ہو گیا ہے تو آرام سے سو جا۔

پیغمبر ﷺ نے فرمایا: ''میری آنکھ سوتی ہے مگر نیند میں بھی میرا دل نہیں سوتا''۔ بیدار دل سوتے ہوؤں پر اللہ کی ہزاروں رحمتیں نازل ہوں۔ اے معنی کو سمجھنے والے! دل کی بیداری کی خوبیاں ہزاروں مثنویوں میں بھی بیان نہیں ہو سکتیں۔ جب جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پاؤں پھیلائے سوتے دیکھا تو لاٹھی کو چُرانے کی کوشش کی۔ جب تھوڑا سا آگے بڑھے تو لاٹھی میں حرکت پیدا ہوئی۔ وہ دونوں وہیں خوف سے خشک ہو گئے اور انہیں یقین ہو گیا کہ وہ طاقت آسمانی ہے کیونکہ ہر قسم کے جادو سے تو وہ خود واقف تھے۔ اگر کوئی شخص جادو اِس غرض سے سیکھے کہ وہ مُعجزے اور سِحر میں فرق کر سکے تو جائز ہے لیکن ویسے جادو کرنا مطلقاً ناجائز اور حرام ہے۔ اِس واقعے کے زیرِ اثر وہ دونوں جادوگر بیمار ہو گئے۔ اُنہوں نے فوراً ایک آدمی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس معذرت کے لئے بھیجا کہ ہم نے اللہ کے رسول کا جرم کیا ہے تو ہم نے اللہ ہی کا جرم کیا ہے۔ ہمیں معاف کر دیا جائے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں معاف کر دیا اور وہ دونوں اچھے ہو گئے۔ وہ ایمان لے آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تم پر دوزخ حرام ہو گئی لیکن ہماری اِس ملاقات کا ذکر فرعون سے نہ کرنا اور اجنبی بن کر فرعون کے سامنے میرے مقابلے پر آنا اور ہر طرح کے جادو کے کرتب کرنا۔

فرعون کے سامنے جادُوگروں کا جمع ہونا، اِنعام پانا اور مُوسیٰ علیہ السلام سے مُقابلے کے دعوے کرنا

جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے روانہ ہو گئے اور دل میں چاہتے تھے کہ وقت جلد آ جائے کہ ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کا اِظہار کر دیں۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا: اے شاہ! آپ کا اقبال بلند ہو ہم ضرور جیتیں گے۔ فرعون نے سب جادوگروں کو بہت سے زر و جواہر

آدمی دیدست باقی پوست ست
آدمی تو رُوح کی بینائی ہے باقی کھال اور گوشت ہے

دید آنست آنکہ دیدِ دوست ست
دید تو دراصل غائب محبوب ہی کی دید ہے

دیئے اور کہا کہ جب جیت کر آؤ گے تو اور بہت سے انعام دوں گا۔

میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ تفصیل سے بیان کیا ہے اور اب یہ از حد دلچسپی کا موجب بن گیا ہے لیکن مقصود صرف قصہ بیان کرنا نہیں ہے۔ یہ قِصّہ تو بہت پُرانا ہے۔ اے بھلے آدمی! یہ قِصّہ بیان کرنے کا مقصود تو وہ نور ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قصّے کے واقعات صرف آڑ کے لئے بیان کئے گئے ہیں۔ مقصودِ اصلی تو وہ نور ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا کیا گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون تو تیرے وجود میں موجود ہیں۔ اِن دونوں مقابل شخصیتوں کو اپنے اندر تلاش کرنا چاہیے۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قِصّہ قیامت تک کے لئے ہے۔ روشنی دوسری نہیں ہے' چراغ الگ الگ ہیں۔ ہر نبی کا نور اُمت کے کسی ولی میں منتقل ہوتا رہتا ہے اور جس صفتِ خاص کا کوئی نبی مربوب ہوتا ہے اُسی صفت کا کوئی ولی بھی مربوب ہوتا ہے۔ اَشخاص بدلتے رہتے ہیں لیکن اُس صفتِ خاصہ کا نور منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اگر تُو جسموں پر نگاہ رکھے گا تو بھٹک جائے گا اور اگر نور کو دیکھتا رہے گا تو نجات پا جائے گا۔ یاد رکھ! تعدّد اور دوئی صرف جسم کی ہے نور کی نہیں۔ مومن اور کافر کے نکتہ نگاہ کے فرق ہی سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔

اندھیری رات میں ہاتھی کی شکل اور کیفیت میں اختلاف

ہاتھی ایک اندھیرے کمرے میں تھا۔ بہت سے لوگ اُس کے بارے میں جاننے کے لئے اندر گھس گئے۔ ہاتھی کو مختلف لوگوں نے مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھا تو اُن کے عقیدے میں اختلاف پیدا ہو گیا چونکہ آنکھوں سے دیکھا نہیں جا سکتا تھا' ہاتھوں کا سہارا لیا۔ ایک کا ہاتھ سونڈ پر پڑا: اُس نے کہا: ہاتھی پرنالے کی شکل کا ہے۔ ایک کا ہاتھ کان پر پڑا' اُس نے کہا: پنکھے جیسا ہے۔ ایک کا ہاتھ پیر پر پڑا' وہ سمجھا ستون کی طرح ہے۔ ایک کا اُس کی کمر پر پڑا' وہ بولا: ہاتھی ایک تختے کی طرح ہے۔ اِسی طرح ہر شخص جس جس عضو تک پہنچا' جہاں کہیں ہاتھی کے بارے میں سنتا وہی خیال سامنے لاتا۔ چونکہ ہاتھی کا تصور سب کے ذہنوں میں مختلف تھا۔ اِس لئے اُنہوں نے اُس کو مختلف عبارتوں میں لکھا' کسی نے اسے دال لکھا تو کسی نے الف۔

انسان کی حسی آنکھ اُن لوگوں کی ہتھیلی کی طرح ہے جیسے اُن کی ہتھیلی کی دسترس پورے ہاتھی پر نہ تھی اسی طرح یہ ظاہری آنکھ کسی چیز کی پوری حقیقت کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہ شب و روز کی اختلافی کیفیت ظاہر پرستی کی وجہ سے ہے۔ انسانی اجسام کی حرکت رُوح کی وجہ سے ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان تن پروری کرتا رہتا ہے اور رُوح سے غفلت برتتا ہے۔ ہمارے اجسام کی حالت دریا کی جھاگ کی طرح ہے کہ وہ نظر آتی ہے' لیکن اصل تو پانی ہے۔ اگر خوش قسمتی سے انسان کو

چُونکہ دیدِ دوست نہ بُوَد کور بہ
جبکہ دوست کا دیدار نہ ہو اندھا ہونا اچھا ہے

دوست کو باقی نباشد دُور بہ
جو دوست باقی رہنے والا نہ ہو اُس کا دُور ہونا اچھا ہے

رُوح کا مُشاہدہ ہو گیا ہے تو اب اُس کو آگے قدم بڑھا کر ذاتِ حق کا مُشاہدہ کرنا چاہیے۔ رُوح کے لئے افاضہِ حیات کرنے والی ذات قدیم ہے۔ اُسی نے کائنات کو حیات بخشی، ہم ذاتِ حق کی جو تعبیرات کرتے ہیں وہ ناقص ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے جو تعبیرات فرمائی ہیں وہی صحیح ہیں۔ اب اگر مثالوں سے اُس کی ذات وصفات کو بیان کیا جائے تو تم اُسی مثال پر دل جما لو گے اور اگر بالکل ذکر نہ کیا جائے تو یہ بھی افسوسناک بات ہے۔

عوام تقلید کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں اور صفات کے بیان پر یقین کے بغیر اپنے یقین کو ظاہر کرنے کے لئے گھاس کی طرح سر ہلانے لگتے ہیں۔ عوام تقلید سے تحقیق کی طرف منتقل ہونے کے لئے پیش قدمی نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی کم از کم تقلید ہی کو ترک کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دراصل انسان جب سِفلی زندگی کا عادی ہو جاتا ہے تو اُس کے لئے اِسے چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اگر انسان اِس سِفلی زندگی کو خیر باد کہہ دے تو وہ دل کی دُنیا میں پہنچ کر سِرِّ وحدت حاصل کر سکتا ہے۔ بچّے کو جب تک لذیذ غذائیں نہیں ملتیں وہ دودھ پلانے والی سے چمٹا رہتا ہے، جب غذائیں ملنے لگتی ہیں تو دودھ سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح جب تک انسان عالمِ سِفلی سے چپٹا ہوا ہے اُسرار کی لذّت سے بے خبر ہے۔ جب وہ لذّت حاصل ہونے لگے گی تو عالمِ سِفلی کو نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھے گا۔ انسان عالمِ سِفلی سے اپنی غذا حاصل کرنے کا عادی ہو گیا ہے۔ حالانکہ اُس کی اصلی غذا وہ ہے جو دل اور رُوح کی غذا ہے اور جو عالمِ ملکوت سے حاصل ہوتی ہے۔ کوشش کرتے رہنے سے رفتہ رفتہ وہ استعداد پیدا ہو جائے گی جس سے مُشاہدۂ حق حاصل ہو جائے گا۔

عالمِ ملکوت کی طرف تمہارا عروجی سفر اِسی طرح ہو گا جس طرح اِس عالَم کی طرف نزولی سفر ہوا تھا لیکن وہ سفر چونکہ تمہاری مدہوشی میں ہوا ہے، اِس لئے تمہیں نہ وہ سفر یاد ہے اور نہ اُس سفر کے طے کرنے کے راستے یاد ہیں۔ اگر تم اِس آنے کے سفر کی باتیں یاد کرنا چاہتے ہو تو جسمانی اور مادی ہوش وحواس کو مجاہدات کے ذریعے ختم کر کے رُوحانی ہوش اختیار کر لو۔ جسمانی کانوں کو بند کر کے رُوح کے کان کھول لو پھر تمہیں وہ باتیں یاد آ جائیں گی اور تم عہدِ اَلَست کی آواز سُن لو گے۔ انسان اور دُنیا کی مثال درخت اور پھل کی سی ہے۔ پھل جب تک کچا ہوتا ہے شاخ سے اُس کا جوڑ مضبوط اور سخت ہوتا ہے۔ جوں جوں وہ پکتا ہے شاخ کا اور اُس کا جوڑ کمزور ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح خام انسان دُنیا کو چمٹا رہتا ہے اور جب اُس میں پختگی آ جاتی ہے تو دُنیا سے تعلق کمزور ہو جاتا ہے۔ بچّہ جب تک پیٹ سے چمٹا ہوا ہے اُس کی غذا خون ہے۔ جب وہ باہر آتا ہے تو دودھ پیتا ہے جو بہتر غذا ہے۔ اِسی طرح جب تک انسان دُنیا سے چمٹا رہتا ہے اُس کی غذا خون جیسی نجس چیزیں ہی رہتی ہیں۔ کچھ اُسرار تو میں نے تمہیں بتا دیئے ہیں لیکن کچھ ایسے ہیں کہ میں نہیں بتا سکتا۔ وہ

پیشِ شاہاں گر خطر باشد بجاں
بادشاہوں کے حضور اگرچہ جان کا خطرہ ہوتا ہے

لیک نشکیبند عالی ہمتاں
لیکن بُلند ہمت حضوری کو ترجیح دیتے ہیں

تجھے رُوح القدس بتائے گا۔ رُوح القدس سے یہاں مراد جبرائیل علیہ السلام نہیں کیونکہ اُن کا بتانا تو صرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے بلکہ دوسرے ملائک مراد ہیں جو اللہ مومنوں پر اُتارتا ہے (تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ)۔ وہ باتیں نہ میں تمہیں بتاؤں گا اور نہ فرشتہ بلکہ خود تجھے وہ مقام حاصل ہو جائے گا یعنی تو خود اپنے آپ کو بتائے گا اُس وقت "مَن و تو" کا امتیاز ختم ہو جائے گا۔

اِس مقام پر انسان خود ہی کہنے والا اور خود ہی سننے والا ہوتا ہے۔ یہ ایسے ہے کہ جیسے خواب کی حالت میں جب انسان ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف جاتا ہے تو یہ مقامات خارج میں نہیں ہوتے ہیں۔ خود اُس کے اپنے اندر ہوتے ہیں تو گویا کہ وہ چلنے والا خود اپنے پاس سے چل کر اپنے پاس گیا ہے۔ انسان خواب میں سنتا ہے کہ کوئی دوسرا اُس سے باتیں کر رہا ہے حالانکہ وہ کوئی دوسرا نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی کہہ رہا ہے اور خود ہی سُن رہا ہے۔ انسان بظاہر عالمِ صغیر ہے لیکن حقیقت میں یہ عالمِ کبیر ہے۔ ایک انسان کی شخصیت سینکڑوں شخصیتوں کا مجموعہ ہے اور ایک گہرا سمندر ہے۔ انسان بیداری اور خواب کی حالت میں ایک لامحدود شخصیت ہے۔ اِس راہ کے اَسرار کے بارے میں انسان کو خاموشی اِختیار کرنی چاہئے جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ اُن کو ظاہر نہ فرما دے۔ یاد رکھو! اَسرار تحریر و تقریر میں نہیں لائے جا سکتے۔ اِس کیفیت کو حاصل کرنے کے لئے اپنے دعوے ترک کر دے اور کسی صاحبِ حال مُرشد کا سہارا لے لے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے نے سہارا لینا پسند نہ کیا تو تباہ ہوا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کو بُلانا اور اُس کی سرکشی

حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: خبردار کنعان! اِدھر آ جا اور اپنے باوا کی کشتی میں بیٹھ جا تا کہ تُو طوفان میں غرق نہ ہو جائے۔ اُس نے کہا: میں نے تیرنا سیکھا ہے اور بلند پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا۔ وہ مجھے بچا لے گا۔ اُنہوں نے فرمایا: ایسا نہ کہہ پہاڑ ذاتِ باری کے سامنے تنکا ہے۔ آج وہ اپنے دوست کے سوا کسی کو پناہ نہیں دے گا۔ تُو اگر ناز سے ایسا کہہ رہا ہے تو بھی یہ غلط ہے۔ اُس کا کوئی بیٹا باپ یا رشتہ دار نہیں ہے۔ وہ باپ کا ناز کہاں برداشت کرے گا۔ وہاں کسی ناز کی گنجائش نہیں ہے۔ اُس کے دربار میں صرف عاجزی اور زاری کام دیتی ہے۔ وہ بولا: اے باپ! میں نے بچپن میں جبکہ کمزوری اور ناتوانی کا وقت ہوتا ہے۔ تمہارا کہنا نہیں مانا تو اب جبکہ میں طاقت ور ہوں اور عقل رکھتا ہوں کیسے مان سکتا ہوں۔ پھر ایک موج اُن دونوں کے درمیان آ گئی اور وہ ڈوب گیا۔ قرآن میں اللہ نے فرمایا: "اے نوح علیہ السلام! وہ تمہارا بیٹا تمہارے اہل میں سے نہیں ہے۔ اُس کے عمل اچھے نہیں ہیں" جب کوئی عضو بے کار ہو

شاہ چوں شیریں تر از شکر بود	جاں بشیرینی رود خوشتر بود
شاہ چونکہ شکر سے بھی میٹھا ہوتا ہے	اُس مٹھاس کیلئے جان بھی چلی جائے تو بہتر ہے

جائے تو اُسے جدا کرنا ضروری ہو جاتا ہے ورنہ تمام جسم پر اُس کے خراب اثرات پڑتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام پر حقیقت واضح ہو گئی تو بیٹے کی بربادی کا شکوہ ختم ہو گیا اور انہوں نے معذرت شروع کر دی۔ حضرت نوح علیہ السلام چونکہ ذاتِ باری میں فنا ہو چکے تھے تو اُن کو ذاتِ باری سے متصل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اِتصال دوئی کو چاہتا ہے اور مُنفصِل بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ وصول الی اللہ کی کیفیت ناقابلِ بیان ہے۔ ذاتِ باری فکر و خیال سے بالاتر ہے۔ عاشق عموماً اپنی محبوبہ کے نشانات سے گفتگو کیا کرتے ہیں۔ لیکن دراصل روئے سخن محبوبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسروں سے گفتگو کرتے ہوئے بھی اللہ کے عاشقوں کا روئے سخن اپنے محبوب ہی کی طرف ہوتا ہے۔ اِسی طرح' اے ذاتِ پاک! دوسروں سے بات کرتے وقت بھی میرا روئے سخن تیری ہی طرف ہوتا ہے۔ عاشق کا رُخ گو محبوبہ کے ٹیلوں اور کھنڈرات کی طرف ہوتا ہے لیکن مقصود محبوبہ کا ذکر ہوتا ہے۔ اب میرے اور تیرے درمیان کوئی تیسرا واسطہ ہی نہیں رہا۔ اب تُو نے اُن اشخاص کو ہی ختم کر دیا جو باتیں کرنے میں درمیانی واسطہ ٹیلوں کی طرح تھے۔ اب مجھے صرف ایسے مخاطبوں کی ضرورت ہے کہ میں اُن کے ساتھ تیرا ذکر کروں تو وہ بھی تیرا ہی ذکر کریں۔ دُنیا داروں کے سامنے جب دین کی بات کی جاتی ہے تو وہ دم بخود رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ صلحاء کی صحبت کے لائق نہیں ہوتے۔ ایسے لوگوں کا زیرِ زمین چلے جانا ہی بہتر ہے۔

اللہ نے فرمایا: اے نوح علیہ السلام! اگر تیری خواہش ہے تو صرف کنعان کو ہی نہیں بلکہ میں سب کو زندہ کر دوں۔ تیرے بیٹے کے معاملے میں میں تیری دل شکنی نہیں کرنا چاہتا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اب میں کنعان کی نجات کا خواہاں نہیں ہوں۔ تیری مرضی پر راضی ہوں' تیری مرضی ہو تو مجھے بھی غرق کر دے۔ تیرا حکم مجھے جان سے زیادہ پیارا ہے۔ تیری ذات کے سوا میرا کوئی منظورِ نظر نہیں ہے اور اگر کوئی منظورِ نظر ہے بھی تو وہ بھی تیرے لئے ہی ہے۔ میں تو تیرا اور تیرے فعل کا عاشق ہوں۔ مخلوق کا عاشق نہیں ہوں۔ اللہ کے فعل کا عاشق باعزت ہوتا ہے اور اُس کی بنائی ہوئی چیز کا عاشق کافر ہے۔ اِن دونوں باتوں میں نہایت باریک فرق ہے۔ وہ پہچانتا ہے جو تاڑنے میں ممتاز ہے۔

دو احادیث اَلرِّضَا بِالْکُفْرِ کُفْرٌ اور مَنْ لَّمْ یَرْضٰی بِقَضَائِیْ وَلَمْ یَصْبِرْ عَلٰی بَلَائِیْ فَلْیَطْلُبْ رَبًّا سِوَائِیْ

ایک سوال کرنے والے نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ حدیث ''کفر پر رضا مندی کفر ہے'' اور ''جو شخص میری قضا پر راضی نہ ہو اور میری نازل کردہ بلا پر صبر نہ کرے اُسے چاہیے کہ میرے سوا کوئی اور خدا تلاش

ہر کجا باشد شہِ ما را بساط
جہاں ہمارے شاہ (محبوب) کا ڈیرہ ہو

ہست صحرا گر بود سَمّ الخیاط
وہیں ہماری جنت ہے چاہے سوئی کے سوراخ کی طرح ہو

کرے"۔ اِن دونوں حدیثوں میں تعارض ہے۔ ظاہر ہے کہ کفر بھی خدا کی قضاء ہے۔ اِس پر راضی کیسے رہا جائے؟ سمجھنا چاہیے قضاءِ کفر جو اللہ کا فعل ہے اِس پر رضا ضروری ہے اور یہ عین ایمان ہے لیکن کفر قضاء کا فعل ہے اور مخلوق ہے۔ اِس سے محبت کرنا کفر ہے۔ کفر و نفاق بھی اللہ کی قضاء ہے' ہاں اگر میں اس پر راضی ہو جاؤں تو گمراہی ہے۔ کفر قضائے خداوندی کا اثر ہے جو انسان کے کسب سے انسان میں ظاہر ہوتا ہے۔ سمجھ لو کہ قضاءِ کفر' کفر نہیں ہے لیکن قضاءِ کفر پر رضا' کفر پر رضا نہیں ہے۔ کفر بُری چیز ہے' اُس پر رضا مندی بھی کفر ہے لیکن قضاءِ کفر اور خلقِ کفر اللہ کے اعتبار سے صفتِ کمال ہے۔ اُس صفت پر راضی ہونا کفر نہیں ہے بلکہ عین ایمان ہے جیسا کہ ایک اعلیٰ مصوّر بھیانک تصویر بھی اِسی مہارت سے بنا سکتا ہے جیسی خوبصورت تصویر۔ لیکن علمِ کلام کی بحثیں ذوقِ عشق کے منافی ہوتی ہیں۔ علمِ کلام کی نکتہ آفرینیاں علماء عموماً اپنے علمی کمال کو ظاہر کرنے کے لئے کرتے رہتے ہیں۔ اہلِ عشق اُن سے الگ رہتے ہیں۔ اِس بیان میں ایک مثال سُن لو۔

مثال کہ حیرت، بحث و فکر سے مانع ہے

ایک کھچڑی بالوں والا آدمی نائی کے پاس آیا کہ میں نے نئی شادی کی ہے' میری داڑھی میں سے سفید بال نکال دے۔ نائی نے اُس کی ساری داڑھی مونڈ دی اور اُس کے سامنے رکھ دی کہ لے خود ہی چُن لے۔ میں اپنا اور کام کرتا ہوں۔ اے نیک انسان! دین دار شخص اِس قسم کی اُلجھاؤ پیدا کرنے والی باتوں کو دھیان میں نہیں لاتا۔ صاحبِ عشق تو اپنی لگن میں لگا رہتا ہے۔ فضول بحثوں کے لئے اُس کے پاس وقت ہی نہیں ہوتا۔ جو لوگ دین سے اور عشق سے خالی ہوتے ہیں وہ لایعنی بحثوں میں پڑتے ہیں۔ درد مند لوگ تو اللہ کے احکام بجا لاتے رہتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چونکہ دردِ حق میں مبتلا رہتے تھے اِسی لئے انہیں قرآن حفظ کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا تھا۔ صحابہ میں حافظِ قرآن بہت کم تھے۔ ایک ایک آیت کے معانی میں تفکّر کے اندر اُن کا سارا وقت گزر جاتا۔ مشہور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صرف چار حافظ تھے۔ (۱) ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' (۲) معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۳) زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴) ابوزید رضی اللہ عنہ۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مغز اور معانی قرآن سے پُر تھے۔ اُن کے لئے الفاظ کی زیادہ اہمیت نہیں تھی۔ جب کوئی پھل پک جاتا ہے تو اُس میں مغز بھر جاتا ہے اور چھلکا گھٹ جاتا ہے اور رقیق ہو کر پھٹنے لگتا ہے۔ محبوب و محبّ دو جُداگانہ چیزیں ہوتی ہیں۔ جب تک اُن میں دوئی رہتی ہے وصلِ حقیقی حاصل نہیں ہو سکتا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فنائیت کا درجہ حاصل ہو گیا اور دوئی ختم ہو گئی۔ ایسی حالت میں

هر کجا که یوسفے باشد چو ماه | جنّت ست آں ارچه باشد قعرِ چاه
ہر وہ جگہ جہاں چاند جیسا یوسف ہو | وہ جنت ہے' چاہے وہ گہرا کنواں ہی ہو

ذاتِ باری کی تجلی اوصافِ بشریت کو ختم کر دیتی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں وحیءِ الٰہی نے فنائیت پیدا کر دی تھی۔ لہٰذا مُشاہدۂ حق اور اشغال بالعمل، حفظِ قرآن کا موقع ہی نہیں دیتا تھا۔ قرآن کے اَسرار اور گہرے معنیٰ کو سمجھتے ہوئے الفاظ کو یاد کر لینا بہت ہی بڑے انسان کا کام ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مُشاہدۂ حق سے جو مَستی حاصل تھی اُس کے ہوتے ہوئے حفظِ قرآن کے آداب کا پابند ہو جانا ہر انسان سے ممکن نہیں ہے۔ مُشاہدۂ حق کی مَستی اِستغناء پیدا کر دیتی ہے۔ اِس کے ہوتے ہوئے نیازمندی کی نگہداشت دو متضاد چیزوں کو جمع کرنا ہے۔ مقامِ حیرت میں پہنچ کر امتیاز باقی رکھنا ناممکن ہے۔ تحیرِ محمود کے مقام پر عبد و معبود کا فرق قائم رکھنا یہ صرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی کر سکتے تھے۔ قرآن کے معانی اور اَسرار و حِکَم کو جانے بغیر الفاظ کو رٹ لینا اور اُن ہی سے عشق کرنا ایسا ہی ہے جیسے کہ اندھے کو لاٹھی سے عشق ہوتا ہے۔

ایسے حافظِ قرآن کی مثال اُس صندوق کی سی ہے جس میں قرآن محفوظ کر دیا جائے۔ نہ صندوق کو اُس کے اَسرار و معانی کا علم ہے اور نہ ہی اُس حافظِ قرآن کو۔ کہنے والے نے کہا کہ جو لوگ قرآن کے اَسرار اور معانی سے بے بہرہ ہیں وہ صرف الفاظ رٹتے ہیں۔ وہ آیتوں کے پُر شدہ صندوق ہیں لیکن جو لوگ محض قرآن کے لفظوں کے حافظ ہیں وہ بھی اُن سے بہتر ہیں، جو الفاظ سے بھی محروم ہیں۔ وہ لوگ جن کے سینے قرآن کے الفاظ سے بھی خالی ہیں اُن لوگوں سے بہتر ہیں جن کے سینے خیالاتِ فاسدہ اور باطل عقائد سے بھرے ہوئے ہیں۔ غرض کہ جو لوگ واصل بحق ہیں اُن کو کسی رہنما کی ضرورت نہیں ہے۔ جب مقصود حاصل ہو جائے تو اُس کا اَتہ پتہ معلوم کرنا لغو بات ہے۔ جو شخص بالاخانے پر پہنچ گیا اُس کے لئے سیڑھی کو تلاش کرنا بے کار ہے۔ اب واصل بحق اگر اللہ سے قرب کے وسائل اور ذرائع کا ذکر کرے تو دوسروں کی تعلیم کے لئے کرے۔ جب محبوب تک رسائی ہو جائے تو قاصد اور نامہ و پیغام کی جستجو بیکار بات ہے۔

ایک عاشق کا اپنے معشوق کے سامنے عشق نامہ پڑھنا اور معشوق کا اُس کو ناپسند کرنا

معشوق کے پاس بیٹھ کر اُس کے لئے لکھے ہوئے خطوط پڑھنا معشوق کی ناگواری کا سبب ہوتا ہے۔ عاشق نے معشوق کو خط لکھا اور پھر اُسی کو معشوق کے سامنے پڑھنا شروع کر دیا۔ معشوق نے سارا مضمون سُن کر کہا کہ اگر یہ خط میرے نام تھا تو وصل کی حالت میں اس کا پڑھنا عُمر کو ضائع کرنا ہے۔ عاشق تو محوِ دیدار ہو کر سب کچھ بھول جاتا ہے۔

تو حالِ دِلم پُرسی مَن از رُخِ تو حیراں
خواہم کہ سُخن گویم آواز بروں ناید

"تُو میرے دل کا حال پوچھتا ہے اور میں تیرے رُخ کی تجلّی سے حیران ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ کچھ بولوں لیکن آواز نہیں نکال سکتا"۔

عاشق نے معشوق سے کہا: تُو حاضر تو ہے لیکن تیرا شباب ڈھل گیا ہے۔ اب پہلے جیسا لُطفِ محبت حاصل نہیں ہو رہا۔ معشوق نے جواب دیا کہ تُو میری ذات کی ایک حالت پر عاشق ہوا ہے اور اَحوال میں تو تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں یعنی میری پوری ذات تیری معشوق نہیں ہے بلکہ میری ذات تیرے معشوق کا ایک جزو ہے۔ میں تیرا معشوق نہیں تھا بلکہ وہ جوانی معشوق تھی جو میری ذات میں موجود تھی لہٰذا میں صندوق تھا اور جوانی اُس کے اندر والی نقدی کی طرح تھی اور عشق صندوق سے نہیں تھا بلکہ نقدی سے تھا۔ اے دوست! عارضی حُسن معشوق بنانے کے لائق نہیں ہوتا۔ عشق اُسی ذات کے ساتھ ہونا چاہیے جو لازوال ہے۔ انسان کی ابتداء بھی وہی ہے اور مُنتہیٰ بھی وہی ہے۔ قرآن میں ہے "اللہ ہی شروع میں پیدا کرتا ہے۔ پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا پھر تم اُس کے پاس لوٹ کر جاؤ گے"۔ اللہ کے وصل کے بعد پھر کسی اور معشوق کا منتظر نہ بن کیونکہ "وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے"۔ هُوَ الظَّاهِرُ وَهُوَ الْبَاطِنُ۔

عاشقِ خدا ہر قسم کے اَحوال پر حاکم ہوتا ہے۔ زمانہ اور اَحوال اُس کے محکوم ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی توجہ سے جسموں کو رُوح بنا دیتا ہے۔ حال وہ کیفیت ہوتی ہے جو قلب پر بغیر کسی تکلّف اور کوشش کے محض خداوندی عنایت سے وارد ہوتی ہے جیسے قبض وبسط اور ذوق وشوق وغیرہ اور یہ کیفیت کسی نفسانی صفت کے ظہور کے وقت زائل ہو جاتی ہے لیکن جس کو عشقِ الٰہی میں فنا کا درجہ حاصل ہو جائے وہ اُن اَحوال کا محکوم نہیں رہتا۔ جو شخص اَحوال کا تابع ہے وہ کامل نہیں ہے۔ فنا کے درجہ پر پہنچ کر سالِک کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ جس حال کی اُس کو خواہش ہو وہ پیدا ہو جاتا ہے اور چاہے تو موت جیسی تلخ چیز بھی شیریں بن جاتی ہے یعنی وہ صاحبِ تصرّفات ہوتا ہے۔ جو اَحوال کا محکوم ہوتا ہے اُس میں قویٰ بشری کا غلبہ رہتا ہے اور اُس کو کبھی عروج اور کبھی نزول کی کیفیتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

ابن الوقت وہ صوفی ہوتا ہے جو اَحوال وتجلیات پر قابو نہ رکھ سکے۔ ایسے صوفی سے اِضطرارً خوارق اور کرامات کا ظہور ہو جاتا ہے۔ ابوالوقت وہ صوفی ہوتا ہے جو صاحبِ مقام ہوتا ہے اور اُس کو اَحوال پر پورا قابو ہوتا ہے اور اُس کو رُوح اور نفس پر پوری قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اُس سے اکثر کرامات کا ظہور نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان باتوں کو اللہ کی سُنّت کے خلاف سمجھتا ہے۔ جو چیز متغیر ہو جانے والی ہو وہ معشوق اور معبود بنانے کے قابل نہیں ہوتی جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا: لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ "میں ان زوال پذیر چیزوں کو پسند نہیں کرتا"۔ جن چیزوں کا حُسن اور کمال زوال پذیر ہو اُن

کو صفاتِ باری کا صرف مظہر سمجھو انہیں حقیقی محبوب نہ بناؤ۔ انسان کی اپنی ذات کی اچھائی یا برائی طلب میں رکاوٹ نہیں بنی چاہیے۔ اُس کو ہر وقت عشق اور معشوقِ حقیقی کو پیشِ نظر رکھ کر مسلسل جدّ وجہد کرتے رہنا چاہیے اور بالکل نا اُمید نہیں ہونا چاہیے۔

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دُشوار نیست

"تو یہ نہ کہہ کہ میں شاہ کو نہیں پا سکتا کیونکہ کرم کرنے والوں پر ایسا کرم کرنا مشکل نہیں ہوتا"۔

اگر کوئی طالب نکما یا کمزور ہے تو اُسے گھبرانا نہیں چاہیے کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ طلب کو صادق رکھنا چاہیے۔ اُس کی کمزوری ہی مطلوب تک رہنما بن جائے گی۔ طلب کا اضطراب اور بے قراری لامحالہ مطلوب تک پہنچا دیتی ہے۔ دراصل طلب اور جستجو کامیابی کی اصل ضامن ہیں۔ اگر اپنے میں طلب کا جذبہ موجود نہیں ہے تو طلبگاروں کے ساتھ لگ جانا چاہیے' تو بھی مقصود حاصل ہو جائے گا۔ نیکوں کی صحبت تاثیر سے خالی نہیں ہوتی۔ اگر کوئی ضعیف یا کمزور طالبِ حق ہے تو اُس کو حقیر نہ سمجھو۔ اگر کسی بزرگ کی صحبت سے کچھ حاصل ہو جائے تو صرف اِستعداد پیدا ہو گی۔ اگر طلب اور جستجو ہی ختم کر دی تو وہ اِستعداد بھی ضائع ہو جائے گی۔ انسان کا یہ خیال بالکل غلط ہے کہ بلا محنت اور مُشقت کے کچھ حاصل ہو سکے گا۔ جو شخص محبوب کی طلب میں دوڑتا ہے وہ ضرور آخر کار اُسے پا لیتا ہے۔

وہ شخص جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں دن رات عاجزی سے دُعا کرتا "اے اللہ! مجھے کمائی کی تکلیف کے بغیر روزی عنایت فرما"

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ایک طالب نہایت عاجزی اور زاری سے جگہ جگہ بھی دُعا کرتا تھا کہ اُسے بغیر محنت کے مال مل جائے۔ میں جس اہلیت کا ہوں مجھ سے وہی کام لے' مجھ پر روزی کمانے کی تکلیف نہ ڈال۔ جب تُو نے مجھے کاہل پیدا کیا ہے تو رزق بھی مجھے کاہلی کے راستے سے ہی عطا فرما۔ جس طرح زمین کاہل ہے اور تُو اسے غذا ابر بھیج کر پہنچاتا ہے۔ بچہ میں محنت کی صلاحیت نہیں ہوتی تو ماں کے ذریعے اُس کو رزق پہنچاتا ہے۔ مجھ میں بھی محض طلب ہے اور کوئی ذریعہ اختیار کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ ان باتوں پر لوگ ہنستے کہ یہ بے وقوف کیا کہتا ہے۔ اللہ نے ہر ایک کو ایک پیشہ اور طلب دی ہے اور کمائی' تکلیف اور محنت کے راستے سے ہی آتی ہے۔ اللہ کے نبی داؤد علیہ السلام نے بھی زِرہ بنانے کا پیشہ اختیار کیا ہے۔ وہ خدا کے دوست ہیں۔ اُن کے منہ سے زبور سُن کر انسان کیا پہاڑ اور

چُوں بسے ابلیس آدم رُوئے ہست
چونکہ بہت سے شیطان بھی انسانی چہرے والے ہیں

پس بہر دستے نشاید داد دست
اس لیے ہر ہاتھ میں ہاتھ نہ پکڑانا چاہیے

جنگلی جانور بھی وجد میں آجاتے تھے اور ایک دوسرے سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ اِن تمام عزتوں کے باوجود بھی وہ اپنی روزی محنت کر کے کماتے ہیں۔ اُس شخص کے اچانک خزانہ مل جانے کی تمنا تو ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی سیڑھی کے بغیر آسمان پر چڑھ جانے کی تمنا کرے۔

اللہ عاجزی سے دُعائیں کرنے والوں کو بہت پسند فرماتا ہے۔ آخر ایک دن اچانک اُس دُعا کرنے والے کے گھر میں ایک گائے گھس آئی کیونکہ دُعا کی قبولیت کا موقع ہے' اِس لئے' اے الٰہی! جس طرح پیٹ میں بچہ چھپا ہوتا ہے اسی طرح باطن میں خدا کی جانب سے کاموں کی تکمیل کا تقاضا چھپا ہوتا ہے۔ میرے دل میں بھی مثنوی کے اِتمام کے لئے معانی اور قوافی کا تقاضا چھپا ہوا ہے۔ تیری مدد کے بغیر زمانے کی کیا طاقت ہے کہ کسی سے شعر کہلوا سکے۔ تمام غیر ذی رُوح چیزیں فرمانِ الٰہی کے تابع ہیں۔ دُنیا کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لیکن ہر ایک کی تسبیح کرنے کا طریقہ جُداگانہ ہے۔ انسان جمادات کی تسبیح کو نہیں سمجھ پاتا اِس لئے اُس کی تسبیح خوانی کا انکار کر دیتا ہے۔ ہر فرقہ اپنے جس اعتقاد کے مطابق اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اِس سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اگر دو انسان باہمی ایک دوسرے کی تسبیح کو نہیں سمجھتے ہیں تو جمادات کی تسبیح کو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔

سُنّی فرقہ اپنے اعتقاد کے مطابق اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور جبری فرقہ اپنے اعتقاد کے مطابق بیان کرتا ہے اور وہ ایک دوسرے کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ جبری کہتے ہیں کہ سُنّی گمراہ ہیں۔ جہاں قرآن میں انسان کو قُم کا حکم ہوا ہے جس کے معنیٰ ہیں "کھڑے ہو جاؤ" تو یہ اِس بات کی دلیل ہے کہ یہ فعلِ انسانی' انسان کی قدرت میں ہے' ورنہ اُس کو یہ حکم نہ دیا جاتا۔ یہ دلیل جبری عقیدے کے خلاف ہے لیکن جبری اِس دلیل سے بے خبر ہے۔ دراصل ازل میں یہ اختلافات مقدر کر دیئے گئے ہیں تاکہ حق و باطل کا فیصلہ ہو سکے۔ قہر کو مہر سے ہر شخص جدا سمجھتا ہے لیکن مہر میں جو قہر پوشیدہ ہو اور وہ قہر جو مہر کے اندر ہو اُس کو سوائے باخدا انسان کے کوئی نہیں جانتا' جس کے دل میں رُوح کی کسوٹی ہو۔ باپ کا بچے پر تعلیم کے لئے سختی کرنا قہر میں مہر ہے اور اللہ کا کافروں کو دنیاوی نعمتوں میں فراخی دینا مہر میں قہر ہے۔

اِن باتوں کو صرف خاصانِ خدا ہی سمجھتے ہیں۔ عام لوگ مہر میں پوشیدہ قہر اور قہر میں پوشیدہ مہر کے بارے میں مشکوک ہوتے ہیں لیکن حقائق تک پہنچنے کے لئے یقین کی پرواز مکمل ہے نہ کہ ظن اور شک کی۔ شک و گمان' حقیقت تک پہنچنے کے لئے گرتا پڑتا چلتا ہے لیکن جب انسان مرتبۂ یقین پر پہنچ جاتا ہے تو پھر اُس کی رُوحانی پرواز سیدھی اور سچی ہوتی ہے اور انسان ٹھوکروں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ انسان کو جب یقین کی وجہ سے علم کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو لوگوں کی

حرفِ دُرویشاں بُدزدد مردِ دُوں	تا بخواند بر سلیمے زاں فسُوں
کمینہ آدمی فقراء کے چند کلمات چرا لیتا ہے	تاکہ کسی بھولے بھالے پر وہ منتر پڑھ سکے

مدح اور قدح سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ حاسدوں اور خوشامدیوں کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوتا۔ وہ بہر حال مطمئن رہتا ہے۔ کانوں کے ہلکے لوگ ہی لوگوں کی مدح اور قدح سے متاثر ہوتے ہیں۔

وہم اور خیال کی وجہ سے مکار بچوں کے اُستاد کا بیمار پڑنا

ایک مکتب کے بچے' اُستاد کی طرف سے زیادہ محنت کی وجہ سے تنگ ہو گئے۔ اُنہوں نے مشورہ کیا کہ اُستاد کو کسی پریشانی میں مبتلا کیا جائے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ اُستاد کو کوئی بیماری نہیں لگتی تاکہ ہم چند روز کام کی دشواری سے چھوٹ جائیں۔ ایک ذہین نے کہا کہ وہ اُستاد سے کہے گا کہ آپ کا رنگ زرد کیوں ہو رہا ہے؟ کہیں آپ کو بخار تو نہیں ہے؟۔ اس سے اُستاد کے دل میں کچھ وہم پیدا ہوگا' پھر دوسرا بچہ یہی کہے گا۔ اُستاد کو بیماری کا خیال اور بڑھے گا۔ اِسی طرح مسلسل سننے سے اُستاد کو اپنی بیماری کا یقین ہو جائے گا۔ سب ساتھیوں نے ذہین بچے کی تعریف کی اور سب نے وعدہ کیا کہ کوئی بات بدلی نہیں کرے گا۔ انسانوں کی عقلوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا معشوقوں کی صورتوں میں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ انسان کی خوبی اُس کی زبان میں چھپی ہوئی ہے۔ لوگوں میں عقلوں کا فرق ہوتا ہے۔ عقلیں تجربہ کار لوگوں کی رائے سے بڑھ جاتی ہیں اور بعض اوقات بچے وہ خیال ظاہر کر دیتے ہیں کہ بوڑھے کبھی سوچ بھی نہیں سکتے۔ عقل کی وہ زیادتی جو فطری ہے وہ اِس سے بہتر ہے جو کوشش اور تعلیم کی وجہ سے حاصل ہو۔

صبح ہوئی تو ذہین بچہ آگے آیا۔ اُس نے اُستاد کو سلام کیا اور بولا: خدا خیر کرے آپ کے چہرے کی رنگت پیلی ہے۔ اُستاد نے کہا: مجھے کوئی تکلیف نہیں ہے' جاؤ! بیٹھ جاؤ۔ اُستاد نے انکار کر دیا لیکن کچھ وہم اُس کے دل میں بیٹھ گیا۔ دوسرا لڑکا اندر آیا' اُس نے بھی وہی کہا تو وہم تھوڑا سا اور بڑھ گیا۔ اِسی طرح سنتے سنتے اُستاد حیرانی میں پڑ گیا۔ بالکل اِسی طرح لوگوں کے سجدوں نے فرعون کے دل کو بیمار کر دیا اور وہ خدائی کے دعوے پر دلیر ہو گیا۔ وہم و گمان ناقص عقل کے لئے مصیبت ہوتے ہیں۔ زمین پر دو گز چوڑا راستہ ہو تو انسان اس پر آسانی سے بھاگ سکتا ہے لیکن اگر اونچائی پر دو گز راستہ ہو تو اُسے وہم ہوتا ہے کہ گر پڑے گا۔ ایسے ہی وہم نے اُستاد کو ڈرا دیا۔ وہ گھر آیا اور بیوی سے لڑنے لگا کہ تُو نے مجھے آگاہ نہیں کیا؟ بیوی نے پوچھا: آپ اتنی جلدی کیوں آگئے؟ اُستاد نے کہا: کیا تُو اندھی ہے؟ میری رنگت اور حالت دیکھ کر بچے غیر ہو کر میرے لئے رو رہے ہیں اور تمہیں خیال ہی نہیں ہے۔ مجھے جلدی سے بستر بچھا دے۔ بیوی نے بستر بچھا دیا لیکن اُس کے غلط وہم نے اُسے پریشان کر دیا کہ اگر میں کچھ کہوں گی تو وہ ناراض ہو جائے گا کہ مجھے گھر سے نکالنا

چاہتی ہے۔

بچے آہستہ سے وہاں بیٹھ گئے اور خاموشی سے سبق پڑھنے لگے کیونکہ اُستاد نے چھٹی نہیں دی تھی۔ ذہین بچے نے کہا: دوستو! سبق بلند آواز سے پڑھو۔ اُستاد کا سر اونچی آواز سے درد کرنے لگا۔ اُس نے بچوں کو چھٹی دے دی۔ ماؤں نے بچوں سے گھر واپس آنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے اُستاد کی بیماری کے بارے میں بتایا۔ ماؤں نے کہا: خود جا کر معلوم کریں گی کہ یہ مکر ہے یا حقیقت۔ صبح سب مائیں اُستاد کے پاس پہنچیں۔ اُستاد بولا: مجھے خود اپنی بیماری کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔ مجھے بچوں نے بتایا ہے ورنہ زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے مجھے اپنی بیماری کا پتہ ہی نہیں تھا۔ اگر انسان پورا کسی خیال میں مصروف ہو تو وہ اپنی تکلیف سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ مصر کی عورتوں نے اپنی ذہنی مصروفیات ہی کی وجہ سے ترنج کی بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور انہیں پتہ بھی نہ چلا۔

جسم، رُوح کے لباس کی طرح ہے، ہاتھ، رُوح کے ہاتھ کی آستین اور پاؤں رُوح کے موزے ہیں

جان لو کہ ہمارا جسم لباس کی مانند ہے۔ تُو پہننے والے کو تلاش کر لے۔ تمہاری رُوح ذاتِ باری سے متعلق ہے۔ خواب میں تُو جو ہاتھ پاؤں دیکھتا ہے وہ اِس مادی جسم کے نہیں ہوتے یعنی تُو اپنے ظاہری بدن کے علاوہ بھی ایک باطنی بدن رکھتا ہے۔ تُو جان کے اِس ظاہری جسم میں سے نکل جانے سے نہ ڈر۔ رُوح کے جسم سے نکلنے کے بعد بھی ایک زندگی ہے اور اُس کی پرواز بہت بلند ہے۔

ایک دَرویش کا پہاڑی میں خلوت نشین ہونا لوگوں سے جُدائی اور اُس کی شیرینی کا بیان اور اِس فضیلت میں داخل ہونا کہ مَیں اُس کا ہم نشین ہُوں جو مجھے یاد کرے

جسمِ عنصری کے کسی حصّے کے الگ ہو جانے سے رُوح میں نقصان نہیں آتا ہے۔ ایک قصہ سُن لے۔ ایک پہاڑ میں ایک درویش مقیم تھا اور تنہائی میں زندگی گزارتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص کے لئے وہ کام آسان ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اُس درویش کو لوگوں میں رہنے کی بجائے تنہائی میں رہنا پسند تھا۔ ہمارے ہاتھ پاؤں بھی کسی کام میں تب ہی حرکت کرتے ہیں کہ اگر اُس کام کی دلی خواہش پیدا ہو۔ اِسی طرح عالمِ بالا کی طرف میلان سعادت کی علامت ہے اور نیک کاموں کے صادر ہونے کا سبب بنتا ہے۔ دنیاوی کاموں کی طرف میلان تباہی کا سبب ہے۔ عقل مند وہ ہے جو تباہی سے پہلے تباہی کے اسباب کی اِصلاح کر لے۔ جاہل تباہی کے بعد روتا ہے جو بے سود ہوتا

یا بجُز آں حرف شاں روزی نبود
یہ نقالی کبھی ہمیشہ نقالی نہیں رہتی ہے

یا در آخر رحمت آمد رہ نمود
یہ کبھی اللہ کی رحمت سے راہ بھی دکھا دیتی ہے

ہے۔ دنیاوی زندگی میں اگر آخرت کی رُسوائیوں سے نجات حاصل کر لے گا تو حشر میں ندامت سے بچ جائے گا۔

ایک صاحب ایک سُنار کے پاس آئے کہ ترازو دے دو میں نے سونا تولنا ہے۔ اُس نے جواب میں کہا: جاؤ میرے پاس چھلنی نہیں ہے۔ اُس شخص نے کہا: مذاق مت کرو میں نے کانٹا مانگا ہے تم چھلنی کی بات کر رہے ہو' کیا تم بہرے ہو؟ سُنار بولا: میں ٹھیک بات کر رہا ہوں بہرہ نہیں ہوں' میرے پاس جھاڑو نہیں ہے۔ شخص کہنے لگا: میں تجھ سے سونا تولنے کے لئے کانٹا مانگ رہا ہوں اور تم چھلنی اور جھاڑو کی بات کر رہے ہو۔ اگر یہ مذاق نہیں ہے تو کیا ہے؟ سُنار بولا: میں مذاق نہیں کر رہا' حقیقت بیان کر رہا ہوں۔ تم ایک بوڑھے آدمی ہو تمہارے ہاتھ لرزتے ہیں۔ سونے کی کترنیں تولتے وقت زمین پر گریں گی' تو اُن کو سورنے کے لئے جھاڑو مانگے گا۔ پھر اس میں مٹی مل جائے گی جسے تُو علیحدہ کرنے کے لئے چھلنی مانگے گا۔ میں پہلے ہی ساری باتیں سمجھ گیا ہوں اور تیرے معاملے کا انجام مجھے نظر آ گیا ہے۔ میں نے اُس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جوابات دیئے ہیں۔ جو ابتداءِ کار کو دیکھے اور انجام پر نظر نہ رکھے وہ اندھا ہوتا ہے۔ چونکہ زندگی کا مدار آخرت پر ہے اور بادشاہی کا انجام بھی اس دُنیا سے خالی ہاتھ جانا ہے تو درویشی بادشاہی سے بہتر ہوئی۔

پہاڑ پر رہنے والے درویش نے عہد کیا تھا کہ وہ کوئی پہاڑی میوہ توڑ کر نہیں کھائے گا۔ صرف نیچے گرے ہوئے ہی کھائے گا۔ ایک زمانے تک وہ اپنے اس عہد پر قائم رہا لیکن اللہ کی طرف سے آزمائش کا وقت آ پہنچا۔ اِس لئے عہد کرتے وقت ہمیشہ انشاءاللہ کہہ لیا کرو تا کہ آزمائش سے بچے رہو۔ اللہ نے فرمایا ہے: میں دل میں خواہش پیدا کر کے تمہیں آزماتا ہوں۔ پرندہ جال کو دیکھتا ہے لیکن پھر بھی جانتے بوجھتے لالچ میں جال میں پھنس جاتا ہے۔ قضاءِ خداوندی پوشیدہ ہے اور صرف اُس کا اثر ہی ہمیں اُس سے واقف کراتا ہے۔ اِسی طرح عشق کا معاملہ ہے۔ ایک امیرزادہ ایک معشوقہ کے عشق میں مبتلا ہو گیا اور اُس کے لئے اپنی ساری جائیداد کو تباہ کر دیا۔ خاندان میں اور باہر ہر جگہ ذلیل ہو گیا لیکن پھر بھی معشوقہ کے حصول کے لئے ہر خاص و عام سے دُعا کا طالب ہوتا تھا۔ اُس کے ہاتھوں میں یا پاؤں میں کوئی بیڑیاں نظر نہیں آتیں۔ اُس چھپے ہوئے بند کو آنحضور ﷺ اور اولیاء رحمہم اللہ دیکھ سکتے ہیں۔ ابولہب کی بیوی کی گردن کی رسی آنحضور ﷺ کو نظر آ رہی تھی۔ اِن چیزوں کا دیدار اُس وقت ہوتا ہے جب انسان دنیوی حواس ختم کر کے خود فراموشی کے مقام پر پہنچ جائے۔ اللہ اُن کو نورِ بصیرت عطا فرما دیتا ہے اور وہ سب چھپی ہوئی علامتیں دیکھ لیتے ہیں۔ اس درویش کے قصے کی طرف واپس چلیں۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ پانچ دن تک کوئی پھل زمین پر نہ گرا۔ وہ بھوک سے بے تاب ہو گیا اور اُس میں صبر کی طاقت

نہ رہی۔ اُس نے درخت سے پھل توڑ کر کھالیا۔ لیکن اُسے اپنی عہد شکنی کا جلد ہی احساس ہوگیا۔ ہر عہد کی وفا ضروری ہوتی ہے لیکن ایسا بھی خداوندی توفیق ہی سے ہوسکتا ہے اگر عہد کو پورا کرنے کے لئے اللہ کا فضل شاملِ حال نہ ہوگا تو پھر رُسوائی ہے۔ اللہ نے فرمادیا ہے کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو۔ اُس درویش نے جیسے ہی عہد توڑا تو وہ آفت میں پھنس گیا۔ وہاں چوروں کا ایک گروہ تھا جو چوری کر کے اِسی پہاڑ میں آکر چُھپ گیا۔ کوتوال کے آدمی جلد ہی وہاں آپہنچے اور سب کو گرفتار کر کے باندھ لیا۔ پکڑے جانے والوں میں وہ درویش بھی تھا۔ سب کے ہاتھ اور پاؤں جدا کردینے کا حکم صادر ہوگیا۔ اُس درویش کا ابھی ہاتھ ہی کٹا تھا کہ کسی معزز نے اُسے پہچان لیا کہ یہ تو فلاں بزرگ ہیں۔ اِن کا ہاتھ کیوں کاٹ دیا۔ کوتوال کو اطلاع ہوئی تو بھاگا ہوا آیا اور معافی کا طالب ہوا۔ اُس نے کہا: مجھے معاف کردیں مجھے علم نہیں تھا کہ آپ بے قصور ہیں۔ درویش نے کہا کہ ہاتھ کے کٹنے کا سبب میں جانتا ہوں۔ تم فکر نہ کرو۔ یہ میرا نصیبہ تھا۔ خدا کے ساتھ اُلجھنے کا کون حوصلہ کرسکتا ہے۔ لوگ اکثر اپنی شرمگاہ اور حلق کی بدبختی کی وجہ سے رُسوا ہوتے ہیں۔

بسا اوقات نیک عادت قاضی، حلق کی وجہ سے رشوت خور ہوا اور ذلیل ہوا۔ عشق کی وجہ سے حج پر گیا ہوا حاجی واپسی پر فسق و فجور میں پھنس گیا۔ اِسی لئے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اندر نماز میں سُستی دیکھی تو اپنے آپ پر ایک سال تک پانی نہ پینے کی پابندی لگادی۔ دین کی خاطر اُنہوں نے یہ ادنیٰ سی بات کی جس کی وجہ سے اللہ نے اُن پر ایسا فضل کیا کہ انہیں قُطب العارفین کا درجہ دے دیا۔ جب حلق کی وجہ سے اُن بزرگ کا ہاتھ کٹ گیا تو اُنہوں نے بھی شکوہ نہ کیا۔ ایسے محبوب لوگوں کے لئے ایک دروازہ بند ہوتا ہے تو دس کھول دیئے جاتے ہیں۔ لوگوں میں اُن کا نام ٹنڈا شیخ مشہور ہوگیا۔ ویسے اُن کا اصل نام ابوالخیر تیناتی رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ تنہائی میں ایک شخص نے انہیں دیکھا کہ وہ دونوں ہاتھوں سے اپنی جھولی بُن رہے ہیں۔ اُنہوں نے کہا: اے میری جان کے دشمن! تُو کہاں منہ اُٹھائے میری جھونپڑی میں گھس آیا؟ اب جب تک میں مر نہ جاؤں یہ راز پوشیدہ رکھنا لیکن اس بات کا ہر جگہ چرچا ہوگیا۔

اُنہوں نے عرض کیا: یاالٰہی! تُو ہی حکمتوں کو جانتا ہے۔ میں نے اس بات کو ہزار چُھپانا چاہا لیکن تُو نے ظاہر کردیا۔ اللہ نے اُن کو الہام میں فرمایا کہ ہم نے یہ پسند نہ کیا کہ ہمارے بندے تم سے بدگمان رہیں کہ تم چور ہو۔ ضرورت کے وقت کٹا ہوا ہاتھ دُرست کرنا تمہاری تسلی کے لئے نہیں ہے۔ تمہیں تو پہلے ہی ہماری ذات سے تسلی اور اطمینان ہے۔ ایسا اِس لئے کیا گیا ہے کہ تم اِس مقام سے آگے بڑھ گئے ہو کہ جسمانی ہاتھ پاؤں کو اصلی سمجھو اور اُن کے فنا ہونے سے ڈرو۔ فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کاٹ دینے کی دھمکی دی لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے کیونکہ اُن کا

غرقِ عشقے شو کہ غرق ست اندریں عشق میں ڈوب جا کہ اِس میں	عشق ہائے اوّلین و آخریں سب اگلے پچھلوں کے عشق غرق ہیں

دل ایمان سے منوّر ہو چکا تھا اور جسم کی زندگی کو عارضی سمجھتے تھے۔ وہ سمجھ چکے تھے کہ جسم کی اصل حقیقت تو رُوح ہے۔ اِس لئے وہ عارضی وجود کے فنا ہونے کے وہم سے بے خوف ہو گئے تھے۔ عالمِ خواب میں ہم اگر اپنے جسم کے ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھیں تو اس سے جسم کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ اِسی طرح جسمِ عنصری کے ٹکڑے ہو جانے سے اصل جسم کو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ آنحضور ﷺ نے ایک شخص کے اِس سوال پر کہ دُنیا کیا ہے؟ فرمایا: سونے والے کا خواب ہے۔ پھر اُس نے پوچھا: دُنیا اور آخرت میں کتنا فاصلہ ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: پلک جھپکنے کے برابر فاصلہ ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ نیند میں ہیں جب مریں گے تو بیدار ہو جائیں گے۔ عالمِ دُنیا اور اُس کے موجودات سب وجودِ باری کے سایہ ہیں۔

انسان حالتِ خواب میں دیکھتا ہے کہ وہ بیدار تھا اور اب سویا ہے تو جس طرح خواب میں خواب کو دیکھتا ہے۔ اِسی طرح اُس عالَم کی بیداری اور خواب کو سمجھو۔ خدا اِس جسم کا بنانے والا ہے' اگر وہ اِس جسم کو فنا کرتا ہے تو جب چاہتا ہے پھر بنا دیتا ہے۔ اِسی لئے جن کو چشمِ بصیرت حاصل ہوتی ہے وہ دُنیا کے خطرات سے نہیں ڈرتے۔ خچر نے اونٹ سے کہا کہ سفر میں اونچے نیچے راستوں پر مَیں منہ کے بل گر جاتا ہوں لیکن تم آسانی سے گزر جاتے ہو اور نہیں گرتے اِس کی کیا وجہ ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں پیش بینی سے کام لیتا ہوں اور گردن اُبھار کر دُور تک دیکھ لیتا ہوں۔ تیری نظر بالکل تھوڑے فاصلے پر ہوتی ہے انجام پر نہیں۔ اہلُ اللہ اور عوام کی مثال اونٹ اور خچر کی سی ہے۔ اللہ جب شکمِ مادر میں بچّے کو پیدا کرتا ہے تو اُس میں غذا کے اجزاء کو جذب کرنے کی طاقت پیدا کر دیتا ہے۔ اِسی طرح رُوح میں بھی اجزاء کو جذب کرنے کی قوت عطا فرما دے گا۔ انسان جب نیند سے بیدار ہوتا ہے تو اُس کے حواس فوراً واپس لوٹ آتے ہیں۔ اِسی طرح حشر میں اجزائے بدن فوراً لوٹ آئیں گے۔

اللہ کے حکم سے بوسیدہ ہو جانے کے بعد حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزا کا جمع ہو جانا اور اُن کے سامنے اُس کا سالم گدھا بن جانا

قیامت میں انسانوں کے جسم کے اجزاء جو بوسیدہ ہو چکے تھے اِس طرح جمع ہو جائیں گے جیسے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کے اجزاء جمع ہو گئے تھے۔ حضرت عزیر علیہ السلام ایک مرتبہ ایک ویران سی بستی کے پاس سے گزرے تو اُنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ تو اِس کو کیسے آباد کرے گا؟ تو اللہ نے اُن پر اور اُن کے گدھے پر فوراً موت طاری کر دی۔ سو برس تک وہ مردہ حالت میں رہے تو پھر اُن کو زندہ کر دیا۔ اِس عرصے میں گدھا بالکل گل سڑ چکا

تھا۔ حضرتِ حق نے اُن کے سامنے اُس کے اجزاء کو جمع کر دیا اور وہ پھر زندہ ہو گیا تو فرمایا کہ اِس طرح میں اِس بستی کو آباد کروں گا۔ حضرتِ حق کا انسانوں کا سا ہاتھ نہیں ہے۔ انسان جب سوتا ہے تو اُس کے ہوش و حواس جاتے رہتے ہیں لیکن انسان سونے سے نہیں ڈرتا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ بیدار ہوتے ہی وہ حواس واپس آ جائیں گے۔ اِسی طرح اگر قیامت کی زندگی کا یقین ہو جائے تو انسان موت سے خوفزدہ نہیں ہوگا۔

ایک شیخ بزرگ کا اپنی اولاد کے مرنے پر گھبراہٹ کا اظہار نہ کرنا

ایک بزرگ شیخ تھے جو کہ اللہ کے بہت برگزیدہ تھے۔

آنحضور ﷺ نے فرمایا ہے: اولیاء اللہ رحمہم اللہ بھی نبوت کے کامل اتباع کی وجہ سے اُمت میں نبیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ اُن کی بیوی نے ایک دن اُن سے کہا: آپ بہت سخت دل ہیں۔ آپ کی اولاد آپ کے سامنے موت کا شکار ہو گئی ہے اور میں اُن کی جدائی کی وجہ سے رو رو کر بے حد کمزور ہو گئی ہوں۔ حشر کے دن ہم آپ کے کرم کے اُمیدوار ہیں۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں مجرموں کو روتا نہیں چھوڑوں گا۔ میری اُمت کے نیک لوگ تو ویسے ہی اپنے اعمال کی وجہ سے بخشے جائیں گے۔ میری سفارش گنہگاروں کے لئے ہوگی۔ ہاں میری سفارش سے نیک لوگوں کے مراتب ضرور بلند ہوں گے۔ اُن لوگوں کی سفارشیں کام آئیں گی۔ یہ شُبہ ہو سکتا ہے کہ شفاعت میں تو دوسرے کی ذمہ داری اپنے اُوپر لینا ہے اور یہ قرآن کی آیت: وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی ”کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھائے گا“ کے خلاف ہوگا۔

حضور ﷺ نے فرمایا: یہ آیت دُرست ہے لیکن میں تو بوجھ لا نہیں ہوں۔ اللہ نے میرا مرتبہ بہت بلند کیا ہے لہٰذا میں دوسروں کا بوجھ اُٹھا لوں گا۔ اِسی طرح اللہ کے مقبول بندے بھی اللہ کے ہاتھ میں ایسے ہی ہیں جیسے شکاری کے ہاتھ میں کمان۔ شیخ، اللہ کی مرضی کے تابع ہوتا ہے۔ شیخ کون ہے؟ وہ نہیں، جس کے بال سفید ہو گئے ہوں بلکہ شیخ وہ ہے جو اپنی ہستی کو فنا کر چکا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچپن ہی میں بڑے شیخ تھے۔ اگر انسان میں خودی اور غرور ہے تو خواہ اُس کے بال سفید ہوں وہ شیخ نہیں ہے۔ اگر اُس کا بال برابر بھی اپنا وصف باقی ہے تو وہ دنیادار ہے عرشی نہیں ہے۔ بیوی نے پوچھا: پھر ہم آپ سے کیا اُمید رکھیں کہ آپ ہماری سفارشیں کریں گے۔ شیخ نے فرمایا: اے بیوی! یہ نہ سمجھ کہ مجھ میں محبت اور شفقت نہیں ہے۔ ہمیں تو کافروں کی جانوں پر بھی رحم آتا ہے۔ کتوں پر بھی رحم آتا ہے کہ اُن کو کیوں پتھر مارے جاتے ہیں۔ ہم کاٹنے والے کتے کے لئے بھی دُعا کرتے ہیں کہ اللہ! اُن کی یہ بدعادت چھڑا۔ انبیاء علیہم السلام سب کے لئے

عاشقی گرزیں سرو گرزاں سرست
عاشقی خواہ اِدھر کی ہے، خواہ اُدھر کی ہے

عاقبت ما را بداں شہ رہبرست
جان لے کہ اُس شاہ تک ہماری راہ نُما ہے

رحمت ہوتے ہیں۔ مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ سے اُن کے لئے توفیق کی دُعا کرتے ہیں۔ ہر انسان کے دل میں تھوڑی بہت رحمت ضروری ہوتی ہے لیکن شیخ جو اُمت کا دردمند ہوتا ہے اُس میں کُلّی رحمت ہوتی ہے۔

رحمتِ کُلّی دراصل اللہ تعالیٰ کی ہے لیکن شیخ نے چونکہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ سے وابستہ کر دیا ہے اِس لئے اُس کی رحمت بھی رحمتِ کُلّی ہے اِس لئے چاہیے کہ انسان اپنے آپ کو کسی شیخ سے وابستہ کر دے۔ انسان جزوی رحمت کا حامل ہونے کی وجہ سے رحمتِ کُلّی کو نہیں پہچانتا اور ہر کس و ناکس کو رحمتِ کُلّی سمجھ بیٹھتا ہے۔ بیوی نے شیخ سے کہا: تم کو سب پر رحم آتا ہے تو پھر اپنی اولاد کے مر جانے پر تمہارے آنسو کیوں نہیں ہیں؟ کیونکہ رحم کے گواہ تو آنسو ہی ہوتے ہیں۔ عقل مند شیخ غصّہ میں گرما گئے اور فرمایا: اے بوڑھی! دل کی آنکھیں مُردوں اور زندوں سب کو دیکھتی ہیں۔ میں مُردوں کو بھی مجسّم اپنی نگاہوں سے دیکھتا ہوں تو پھر غم کیسے کروں۔ رونے کی وجہ ہجر و فراق ہے۔ عام لوگوں کو مُردے خواب میں نظر آتے ہیں، مجھے بیداری میں بھی نظر آتے ہیں۔

حواس عقل کے پابند ہیں اور عقل رُوح کے تابع ہوتی ہے۔ رُوح پر جب تک دنیاوی خیالات کا غلبہ رہتا ہے وہ اِدراکات سے محروم رہتی ہے۔ جب وہ دنیاوی خیالات کے خس و خاشاک سے صاف ہو جاتی ہے تو اُس کو باطنی اِدراکات حاصل ہونے لگتے ہیں، لیکن اگر خداوندی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو نفسانی خواہشات رکاوٹ بنی رہتی ہیں۔ انسان تباہ ہوتا ہے، خواہشات مسکراتی ہیں اور عقل روتی ہے۔ جب انسان عقل کے تابع ہوتا ہے تو محاسنِ ظاہری اُس کے محکوم بن جاتے ہیں۔ انسان کو نیند کی حالت میں خواب اِسی لئے نظر آتے ہیں کہ حواسِ ظاہری معطل ہو جاتے ہیں۔ جب عقل کا غلبہ ہو تو وہ بیداری میں بھی حواس کو معطل کر سکتی ہے اور خواب والی چیزیں بیداری میں بھی نظر آ جاتی ہیں۔

ایک نابینا شیخ کا قرآن پڑھتے وقت اللہ کے حکم سے بینا ہو جانا

ایک شخص ایک شیخ کے گھر اُن کا مہمان ہوا۔ اُس نے گھر میں قرآن کو رکھا ہوا دیکھا۔ وہ حیران ہوا کہ شیخ تو نابینا ہے اور تنہا ہے۔ یہ قرآن کیوں رکھا ہوا ہے، پہلے اُس نے سوچا کہ شیخ سے پوچھ لوں لیکن پھر فیصلہ کیا کہ صبر کر کے انتظار کرتا ہوں تاکہ یہ راز معلوم کر لوں کیونکہ صبر کشادگی کی چابی ہے۔ صبر کڑوا ہوتا ہے لیکن اُس کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس گئے اور دیکھا کہ وہ ہاتھوں سے فولاد کے حلقے بنا رہے تھے۔ اُنہوں نے حیرت کا اظہار کیا کہ وہ کیا بنا رہے ہیں۔ پھر سوچا کہ صبر کرتے ہیں تو خود بخود پتہ چل جائے گا کہ یہ حلقے کیوں بنائے جا رہے ہیں۔ صبر سے انسان جلد مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ وہ خاموش رہے۔

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
میں عشق کی تشریح کا بیان جو کچھ بھی کرتا ہوں

چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں
جب عشق میں پڑتا ہوں تو اُس سے شرمندہ ہوتا ہوں

حضرت داؤد علیہ السلام نے زرہ بنالی اور اُس کو پہنا اور پوچھا: اے جوان! لڑائی میں زخم سے بچنے کے لئے یہ لباس اچھا رہے گا؟ لقمان علیہ السلام نے فرمایا: واقعی صبر اچھا ساتھی ہے اِسی لئے سُورۃ العصر میں صبر جیسی کیمیا کا ذکر کیا ہے۔ یہ مصائب کو راحت میں تبدیل کر دیتا ہے۔

مہمان نے صبر کیا اور اُس کے سوال کا جواب مل گیا۔ اُس نے دیکھا کہ نابینا شیخ دیکھ کر قرآن پڑھ رہے ہیں اور ہر سطر کے نیچے دُرست انگلی رکھ رہے تھے۔ اُنہوں نے مہمان کو بتایا کہ مجھے قرآن کی تلاوت سے جان کے برابر محبت ہے۔ حدیثِ قُدسی ہے اللہ نے فرمایا: ”میں وہی کرتا ہوں جو میرا بندہ میرے بارے میں سوچتا ہے“۔ اگر اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہوگا تو خیر حاصل ہوگی اور بُرا گمان ہوگا تو شر حاصل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں کے مطابق عوض ضرور عطا فرما دیتا ہے، چاہے وہ تمہاری منشا کے مطابق نہ ہو۔ آنکھ کا مقصد دیکھنا ہوتا ہے جب وہ بغیر آنکھ کے حاصل ہو جائے تو ہمیں آنکھوں کا کیا شکوہ ہو سکتا ہے۔

بعض اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا بیان جو خُدائی احکام پر راضی ہیں اور اللہ سے اپنا حکم لوٹانے کی درخواست بھی نہیں کرتے

اب تک یہ سمجھایا تھا کہ بعض اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تو ایسے ہیں کہ اگر مقصود حاصل ہو جائے تو سبب کے موجود نہ ہونے پر شکوہ نہیں کرتے لیکن کچھ بزرگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ کسی حالت میں بھی شکوہ پسند نہیں کرتے اور اللہ کی قضا کیخلاف دُعا کو بھی حرام سمجھتے ہیں۔ ایسی حالت مغلوب الحال اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ہوتی ہے ورنہ انبیاء علیہم السلام دُعائیں نہ کرتے۔ اصل کمال یہ ہے کہ ہر حال میں راضی برضا ہوتے ہوئے دُعا بھی کی جائے۔ جب کوئی ولی مصائب کو مرضیٔ خدا سمجھ کر اُس سے لذت حاصل کرتا ہے تو وہ تکلیف اُس کے لئے باعثِ راحت بن جاتی ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ ایک بلند پایہ بزرگ تھے۔ اُنہوں نے ایک درویش سے پوچھا کہ آپ کے احوال کیسے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا کہ جس کے ارادے کے مطابق دُنیا کے کام چل رہے ہوں اور کوئی چیز اُس کی منشا کیخلاف نہ ہو رہی ہو تو ایسے شخص کے مزاج دریافت کرنے کا کیا مطلب ہے۔ حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: ذرا تفصیل سے بتائیں کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بات ایسے سمجھائیں کہ ہر ایک کی عقل میں آ جائے۔ اچھے بیان کرنے والے کا یہ کمال ہوتا ہے کہ اُس کی تقریر سے عوام و خواص فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ قرآن کے معانی اور مطالب سے ہر شخص اپنی فہم کے مطابق فائدہ اُٹھاتا ہے۔

دراصل قرآن کے تہ بہ تہ سات معنی ہیں۔ ان سب تہوں میں عوام و خواص کے لئے اپنی سمجھ کے مطابق غذا موجود

عقل در شرحش چو خر در گل بخفت
عقل اُس کی شرح میں مٹی میں پھنسے گدھے کی طرح سو گئی

شرحِ عشق و عاشقی ہم عشق گفت
عشق اور عاشقی کی شرح بھی عشق نے ہی کی ہے

ہے۔ درویش نے حضرت بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ یہ تو سب جانتے ہیں کہ دُنیا کے ذرّے ذرّے پر اللہ کی حکمرانی ہے اور کائنات کا ہر حرکت و سکون اُس کے حکم سے ہے۔ جب بندہ راضی بہ رضائے الٰہی ہو جائے تو اللہ کا ہر حکم اور فعل اُس کی مراد بن جاتا ہے اور یوں سمجھا جائے گا کہ کائنات میں جو کچھ ہو رہا ہے گویا اُس بندے کی مرضی کے مطابق ہو رہا ہے۔ جب اللہ کے تمام فیصلوں اور احکام پر بندہ راضی ہو گیا تو اللہ کے احکام اُس کا مطلوب بن گئے ہیں۔ ایسے بندے کا ایمان بھی محض مولا کی رضامندی کے لئے ہے نہ کہ جنت کے لالچ کی وجہ سے اور کفر سے نفرت بھی رضاءِ مولیٰ کی وجہ سے ہے نہ کہ دوزخ کے ڈر سے۔ اللہ کی ہر مرضی اُسے ایسے مرغوب ہے جیسے حلوہ۔ ایسی حالت میں تو یقیناً یہ کہا جائے گا کہ دُنیا کے سب کام اُس بندے کے حکم سے چل رہے ہیں۔ جب سب کام اُسی کی مرضی سے چل رہے ہیں تو دُعا بے معنیٰ ہے۔ ایسے لوگ دُعا بھی اُسی وقت کرتے ہیں جب انہیں معلوم ہو جائے کہ اللہ کی مرضی یہی ہے۔ وہ دُعا وغیرہ سے اُسی وقت دست بردار ہو گیا تھا جب اُس نے عشقِ الٰہی کا دم بھرا تھا۔ یہ باتیں ہر سالِک نہیں سمجھ سکتا۔ اس سلسلے میں حکایت سنو۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کی کرامات

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ سچے عاشق اور صاحبِ کرامت۔ لوگ اُن سے چاند اور سورج کی طرح روشنی حاصل کرتے تھے۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کہیں زیادہ دیر نہیں ٹھہرتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ کسی جگہ سے محبت ہو جائے۔ اِس لئے ہمیشہ سفر میں رہتے۔ سفر میں اُن کو ہمیشہ مُشقتیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن اُن کے مدِنظر ہمیشہ ذاتِ باری تعالیٰ رہتی اور باز کی طرح معارف و اسرارِ الٰہی کا شکار کرتے رہتے۔ وہ بدمزاج بھی نہیں تھے اور لوگوں سے متنفر بھی نہ تھے۔ محض اللہ کے ساتھ خلوت کو پسند کرتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے لوگو! میں تم پر باپ کی طرح مہربان ہوں“۔ اس لئے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ بھی لوگوں سے محبت اور شفقت کا معاملہ کرتے۔ جو شخص بھی نبی سے کٹ جاتا ہے وہ اپنا نقصان خود کرتا ہے۔ یہ مثال ناقص ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اُسد کہتے تھے کہ شیر کی مثل مگر اُن میں اور شیر میں بہت فرق ہے۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ علومِ ظاہری میں بھی امام تھے اور نہایت دیندار تھے۔ وہ اِن بزرگیوں کے ہوتے ہوئے بھی ہمیشہ بزرگوں کی جستجو میں رہتے اور اُن سے ملاقات کی تمنا کرتے۔ وہ ہمیشہ دُعا کرتے: الٰہی! جن بزرگوں کو میں جان لوں گا اُن کا خادم ہوں اور جو میری جان پہچان میں نہیں ہیں۔ ملاقات کے وقت اُن کو بھی مجھ پر مہربان کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میری محبت کے ہوتے ہوئے اور کیا چاہتا ہے؟ وہ کہتے: یا الٰہی! تُو نے میرے دل میں نیازمندی کا راستہ

بندہ دائم خلعتِ اِدرار جُوست
عام انسان تو ہمیشہ دُنیا کی شان و شوکت چاہتا ہے

خلعتِ عاشق ہمہ دیدارِ اُوست
لیکن عاشق کی خلعت تو صرف حق کا دیدار ہی ہے

کھول دیا ہے۔ گو میں سمندر میں بیٹھا ہوں لیکن گھڑیا کا لالچ بھی رکھتا ہوں۔ تیرے عشق میں لالچ اور حرص ایک اعلیٰ مرتبہ ہے۔ جو راہِ سلوک کے مرد ہوتے ہیں اُن کی اِس راہ میں حرص ترقی کرتی رہتی ہے۔ نامردوں کی حرص بُرے اَفعال کی طرف ہوتی ہے۔

اے لوگو! دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دوسرے بزرگوں سے ملاقات کی تمنا اسی طرح کی تھی جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لئے کی تھی۔ اللہ کی طرف سفر کی کوئی اِنتہا نہیں ہے۔ اِس میں ہر وقت بلند مقام کی طلب ہمیشہ جاری رہتی ہے۔ اپنی غلط فہمی سے اگر تم کسی مقام کو صدر سمجھ رہے ہو تو وہ صدر مقام نہیں بلکہ راستے کی ایک منزل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کلیم اللہ کا درجہ حاصل تھا جو اعلیٰ قرب کا مقام ہے مگر پھر بھی اُنہوں نے کہا: قرآن میں ہے "جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا' اپنے جوان ساتھی کو کہ میں نہ ہٹوں گا جب تک نہ پہنچ جاؤں جہاں ملتے ہیں دو دریا یا چلتا جاؤں قرنوں' یعنی جستجو کی مُشقت مطلوب کے مقابلے میں ہیچ ہے کیونکہ عاشق کی سَیر جسمانی بلکہ رُوح کے بل بوتے پر ہوتی ہے۔ اس سَیر میں قریب و بعید کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اُس میں نہ تھکن ہوتی ہے اور نہ دوریٔ منزل کا تصور آتا ہے۔ عاشقوں کی سَیر جسمانی' رُوحانی سَیر کے تابع ہوتی ہے۔ رُوحانی سَیر کو ہر شخص محسوس نہیں کر سکتا' جسمانی سَیر کو سب دیکھ لیتے ہیں۔ عاشق کے مدِ نظر یہ ہوتا ہے کہ وحدت کو جسمِ انسانی میں مُشاہدہ کروں اور آفتاب کو ذرّہ میں دیکھوں۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ چلتے چلتے میں شام کے وقت ایک ساحل پر پہنچا۔ میں نے دُور سے اچانک سات شمعیں دیکھیں۔ اُن شمعوں کا نور آسمان کی فضا تک پھیلا ہوا تھا۔ میں حیران ہو گیا کہ یہ شمعیں کس نے روشن کی ہیں کہ عام مخلوق اُن کا مُشاہدہ نہیں کر سکتی۔ یقیناً اُن کی بندش وہ کر رہا ہے جو جس کو چاہے ہدایت دے۔ پھر اُنہوں نے دیکھا کہ وہ ساتوں شمعیں ایک ہو گئیں۔ اُن ساتوں شمعوں کے باہمی اِتصال کی کیفیت نا قابلِ بیان ہے۔ یہ صرف دیدنی ہے بیان نہیں ہو سکتا۔ دراصل وہ نوری شمعیں سات اولیاء رحمہم اللہ کا نور تھا جو عوام کو نظر نہیں آ سکتا۔ وہ دوڑ کر آگے بڑھے کہ یہ اللہ کی نشانیوں میں سے کیا چیز ہے لیکن وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ وہ ہوش میں آئے تو اُن شمعوں کی طرف بھاگے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں حیران ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی کیا کاریگری ہے کہ یہ شمعیں انسانی صورت اِختیار کر رہی ہیں۔ پھر ہر فرد ایک درخت کی شکل اختیار کر گیا۔ اُن درختوں کے پتے اس قدر گھنے تھے کہ شاخیں نظر نہیں آتی تھیں اور کبھی پھل اس قدر ہو جاتے تھے کہ اُن میں پتے چُھپ جاتے۔ اُن کی جڑیں بھی تر و تازہ دکھائی دیتی تھیں۔ جب کوئی پھل زور میں آ کر پھٹتا تو اُس میں سے نور کے کوندے لپکتے تھے۔ ایک اور تعجب خیز بات یہ تھی کہ وہاں لاکھوں لوگ موجود تھے جنہیں سایہ کی سخت

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق کا بیان گفت و شنید میں نہیں آتا

عشق دریائیست قعرش ناپدید
وہ تو ایسا سمندر ہے جس کی گہرائی کا پتہ نہیں

ضرورت تھی۔ وہ کمبل وغیرہ پھیلا کر سایہ کرتے تھے لیکن اُن درختوں کا سایہ انہیں نظر نہیں آتا تھا۔ شاید اللہ نے اُن کی نگاہوں پر مُہریں لگا دی تھیں۔

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اُن لوگوں کو اُن اولیاءؒ سے ملنے کی تمنا بھی نہیں تھی اور وہ اپنی آنکھوں پر لگی مُہر دوں کو زائل کرنے کی تدبیر بھی نہیں کرتے۔ وہ لوگ علوم و اَسرارِ خداوندی کی طرف توجہ نہیں کرتے اور دنیاوی علوم کے حصول کے لئے دست و گریبان ہیں۔ اُن اولیاءؒ کے نور کا ہر حصہ اس بات کی تمنا کرتا تھا کہ کاش قوم اُس کو پہچان لے اور اُس کے ذریعے راہِ نجات پر چل پڑے۔ اُس نور کی پکار پر غیرتِ خداوندی کی طرف سے آواز آئی کہ اُن کو دعوت نہ دو۔ اُن کی آنکھوں پر مُہر لگا دی گئی ہے۔ اب اُن کے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والوں کے جواب میں منکرین یہی کہتے ہیں کہ اُس کے دماغ میں خشکی آ گئی ہے۔ اِس لئے ایسی باتیں کرتا ہے۔ دعوت دینے والے کو تعجب ہوتا ہے کہ باوجود اس قدر علامتوں کے یہ لوگ دعوت کو کیوں قبول نہیں کر رہے۔ دُنیا کے معاملات میں سب عقلمند ہیں لیکن رُوحانی باغ کے منکر بن رہے ہیں۔

داعی اِس بات سے بعض اوقات شک میں پڑ جاتا ہے کہ میں سب کچھ حقیقت میں دیکھ رہا ہوں' خواب تو نہیں ہے۔ میں اِس نور سے نفع بھی حاصل کر رہا ہوں اور طلب اور ضرورت کے باوجود بھی منکرین اس رُوحانی انعام سے انکار کر رہے ہیں۔ منکر کہتے ہیں یہاں نہ باغ ہیں اور نہ پھل۔ یہ شخص کیوں اُنہیں دعوت دے رہا ہے اور داعی کہتے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے واقعات وہم کیسے ہو سکتے ہیں اللہ ہی نے اُن کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے جس کی وجہ سے یہ اندھے بہرے ہیں۔ نہ کچھ سُنتے ہیں اور نہ دیکھتے ہیں۔ اِس قسم کے جھگڑے آنحضورﷺ کے ساتھ قریش نے بھی کئے۔ اسی طرح اُن کے انکار پر حضورﷺ کو بھی تعجب ہوتا تھا۔ دوسری طرف حضورﷺ کی دعوت پر ابولہب کو تعجب ہوتا تھا۔

دقوقیؒ نے فرمایا: اُن سات درختوں کا کبھی ایک بن جانا اور کبھی پھر سات بن جانا میرے لئے نہایت حیرت کا سبب تھا۔ پھر اور عجب بات یہ ہوئی کہ اُن سات درختوں نے صف بندی کی اور اُن میں سے ایک امام بن گیا۔ درختوں کی نماز پر مجھے تعجب ہوا۔ پھر مجھے قرآن کی آیت یاد آئی وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدٰنِ یعنی "زمین پر پھیلی ہوئی بیلیں اور درخت اللہ کو سجدہ کرتے ہیں"۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے دیکھا کہ وہ سات درخت پھر سات انسان بن گئے اور بیٹھ کر التحیات پڑھ رہے ہیں۔ میں آنکھیں مَل کر دیکھتا تھا کہ یہ کون عظیم لوگ ہیں۔ جب میں اُن کے قریب گیا اور اُنہیں سلام کیا تو اُنہوں نے جواب دیا اور میرا نام لیا۔ میں نے پوچھا: آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟ تو وہ بولے کہ اولیاءؒ کی

ہر کرا جامہ ز عشقے چاک شُد
جس کا جامہ عشق کی وجہ سے چاک ہُوا

اُو ز حرص و عیب کُلّی پاک شُد
وہ حرص اور عیب سے بالکل پاک ہُوا

حقیقتوں کی طرف توجہ ہوتی ہے اور وہ معرفتِ حق میں مستغرق ہوتے ہیں اس لئے وہ ہر بات سے واقف ہوتے ہیں۔

یاد رکھو! صحبت میں بڑی تاثیر ہوتی ہے۔ بیج مٹی اور پانی کی صحبت میں رہتا ہے تو انگور بن جاتا ہے دانہ اپنے آپ کو مٹی میں ملاتا ہے تو اُس کا ظاہر ختم ہو جاتا ہے اور باطن جلوہ گری کرتا ہے۔ اُن بزرگوں نے مجھے مُراقبہ کرنے کا حکم دیا۔ میں مُراقبہ کرتے ہی دورِ زمانہ سے باہر آ گیا۔ عالَم کے سارے تغیرات دورِ زمانہ کی وجہ سے ہیں۔ جو شخص دورِ زمانہ سے باہر ہو گا تو وہ کم وکیف سے بالاتر ہو جاتا ہے۔ جو انسان چوں وچرا سے آزاد ہو جائے تو وہ خدائے بیچوں کا ہمراز بن جاتا ہے۔ جو لوگ زمانے کے مقیّد ہیں وہ لازمانی ذاتِ باری کی طرف راہ یاب نہیں ہو سکتے۔ طلب وجستجو میں تو سالِک اور غیر سالِک ایک جیسے ہوتے ہیں اور بے زمانہ پن سے واقفیت صرف تحیّر کی راہ سے ہوتی ہے۔ یہ راستہ انسان کے اپنے بس میں نہیں ہے۔ اگر انسان اپنے نگہبانِ غیبی کو نہیں دیکھ سکتا ہے تو اُس کے وجود کو اِس ہی سے سمجھ لے کہ انسان ہر چند کوشش کرتا ہے اور اِس کوشش میں آزاد بھی ہوتا ہے لیکن مقصد تک نہیں پہنچ پاتا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کوئی نہ کوئی غیبی بندش ہوتی ہے۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے اے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ! امامت کے لئے آگے آ جاؤ۔ تم ایسے امام ہو جس کی باطنی چشم کھلی ہوئی ہے اور امامت کے لئے ایسا ہی شخص موزوں ہوتا ہے جو روشن ضمیر ہو۔

تیری نماز بے سُرور تیرا اِمام بے حضُور
ایسی نماز سے گزر ایسے اِمام سے گزر　(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

کسی اندھے کو امام نہیں بنایا جاتا کیونکہ وہ اپنی ظاہری گندگی کو نہیں دیکھ سکتا اور پاک نہیں ہو سکتا۔ امامت کے لئے اندھے حافظ اور فقیہ سے روشن آنکھوں والا کم علم بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ ظاہری گندگی کو دیکھ سکتا ہے۔ لیکن اگر انسان دل کا اندھا ہے تو وہ مجسّم شر ہے۔ ظاہری اندھے پر تو ظاہری نجاست ہوتی ہے جسے آسانی سے دُور کیا جا سکتا ہے لیکن باطن کے اندھے میں باطنی نجاست ہوتی ہے جسے دُور کرنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ باطنی نجاست صرف آنسوؤں سے دُھلتی ہے۔ خدا نے کافر کو نجس اُس کی باطنی نجاست ہی کی وجہ سے کہا ہے۔ ظاہری نجاست کی بدبو زیادہ دُور تک نہیں جاتی لیکن باطنی نجاست کی بدبو آسمانوں تک پھیلتی ہے۔ میں نے جو نکتے بتائے ہیں وہ تمہاری عقل کے مطابق ہیں۔ کوئی پورا سمجھدار ملے گا تو تفصیل سے بات کروں گا۔ انسان کے بدن اور فہم کی مثال گھڑے اور اُس کے پانی کی سمجھو۔ بدن کی ٹھلیا میں حواسِ خمسہ پانچ سوراخوں کی طرح ہیں۔ اگر ٹھلیا کے سوراخ بند نہ کیے جائیں تو ٹھلیا میں پانی یا برف نہیں رہے گی۔

اگر حواسِ خمسہ کی حفاظت نہ کی جائے تو فہم ضائع ہو جائے گی۔ اسی لئے اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اے

جسمِ خاک از عشق بر افلاک شُد　　کوہ دَر رقص آمد و چالاک شُد
خاکی جسم عشق کی وجہ سے آسمانوں پر پہنچا　　پہاڑ ناچنے لگا اور ہوشیار ہو گیا

نبی ﷺ! آپ ﷺ مومنوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں پست رکھیں"۔ بیہودہ گفتگو سے بھی فہم برباد ہو جاتی ہے۔ کان سے غلط باتیں سُنے گا تو فہم برباد ہوگی۔ اولیاء رحمہم اللہ کے حواسِ خمسہ کے ذریعہ بھی فہمِ حق کا گھٹاؤ ہوتا ہے لیکن وہ اس کا عوض اور بدل حاصل کر لیتے ہیں۔ وقت نہیں ہے ورنہ میں سمجھاتا کہ کہ اولیاء رحمہم اللہ کو یہ عوض اور بدل کہاں سے حاصل ہوتا ہے۔ بڑے دریاؤں کا پانی خرچ ہوتا رہتا ہے جیسے سمندروں سے بُخارات بن کر بادل بنتے ہیں۔ التحیات میں جو سلام پیش کیا جاتا ہے اُس میں سب نبیوں کی تعریف ہے جیسے کہ پیالوں کو طشت میں ڈال دیا جائے۔ درحقیقت مُمدوح تو ایک ہی ہے اور اسی اعتبار سے مذہب بھی ایک کے علاوہ نہیں ہیں۔ ہر تعریف چاہے کہیں ہو اللہ کے نور ہی کی طرف جاتی ہے اور صورتوں اور شخصوں کی تو عارضی ہوتی ہے۔ اگر کوئی اُن صورتوں کو یا اشخاص کو اصل سمجھ بیٹھے تو گمراہ ہے۔ مجازی معشوقوں کے عشق کا نتیجہ محض شہوت پر مبنی ہوتا ہے۔ خیالی معشوق سے اگر عشق بھی ہو تو وہ حقیقت تک پہنچنے کے لئے ہو۔

عشقِ مجازی، حقیقی عشق کا پُل ہوتا ہے۔ عشقِ مجازی کو حقیقت تک پہنچنے کا ذریعہ بنانا چاہیے۔ لوگ عشقِ مجازی میں شہوت کی طرف دھیان کر کے اپنے عشق کے پَر کو جو حقیقت تک پرواز کا سبب بن سکتا تھا برباد کر بیٹھتے ہیں۔ اس بات کی تفصیل کی حد نہیں ہے۔ جیسے ہی اُن بزرگوں نے تکبیرِ تحریمہ پڑھی، وہ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے۔ تکبیر تحریمہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ جیسے قربانی کے جانور پر تکبیر کہہ کر چھری چلا دی جاتی ہے اسی طرح نمازی دربارِ خداوندی میں اپنے نفس کی قربانی پیش کرتا ہے۔ اس لئے جب تم تکبیر پڑھو تو فوراً نفسِ امارہ پر چھری پھیر دو۔ تکبیر کے وقت رُوح کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بناؤ اور جسم کو حضرت اسماعیل علیہ السلام سمجھو۔ اللہ اکبر کہنے کے بعد جسم، شہوت اور حرص وغیرہ (مکروہات) کے اعتبار سے مردہ ہو جانا چاہیے اور قیامِ نماز کی حالت کو ایسا سمجھو جیسا کہ قیامت میں حضرتِ حق کے دربار میں صفیں باندھ کر کھڑے ہوں گے اور حساب و کتاب اور سوال و جواب ہوں گے۔

نماز میں گویا اللہ تعالیٰ تم سے سوال کر رہا ہو کہ تم کو جو زندگی کی مُہلت دی ہے اُس میں تُو نے میرا کیا کام کیا ہے؟ میں نے جو روزی اور طاقت دی تھی وہ کس کام میں صرف ہوئی؟ جو حواسِ خمسہ اور ہاتھ پاؤں دیئے، وہ تُو کس کام میں لایا؟ جب یہ حالت ہو تو رکوع میں جا کر انسان شرمندگی محسوس کرتا ہے اور پھر جھک کر تسبیح کرتا ہے۔ اللہ کا حکم ہوتا ہے کہ سَر اُٹھا اور جواب دو۔ تو پھر کھڑا ہو جاتا ہے اور بے بس ہو کر سجدے میں گر جاتا ہے۔ پھر سر اُٹھانے کا حکم ہوتا ہے۔ وہ سر اُٹھاتا ہے لیکن شرمندگی سے پھر سجدے میں گر جاتا ہے۔ قعدہ میں جب پھر اللہ اپنی نعمتوں کا سوال کرتا ہے اور پھر

عاشق از حق چوں غذا یابد رحیق عاشق جب اللہ کی جانب سے شراب کی غذا پالیتا ہے	عقل آنجا گم شود گم اے رفیق لے دوست! عقل اُس جگہ بالکل بیکار ہو جاتی ہے

(انسان) دیکھتا ہے کہ اُس کے پاس تو کوئی سرمایہ نہیں ہے تو گھبرا کر سفارشی کی تلاش کرتا ہے۔ دائیں جانب جب سلام کرتا ہے تو گویا انبیاء علیہم السلام اور کراماً کاتبین سے سفارش کی گزارش کرتا ہے۔ وہ گویا کہتے ہیں کہ اب وقت نکل گیا ہے تو بائیں طرف سلام کر کے رشتہ داروں اور دوستوں سے مدد کا طلبگار ہوتا ہے۔ رشتہ دار بھی مایوس کر دیتے ہیں۔ جب ہر طرف سے مایوس ہو جاتا ہے تو پھر دربارِ حق میں دل شکستہ ہو کر دستِ دُعا دراز کرتا ہے کہ الٰہی! تیرے سوا میں کس سے اُمید کر سکتا ہوں۔ تب اُمید ہوتی ہے کہ اللہ اُس پر رحم کر دے اور اُس کی گلوخلاصی ہو جائے۔ اگر جماعت میں تُو امام کی حرکات و سکنات پر سرِ تسلیم خم کرتا ہے تو گویا اللہ کی ہر ہدایت پر عمل کر رہا ہے اور اپنی خطاؤں کی سزا پر اپنی رضا کا اظہار کر رہا ہے۔

حالتِ نماز میں دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کا کشتی والوں کے ڈوبنے کی فریاد سُننا

نماز کے بارے میں ہم نے جو اشارے سمجھائے ہیں اُن سے نتیجہ نکال لے اور نماز میں محض ٹھونگے نہ مار۔ اس نماز میں مقتدی بھی بہترین تھے اور امام بھی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ایک کشتی دریا میں ڈوب رہی ہے اور مسافر فریاد کر رہے ہیں۔ مصیبت میں پھنستے ہیں تو سب لوگ مخلص بن جاتے ہیں اور خدا سے دُعائیں مانگنے لگتے ہیں۔ جن لوگوں نے تمام عمر سجدہ نہ کیا ہو وہ بھی سجدے میں سر رکھ دیتے ہیں۔ جب دُنیا کے تمام وسیلے بے کار ثابت ہوتے ہیں تو پھر انسان خدا کی طرف رُجوع کرتے ہیں۔ شیطان کے پرستار جب پریشانی میں خدا کی یاد کرتے ہیں تو شیطان گھبراتا ہے اور اُن کو پکار کر کہتا ہے کہ خبردار! خدا کی طرف رُجوع نہ کرو ورنہ دو خرابیوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ وہ ہیں توبہ کے بعد بدعہدی اور پھر گناہ۔ کیونکہ اِس مصیبت سے نجات پانے کے بعد تم نہ کبھی روؤ گے اور نہ یاد کرو گے کہ خدا نے تمہاری دستگیری کی تھی۔ شیطان کی یہ آواز صرف نیک لوگ ہی سمجھ رہے ہوتے ہیں کہ یہ شیطانی آواز محض نیکی سے روکنے کے لئے ہے۔ اسی لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاہل کو جو کچھ انجام کار میں کرنا پڑتا ہے وہ عقل مند انسان ابتداءِ کار ہی میں کر گزرتا ہے۔ وہی گریہ وزاری جو کشتی والے اب کر رہے تھے وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم پہلے ہی کر لیتے ہیں۔

آنچہ دانا کند کند ناداں
لیک بعد از خرابیِ بسیار

"جو کچھ دانا پہلے ہی کر لیتا ہے۔ بے وقوف بھی کرتا ہے مگر بہت زیادہ تکلیف اُٹھانے کے بعد"۔

عقلِ جُزوی عشق را مُنکر بوَد
تھوڑی سی عقل عشق کی مُنکر ہوتی ہے

گرچہ بنماید کہ صاحبِ سِرّ بوَد
اگرچہ بظاہر نظر آتا ہے کہ رازداں ہو گی

اِس لئے بہتر ہے کہ انسان پہلے ہی مصائب میں پھنسنے سے ڈرتا رہے اور توبہ و استغفار کرتا رہے۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ انسان کبھی مطمئن نہ ہو اور ہر وقت کسی نہ کسی بلا سے بچنے کی تدبیر کرتا رہے اور اللہ سے اپنی حفاظت کی دُعائیں کرتا رہے۔ لوگ فقر اور غریبی سے ڈرتے ہیں۔ اگر فقر اور غریبی پیدا کرنے والے خدا سے ڈریں تو اُن پر زمین کے خزانے منکشف ہو جائیں۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ نے کشتی والوں کو آہ و فغاں کرتے دیکھا تو اُن کے رحم کو جوش آ گیا اور اُن کے آنسو اُبل پڑے۔ اُنہوں نے کہا: الٰہی! اِن کے اعمال کو نہ دیکھ، اِن کو سلامتی سے ساحل پر پہنچا دے۔ ہم نے حرص و ہوس میں اپنے آپ کو جلا ڈالا ہے لیکن یہ دُعا کرنی بھی تو تُو نے ہی ہمیں سکھائی ہے۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی اِس وقت وہی حالت تھی جس طرح ماں بے چین ہو کر اپنے بچوں کے لئے دُعا کرتی ہے۔

جب انسان بے خود ہو کر دُعا کرتا ہے تو چونکہ وہ خود فنا فی اللہ ہوتا ہے اِس لئے یہ دُعا بھی اُس کی طرف سے نہ ہوگی۔ فانی فی اللہ کی دُعا بھی اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور قبولیت بھی اُسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ خاصانِ خدا چونکہ خدائی اخلاق سے متّصف ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اپنی صفتِ رحم کی وجہ سے دستگیر بن جاتے ہیں۔ اِس لئے تُو اپنا تعلق اہلِ حال اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے کسی مصیبت میں مبتلا ہونے سے پہلے قائم کر لے۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دُعاؤں کی وجہ سے کشتی مصیبت سے نکل آئی اور کشتی والے سمجھے کہ اُن کی کوشش کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔

اِس کی مثال ایسی ہی ہے کہ لومڑی شکاری کی گرفت سے اپنے پاؤں کے ذریعے بچی لیکن وہ اپنی بے وقوفی سے سمجھتی ہے کہ دُم کی وجہ سے بچی ہے۔ اے لوگو! ہماری نجات کا اصل ذریعہ بزرگانِ دین ہیں، ہم اِسے اپنی تدبیر سمجھتے ہیں۔ ایسی تقریریں اور باتیں کرتے ہیں کہ لوگ مرعوب ہو جائیں اور اُن مکاریوں کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر حکومت کرنا چاہتے ہیں۔ جو خود گڑھے میں گرا ہوا ہے وہ دوسروں کو اپنا معتقد بنا کر کیوں گڑھے میں گراتا ہے۔ ہاں اگر تُجھے کوئی اعلیٰ مقام حاصل ہے تو بے شک دوسروں کو مُعتقِد بنا کر اِس مقام پر کھینچ لا۔

یاد رکھ! جو کچھ تُو اپنی تدبیروں سے حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی دُعاؤں سے بدرجۂ اولیٰ حاصل ہو جائے گا۔ اللہ فرماتا ہے: ”ہماری نظر دل پر ہوتی ہے لیکن تیرا دل وہ نہیں ہے جو منظورِ نظر ہو سکے“۔ اگر دل میں سفلی جذبات ہیں تو اُس میں اور صورت میں کوئی فرق نہیں اور صورت تو منظورِ خدا نہیں ہوتی۔ پیغمبروں علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا دل آسمانوں سے بھی بالاتر ہوتا ہے۔ تُو اپنے دل کو منظورِ خدا نہ سمجھ اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم سے جُڑ جا۔ اُن کے دل عالَمِ ناسُوت کی آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم عوام کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ سکتے ہیں لیکن عوام کی انانیت اُس راہ کی

عشق را صد ناز و اِستکبار ہست
عشق کے سینکڑوں ناز ہیں، وہ بہت مغرور ہے

عشق با صد ناز می آید بدست
وہ بہت مشکلوں سے ہاتھ آتا ہے

رکاوٹ ہے۔ اِس دُنیا کی ہر چیز دل کے مُصفّٰی ہونے میں رکاوٹ ہے۔ دُنیا کی ہر چیز انسان کو شباب کی طرح مدہوش بناتی ہے اور اپنی محبوب چیز حاصل نہ ہونے سے ویسی ہی اینٹھن ہوتی ہے جو شراب کے نہ ملنے سے ہوتی ہے۔ اِس لئے مناسب یہی ہے کہ دُنیا کی چیزوں کو بقدرِ ضرورت ہی استعمال کیا جائے۔ تیرا دل تو دنیاوی لذّتوں کا عاشق ہے۔ یہ دل کہلانے کے لائق نہیں ہے۔ اِس کو دودھ اور شہد سے لذّت ملتی ہے۔ مگر یاد رکھو! ہر لذیذ چیز کی لذّت دل کے تابع ہے۔

اگر دل میں لذّت ہے تو اُس چیز میں بھی ہوگی ورنہ نہیں۔ تو جو دل کسی دنیاوی چیز سے لذّت حاصل کرے وہ دل اصل نہیں ہو سکتا۔ حقیقی دل انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کا دل ہوتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اُس دل کو سلامتی عطا کر دی جاتی ہے اور وہ اپنے اختیار سے دُنیا والوں کو سلامتی تقسیم کرتا ہے۔ جو صحیح طریقے سے اپنا دامن پھیلائے گا یعنی اولیاء رحمہم اللہ کی جانب نیاز مندی سے رُجوع کرے گا اُسے یہ نعمت ملے گی۔ اِس دُنیا میں جو تم سونا چاندی اپنے دامن میں بھرتے ہو یہ بھی پتھر ہی ہیں، جیسے بچے کھیلتے ہوئے مٹی کی ٹھیکریاں دامن میں بھر لیتے ہیں اور اپنی کم عقلی سے اُسے دولت تصور کرتے ہیں۔ ہر سفید بالوں والا پیر نہیں ہوتا۔ اِس کے لئے عقلِ کُل میں سے حصہ درکار ہے۔

دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کی دُعا کے متعلق بزرگوں کا ردِّ عمل اور اُن کا غائب ہو جانا

کشتی ساحل پر آ گئی تو بزرگوں میں کھسر پھسر شروع ہوئی کہ ایسا کام کس نے کیا ہے کہ جس کا اُسے اِختیار نہیں تھا۔ سب نے کہا: ہم نے نہ زبان سے دُعا کی ہے نہ دل سے کیونکہ اللہ کے فعل کے خلاف دُعا کرنا گویا اللہ پر اِعتراض کرنا ہے۔ ہمارے اِس امام نے درد کی وجہ سے یہ دُعا کی ہوگی۔ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھتے دیکھتے وہ لوگ غائب ہو گئے اور دقوقی رحمۃ اللہ علیہ اُن بزرگوں کے پھر دیدار کی حسرت میں سالوں روتے رہے۔ اب تم اُن کے رونے پر یہ اِعتراض کر سکتے ہو کہ دقوقی رحمۃ اللہ علیہ خود بزرگ تھے تو اُن انسانوں کی یاد میں کیوں روتے تھے؟ اے بھائی! ایسا تُو نے اس لئے سمجھا کہ تُو اُن کو بشر سمجھتا ہے حالانکہ جب وہ فنا فی اللہ تھے تو خواصِ بشری سے مُعرّیٰ اور محض رُوح تھے؟ ہر انسان کو محض بشر سمجھنا اور اُس کے باطنی فضائل پر نظر نہ کرنا یہ شیطانی نظر ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے ظاہری جسم کو دیکھا اور اُن کے باطنی اَوصاف پر نظر نہ کی۔ اے دقوقی رحمۃ اللہ علیہ! تم لوگوں کی باتوں کی پروا مت کرو۔ ان بزرگوں کے فراق میں خوب آنسو بہاؤ۔ اللہ پاک نے فرمایا ہے: اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ "مجھ سے مانگو میں قبول کروں گا"۔ اور جو تمام نفسانی بیماریوں سے خالی ہوتا ہے اُس کی دُعا ضرور قبول ہوتی ہے۔

عشق چوں وافی ست وافی میخرد　　در حریفِ بے وفا می ننگرد

عشق چونکہ وفادار ہے، وفادار کا ہی خریدار ہے　　بے وفا دوست کی طرف دھیان نہیں کرتا

بغیر مشقت حلال روزی طلب کرنے والے کا مزید قصہ

وہ شخص ہر روز بغیر کسی تکلیف اٹھائے حلال روزی مانگا کرتا تھا۔ اُس کے گھر میں گائے گھس آئی۔ اُس نے اس کو پکڑ کر ذبح کر لیا۔ پیچھے ہی گائے کا مالک بھی آ گیا اور کہا کہ بتا تُو نے میری گائے کیوں ماری؟ اُس نے کہا: میں ساری عمر اللہ سے بغیر مُشقت حلال رزق مانگتا رہا ہوں۔ میرے گھر میں گائے آ گئی۔ یہ میری روزی ہے جو اللہ نے بھیجی۔ گائے کے مالک کو غصہ آ گیا۔ اُس نے فقیر کو دو تین ہاتھ جڑ دیئے کہ کیا صرف دُعا کرنے سے کسی دوسرے کا مال حلال ہو جاتا ہے۔ وہ اُسے حضرت داؤد علیہ السلام کی عدالت میں گھسیٹ لایا۔ وہ کہہ رہا تھا: اے لوگو! اگر دُعا سے کوئی دوسروں کے مال کا مالک بنا کرتا تو دُنیا دُعا کر کے دوسروں کے مالوں پر قابض ہو جایا کرتی۔ ایک انسان دوسرے انسان کی چیز کا مالک محض دُعا کر کے کیسے بن سکتا ہے۔ یہ تو سراسر غصب ہے۔ لیکن فقیر نے لوگوں کی باتوں سے عاجز آ کر آسمان کی طرف منہ کر کے مناجات شروع کر دی کہ میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ میری دُعا ضرور قبول ہو گی جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج اور ستارے انہیں سجدہ کر رہے ہیں۔

اُن کو اس خواب پر کامل یقین تھا اس لئے وہ نا اُمید نہیں ہوئے اور اللہ کی قدرت سے کئی مرحلے طے کر کے کامیاب ہوئے۔ اُن کے دل میں وحی اس طرح ثابت ہوئی جس طرح ہر مومن کے دل میں عہدِ الست کی آواز گونجتی ہے۔ اس کی وجہ سے اُس کے تمام دنیاوی مصائب آسان ہو جاتے ہیں۔ جس میں عہدِ الست کا ذوق نہیں ہو گا وہ ہمیشہ اپنے آپ کو مصیبت میں ہی سمجھے گا اور جس شخص نے عہدِ الست کے معاملہ میں کوئی خواب دیکھا ہو گا اُس میں بندگی کا ذوق پختہ ہو جائے گا۔ جس نے کوئی خواب نہیں دیکھا ہو گا وہ اگر کچھ ارادات مندی رکھتا بھی ہو گا تو تذبذب کے ساتھ۔ وہ اللہ کے شکر کے ساتھ ساتھ شکوے بھی کرے گا۔ اللہ جب اپنے فضل سے کسی کا انشراحِ صدر کر دیتا ہے جیسا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا' تو وہ سب راز سمجھ جاتا ہے۔ گائے والے نے کہا: سچ بات کہہ! آسمان کی طرف منہ کر کے مکاری کیوں کرتا ہے۔ اللہ کے عشق اور قرب کی ڈینگیں کیوں مارتا ہے۔ اِدھر فقیر سجدے میں گرا ہوا اللہ سے التجا کر رہا تھا کہ لوگ میرے خلوص کو شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ مجھے رُسوا نہ کر۔ جب' اے اللہ! تُو نے خود گائے کو میرے گھر میں بھیج دیا تو میرا اُسے ذبح کرنا غلطی کیسے ہوئی۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اے شخص! تیرے گائے کے اس قبضے کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ جو بوتا ہے وہی کاٹتا ہے کیونکہ مالک ہوتا ہے۔ دوسرے کی ملکیت میں تصرّف کرنا تو ظلم ہے۔ تُو غلط باتیں نہ کر۔ تُو مالک کو گائے کی قیمت ادا

بے غرض نبود بگردش دُر جہاں
دُنیا میں کوئی گردش بے غرض نہیں ہوتی ہے

غیرِ جسم و غیرِ جانِ عاشقاں
سوائے عاشقوں کے جسم اور جان کے

کر۔ گائے ذبح کرنے والے نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہو کر بھی لوگوں جیسی باتیں کرتے ہیں۔ اُس نے دُعا کی: اے اللہ! حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں وہی بات پیدا کر دے جو تُو نے میرے دل میں پیدا کی تھی جس سے میں گائے ذبح کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ وہ اتنا رویا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا دل بے چین ہو گیا۔ اُنہوں نے مدّعی سے کہا: آج جاؤ! میں کل فیصلہ کروں گا۔ میں اللہ سے دُعا کروں گا کہ راز کھول دے۔

مجھے نماز میں اللہ کی طرف وہی توجہ ہوتی ہے جس کے بارے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قُرَّةُ عَينِي فِي الصَّلٰوةِ ''میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے''۔ رُوح کا دریچہ اللہ کی طرف کھل جاتا ہے تو اصل حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ انسان کے لئے اصل کام یہ ہے کہ مجاہدات کے ذریعے رُوح میں دریچہ کھولا جائے۔ تُو اس لئے مجاہدات نہیں کرتا کہ تُو نہیں سمجھتا کہ اصل نور ذاتِ باری کا نور ہے۔ سورج کا نور تو محض اُس نور کا ایک عکس ہے۔ اس ظاہری نور کو تو حیوان بھی دیکھتے ہیں۔ اگر انسان میں اور حیوان میں کوئی فرق نہیں ہے تو قرآن پاک میں یہ آیت کیوں ہے
وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی''۔

میں ذاتِ باری تعالیٰ میں فنا ہوں اور اپنے اور ذاتِ باری میں کوئی امتیاز اور دوئی نہیں پاتا۔ باوجود اس اتحاد کے پھر نوافل اور خلوت میں جانا دوسروں کو تعلیم دینے کے لئے ہے۔ وحدت کا راز فاش کرنے کی اجازت نہیں ہے ورنہ حضرت داؤد علیہ السلام سارے راز ظاہر کر دیتے۔ غیب نے اُن کو اَسرار بیان کرنے سے روکا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خلوت میں چلے گئے اور اللہ سے اصل حالات معلوم کرنے کے لئے متوجہ ہو گئے اور اللہ نے اُنہیں اصل راز سے واقف کر دیا۔ اِدھر وہ دونوں شخص اپنے اپنے حق میں شور مچا رہے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ اے جوان! تُو ذبح کرنے والے کو گائے معاف کر دے۔ اللہ نے تیری پردہ پوشی کی ہے تُو اس معاملے کو مت کرید اور رُسوا نہ ہو۔ اُس نے کہا: آپ اللہ کے نبی ہیں۔ یہ کیسی شریعت بیان کر رہے ہیں؟ یہ گھر میں بیٹھے بٹھائے میری گائے کا مالک کیسے بن سکتا ہے؟ اس طرح اُس نے اپنا پردہ خود ہی فاش کروا دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اُسے فرمایا: تُو میرا فیصلہ مان لے تو رُسوائی سے بچ جائے گا۔ نبی کا فیصلہ نہ ماننے سے پورا معاملہ کھل جائے گا۔ تُو آرام سے رہ رہا تھا اور مال و دولت سے مزے اُڑا رہا تھا۔ تُو نے اُس کی قدر نہ کی۔ وہ فیصلہ سے راضی نہ ہوا اور واویلا کرنے لگا۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا کہ اب صرف گائے کی معافی اور مال بخشنا کافی نہیں ہے بلکہ تیری اولاد اور بیوی بھی اس کے غلام ہیں۔ لوگ وہاں جمع تھے اور حضرت داؤد علیہ السلام کے فیصلے کو ظلم قرار دے رہے تھے چونکہ انسان کا نفس خود ظالم

عاشقانِ کُل نہ ایں عُشاقِ جزو　　ماند از کُل آنکہ شُد مُشتاقِ جزو

کُل کے عاشق، نہ کہ یہ جُزو کے عاشق　　جو جُزو کا عاشق ہوا وہ کُل سے (دُور) رہ گیا

ہے۔ اِس لئے وہ ظالم ہی کی حمایت کرتا ہے۔ ہاں اگر انسان اپنے نفس کا سر قلم کر دے تو وہ ظالم اور مظلوم میں امتیاز کر سکتا ہے۔ نفس کتا ہے اور ہمیشہ غریب اور کمزور پر حملہ کرتا ہے۔ شرم و حیا شیروں میں ہوتی ہے جو کبھی ہمسائے کا حق نہیں چھینتے۔ لوگوں کی ناراضگی کو دیکھا تو حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: دوستو! تم سب میرے ساتھ آؤ، جنگل میں چلیں تاکہ میں اصل راز ظاہر کر دوں۔ سب لوگ اُن کے ساتھ جنگل میں ایک بہت بڑے درخت کے پاس پہنچے۔ اُنہوں نے فرمایا: اس درخت کی جڑ میں گائے کا دعویٰ کرنے والے نے اس فقیر کے دادا کو قتل کر دیا تھا۔ یہ اُس کا غلام تھا اور یہ فقیر اُس وقت بچہ تھا۔ اِسے کچھ معلوم نہیں ہے۔ اُس نے اپنے آقا کے بچوں کو کوئی حق نہیں دیا اور اُن کے دادا کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ اُس کا ظلم پردہ میں رہتا اگر یہ اس کو گائے معاف کر دیتا۔

کافر اور فاسق خود اپنی پردہ دری کراتے ہیں۔ جن ہاتھوں اور پاؤں سے یہ اس دُنیا میں ظلم کرتے ہیں یہی وہاں اُن کے خلاف گواہی دیں گے۔ جو ذات خود دُنیا میں تمہارے اعضاء کو تم پر مُسلّط کر کے اِقرار کرا دیتی ہے، وہ حشر میں دوسرے مُوکّل پیدا فرما دے گی جو تم سے خود تمہارے جرائم کا اِقرار کرائیں گے۔ ایسا ضروری نہیں کہ ہمارا ظلم مشہور ہو۔ تیرا نفس خود اپنے آتشیں مزاج کی وجہ سے تجھے جہنم میں لے جائے گا۔ گائے کا دعویٰ کرنے والے نے گائے حاصل کرنے کے لئے کیسے واویلا کیا حالانکہ اُس نے اُسی گائے ذبح کرنے والے کا وہ سب مال مارا تھا جو اُس کو اپنے دادا کے ورثے میں ملتا۔ اُس نے جو ظلم کئے تھے اگر وہ زاری کرتا تو ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ اُس کے آقا سے معاف کرا دیتا۔ اللہ تعالیٰ صاحبِ حق کو راضی کر کے حقوق العباد بھی معاف کرا سکتا ہے۔ اگر قتل خطا ہوتا ہے تو اِس کا بدلہ اور دِیت قاتل کے رشتہ داروں سے دلوایا جاتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: اِس کی مشکیں کس دو تاکہ اِس کا ظلم ظاہر کر دیا جائے۔ اے خبیث! تُو نے اس کے دادا کو قتل کیا، اِس کا مال اُڑا لیا۔ تیری بیوی اِس کی لونڈی تھی۔ اِس لئے جو اُس سے پیدا ہوا وہ بھی اِس کا غلام ہے۔ تیری تمام کمائی اور مِلک اِس (فقیر) کی ہے۔ تُو نے شرعی فیصلہ چاہا تھا سو سُن لے۔ تُو خود بھی گائے ذبح کرنے والے کا غلام ہے۔ تیرا آقا تجھ سے پناہ چاہ رہا تھا لیکن تو نے اُسے قتل کر دیا۔ اِس جگہ کو کھود، اُس میں سے اُس کا سر اور چھری برآمد ہوگی۔ جب کھودا گیا تو چھری اور سر برآمد ہو گئے۔

یہ دیکھا تو لوگ حضرت داؤد علیہ السلام سے معذرت چاہنے لگے کیونکہ جو نبی سے بدگمان ہوں وہ تباہ ہو جاتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے گائے ذبح کرنے والے کو قصاص لینے کا حکم فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ وہ ہر انسان کے دل میں مقتول کے بارے میں جستجو پیدا فرما دیتا ہے۔ اس طرح قاتل جلد یا بدیر گرفت میں آ جاتا ہے۔ لوگ

لُطفِ عقلِ خوش نہادِ خوش نسب
پاک طبیعت، پاک نسب، عقل کی لطافت

چُوں ہمہ تن را در آرد در ادب
جس طرح تمام بدن کو مہذب کر دیتی ہے

حضرت داؤد علیہ السلام کے اس معجزے کو دیکھ کر اُن کے سامنے سر بسجود ہو گئے کہ ہم کور باطن تھے آپ علیہ السلام کے فرمان کو نہ سمجھ سکے حالانکہ ہم نے دیکھا تھا کہ طالوت اور جالوت کی لڑائی میں پتھروں نے آپ سے کہا تھا کہ ہمیں لے کر چلیں۔ طالوت کی موت کا سبب ہم بنیں گے۔ آپ زبور پڑھتے ہیں تو پہاڑ بھی آپ کے ہم آواز ہوتے ہیں۔

نفس عقل حضرتِ حق تعالیٰ یا شیخ یعنی حق کے نائب کی حقیقت

اے عقل مند! گائے کو ذبح کرنے والے کی مثال عقل ہے اور گائے کا بدلہ لینے والے کو نفس سمجھ۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مثال اللہ تعالیٰ ہے یا وہ شیخِ کامل جو دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہوتا ہے۔ جس طرح گائے کے مُدّعی کے قتل سے عالم زندہ ہوا تُو اپنے نفس کو قتل کر تو عالم زندہ ہو جائے گا۔ اس نفس نے تیری عقل کو فنا کر رکھا ہے اور خود آقا بن بیٹھا ہے۔ اِس کو عقل کا غلام بنا۔ نفس دراصل عقل کا غلام تھا لیکن چالاکی سے آقا بن گیا ہے۔ غذائے رُوح اُس وقت حاصل ہوگی جب تُو اپنی تن کشی کرے گا جو کہ گائے کی طرح ہے اور بدن نفس کے لئے ایسا ہی ہے جیسا کہ گائے مُدّعی کے لئے تھی۔ جس طرح نوجوان گائے کے مُدّعی کے آقا کا پوتا تھا اسی طرح نفس کے اعتبار سے عقل کو سمجھو۔ نفس، عقل کا قاتل ہے۔ بلا مشقت روزی رُوحوں کی روزی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعے ملتی ہے لیکن گائے کی قربانی پر موقوف ہے جو تیرا بدن ہے۔

میں نے مئے عشق پی ہوئی ہے اور مدہوش ہو گیا ہوں ورنہ غذائے رُوح حاصل کرنے کی پوری بات بتاتا۔ اس سُرور کا سبب میں نے اپنے فعل کو بتایا ہے یہ محض کہنے کی بات ہے ورنہ ہر چیز خزانہ غیب سے آتی ہے اور اس کا سبب ذاتِ خداوندی ہے۔ اگرچہ ہر چیز کا حقیقی سبب ذاتِ خداوندی ہے لیکن اَسبابِ ظاہری اختیار کرنا میں نے انبیاء علیہم السلام سے سیکھا ہے۔ اِس لئے میں نے بھی ظاہری سبب کی طرف دھیان کر لیا۔ انبیاء علیہم السلام نے معجزات دکھا کر ثابت کر دیا ہے کہ اَسبابِ ظاہری کے علاوہ بھی اور اَسباب ہیں۔ بغیر کسی سبب کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے دریائے نیل پھٹ گیا۔ اُن کے لئے مَن وسلویٰ اُترا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت بغیر ظاہری اَسباب کے حاصل ہوئی اور ابولہب باوجود تمول کے تباہ ہوا۔ ابابیلوں کی کنکریوں نے ہاتھیوں کے بدن چھلنی کر دیئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کر کے گوشت مقتول کے جسم پر مارا تو اُس نے قاتل کا پتہ بتا دیا۔ انسان کی نظر ہمیشہ اَسباب پر ہوتی ہے لیکن اَسباب میں تاثیر بھی مُسبّبُ الاسباب کی وجہ سے ہے۔ مُسبّبُ الاسباب کا مؤثر ہونا دنیاوی عقل سے سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کے لئے مجاہدوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیاوی عقل محض چھلکے کی طرح ہے لیکن نورِ حق دلوں پر طلوع ہوتا ہے۔

عشق شنگِ بے قرار و بے سکوں	چوں در آرد کُل تن را در جنوں
عشق، شوخ، بے چین، بے قرار ہو کر	کس طرح سارے بدن کو جنون میں مبتلا کر دیتا ہے

اگر رُوح پر پَرتوِ خداوندی نہیں ہے تو وہ رُوح مردہ ہے۔ اِسی لئے قرآن نے کافروں کو مردہ قرار دیا۔ میری مثنوی کی باتیں اگر اب تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی ہیں تو آئندہ نسلوں میں ایسے لوگ ہوں گے جو یہ اَسرار بیان کر سکیں گے۔ اُن کے اقوال کی تصدیق میری مثنوی سے ہوگی۔ جس طرح اُس نوجوان نے خدا سے بغیر محنت روزی طلب کی تھی تم بھی کرو۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہیں بغیر کسی واسطے کے فیضِ خداوندی حاصل ہونے لگے گا۔ روٹی میں جو چُھپا ہوا نفع ہے وہ محض اللہ کی عطا ہے۔ وہ نفع' اللہ تعالیٰ روٹی کے واسطے کے بغیر بھی عطا فرما دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ طاقت جو ہمیں روٹی کھا کر حاصل ہوتی ہے اپنے اولیاء رحمہم اللہ کو بغیر روٹی کے بھی عنایت فرما دیتا ہے۔ رُوحانی رزق ہمیشہ شیخ کے ذریعے حاصل ہوگا جیسا کہ اُس نوجوان کو حضرت داؤد علیہ السلام کے انصاف سے رزق حاصل ہوا۔ شیخ کی صحبت نفس کو رام کر دیتی ہے۔ گائے کے مُدّعی کی مثال نفس کی سی ہے۔ وہ تب ہی مطیع بنا جب اُس نے حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ سُنا۔ اِسی طرح نفس شیخ کی صحبت سے مطیع ہوگا۔ عقل' نفس کا شکار تب ہی کرے گی جب شیخ یار بن جائے۔ اپنے نفس کو کھینچ کر شیخ کے پاس لے جا۔

نفس بہت ہی مکار ہے۔ اس کے مکروں کی تفصیل نہیں۔ نفس کی زبان شیخ کی صحبت میں کوتاہ ہو جاتی ہے اور وہ مکاری کی باتیں نہیں کر سکتا۔ اس مُدّعی نے بہت سی غلط دلیلیں پیش کر کے تمام لوگوں کو دھوکا دے دیا تھا لیکن حضرت داؤد علیہ السلام اُس کے فریب میں نہ آئے تھے۔ نفس اگر نیکی کی دعوت دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی فریب چُھپا ہوتا ہے۔ عقل جیسی شریف چیز پر کمینے نفس کا غلبہ اس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ تُو عقل سے بیگانہ ہو گیا ہے اور تُو نے اپنے اندر نفس کو بسا لیا ہے۔ اب نفس کا کتا اپنے گھر پر رہ کر شیر ہو گیا ہے اور عقل بے چاری ماری ماری پھر رہی ہے۔

نفس بھی دل کی وحی سے مغلوب ہوتا ہے جیسا کہ مُدّعی گاؤ' حضرت داؤد علیہ السلام کی قلبی وحی سے مغلوب ہو گیا تھا' ورنہ شہر والے تو اُس کو سچا سمجھ رہے تھے۔ جو نفس کا ہم جنس ہوتا ہے وہ اُس کی بات کو سچا سمجھ لیتا ہے۔ شیخ چونکہ داؤد علیہ السلام کی طرح ہے وہ اُس کے فریب میں نہیں آتا ہے۔ مگر شیخِ کامل تو وہی ہوتا ہے جو جسمیت کو ختم کر کے مُجسّم رُوح بن جائے اور اس طرح مظہرِ خدا بن جائے جس طرح دل مظہرِ خدا ہے۔ عوام باطنی مریض ہیں اور بیماری' بیمار کی مددگار ہوتی ہے۔ دُنیا میں بہت سے مکار اور فریبی ہیں' جو شیخ ہونے کے مُدّعی بن جاتے ہیں اور اگر انسان میں پہچاننے کی قوت نہیں ہوتی ہے تو وہ خود اُن کے مکر میں پھنس جاتا ہے۔ یہ احمق جنہیں سچے اور جھوٹے پیر کی پہچان نہیں ہے اُس بے وقوف پرندے کی طرح ہے جو شکاری کی سیٹی کو اپنے ہم جنس کی آواز سمجھ لیتا ہے اور پھنس جاتا ہے۔ ایسے احمقوں میں کھرے کھوٹے کی پہچان

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جُو	کہ نہ معشوقش بُود جویائے اُو
کوئی عاشق خود بخود وصل کا طالب نہیں ہوتا	جب تک اُس کا معشوق اُس کا طالب نہ ہو

نہیں ہے۔ ایسے احمق سے گریز کرنا چاہیے خواہ وہ کتنا ہی نکتہ رس اور ذہین ہو۔ حماقت کا مرض عذابِ الٰہی اور لاعلاج ہے۔

بیوقوفوں کی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پہاڑی کی بُلندی پر بھاگ کر جانا، ایک شخص کا اُن کا پیچھا کرنا اور سوال کرنا

حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابنِ مریم اس طرح پہاڑ کی طرف بھاگے جا رہے تھے جیسے گویا کوئی شیر اُن کے پیچھے دوڑا آ رہا ہو۔ ایک شخص اُن کے پیچھے دوڑا آتا تھا اور پوچھ رہا تھا کہ آپ کیوں لوگوں سے بھاگ رہے ہیں؟ اُنہوں نے کہا: میں ایک احمق سے بھاگ رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا: آپ میں تو اتنی طاقت ہے کہ آپ کے دَم کرنے سے اندھے اور بُرے اچھے ہو جاتے ہیں' آپ ایک احمق سے اس طرح خوف زدہ کیوں ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تیرا کہنا دُرست ہے۔ میں مُردے کو زندہ کر سکتا ہوں۔ مٹی سے پرند بنا کر پھونک مار دیتا ہوں تو وہ زندہ ہو کر اُڑ جاتا ہے۔ میں اسمِ اعظم بھی جانتا ہوں لیکن احمق پر اسمِ اعظم اثر نہیں کرتا کیونکہ احمق ہونا عذابِ الٰہی ہے۔ اگر آزمائش میں کوئی مبتلا ہوتا ہے تو اُس پر رحم کیا جاتا ہے لیکن احمق پر جوتے برسائے جاتے ہیں۔ حماقت کا اثر اللہ تعالیٰ کی ایک مُہر ہے جس پر کوئی تدبیر مؤثر نہیں ہوتی۔ احمقوں اور بے وقوفوں سے اس طرح بھاگو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھاگے تھے۔ بے وقوف کی صحبت انسان کے اوصاف آہستہ آہستہ چُراتی رہتی ہے۔ گرمجوشی کو اُن کی صحبت کاہلی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا احمق سے بھاگنا دراصل ہم لوگوں کی تعلیم کے لئے تھا۔ اُن کو تو نورِ حق کی گرمی حاصل تھی۔ وہ احمق کی حماقتوں سے کب متاثر ہو سکتے تھے۔

اہلِ سبا، اُن کی بے وقوفی اور انبیاء علیہم السلام کی نصیحت کا اُن پر اثر نہ ہونا

سبا ایک بہت بڑا شہر تھا۔ بچوں کی کہانیوں اور افسانوں میں اُس کا ذکر آتا ہے۔ بچوں کی کہانیوں اور افسانوں کو ایسے ہی نہ سمجھ۔ اُن کی مذاق کی باتوں میں بھی حکمت کے موتی ہوتے ہیں۔ وہ بہت بڑا شہر تھا لیکن اللہ کے نزدیک اُس کی وُقعت ایک مٹی کے پیالے سے زیادہ نہ تھی۔ اُس کی آبادی تو دس شہروں جتنی تھی لیکن وہاں کے لوگ کھانے کے پکے اور افعال کے کچے تھے۔ ایسے لوگ جن کی رُوح محبوبِ حقیقی سے وابستہ نہ ہوا گر لاکھوں ہوں تو سمجھو آدھا شخص بھی نہیں۔ وہ لوگ دنیاداری کے معاملات میں بڑے بینا لیکن آخرت کے معاملے میں اندھے تھے۔ وہ شہر مال و دولت کے اعتبار سے خزانہ تھا لیکن نیکی اور بھلائی اُس میں ذرہ برابر بھی نہ تھی۔ اُن کی حالت اُس اندھے کی سی تھی جو کہے کہ میں سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔ اُس بہرے کی سی تھی جو کہے کہ میں سب کچھ سُن رہا ہوں اور اُس ننگے کی سی تھی

لیک عشقِ عاشقاں تن زہ کُند　　عشقِ معشوقاں خوش و فربہ کُند
لیکن عاشقوں کا عشق اُنہیں لاغر بناتا ہے　　اور معشوقوں کا عشق اُنہیں موٹا تازہ کرتا ہے

جو کہتا تھا کہ لوگ میرے کپڑے کا دامن کاٹ رہے ہیں۔ وہ ایسے ہو گئے تھے جیسے کھا کھا کر موٹے ہو گئے ہوں اور کواڑوں کی درز میں سے نکل بھاگیں۔ کواڑ کی درز سے موت کا راستہ مراد ہے جو کسی کو نظر نہیں آتا۔ کواڑوں کی درز بھی نظر نہیں آتی۔

یہ بظاہر مزاحیہ اور افسانوی باتیں ہیں لیکن تُو ان سے نتائج نکال لے۔ یہ قصّہ بے کار نہیں ہے۔ اس قصّے میں بہرے سے انسان کی تمنائیں مراد ہیں۔ تمنّا اور اُمید دوسروں کی موت کی خبر سُنتی ہے اپنی موت کی خبر سے بہری ہوتی ہے اور دُنیا میں اپنے منتقل ہونے کو نہیں دیکھتی۔ قصّہ میں اندھے سے مراد حرص ہے جو اپنے محبوب سے اندھی ہے اور دوسروں کے عیب خوب دیکھتی ہے۔ ننگے سے مراد وہ شخص ہے جو نیک اعمال سے خالی اور آخرت کی دولت سے مُفلس ہے۔ کامیاب دُنیادار دراصل مُفلس ہے کیونکہ دنیوی دولت آخرت میں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے گی۔ دُنیادار ننگا پیدا ہوا اور تقویٰ کے لباس سے ننگا مرے گا۔ جب اُس پر دُنیا کی دولت کی حقیقت کھل جائے گی جس پر چوروں سے ڈرتا تھا تو اپنے اُوپر ہنسے گا۔ ایسے لوگوں کی حالت اُس بچّے کی سی ہوگی جس کے پلّو میں کنکریاں بندھی ہوں اور وہ اُن کنکریوں کے لٹنے سے ڈرتا ہو اور ایک کنکری بھی گر جائے تو رونے لگے اور کنکری اُسے دے دو تو ہنسنے لگے۔ اِس دُنیا کی جمع شُدہ دولت ایسی ہی ہے جیسے کوئی خواب میں دولت کو دیکھے۔ جو شخص خواب میں اپنے مال کو چوروں کے ہاتھوں لٹنے سے ڈرتا ہے۔ بیدار ہونے پر اُسے اپنے آپ پر ہنسی آئے گی۔

دنیادار عقلمندوں کو قرآن نے بے علم کہا ہے۔ دنیادار عالم یہ کہتا ہے کہ لوگ میرا وقت ضائع کرتے ہیں جس سے میرے علم کو خطرہ ہوتا ہے حالانکہ وہ نہیں سمجھتا کہ اُس کا وقت اُس کے لئے قطعاً غیر مُفید ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ لوگ آ کر مجھے بے کار بناتے ہیں حالانکہ جو اُس کی مصروفیتیں ہیں وہ خود بیکاری کے مترادف ہیں۔ یہ دنیادار عالم علوم آخرت سے خالی ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ دوسرے اُس کے علوم کو برباد کر رہے ہیں۔ وہ دُنیا کے لاکھوں علوم کا عالم ہے لیکن اپنی رُوح کے بارے میں ظالم اور جاہل ہے۔ فقیہ اتنا تو جانتا ہے کہ یہ بات جائز ہے اور یہ بات ناجائز ہے لیکن اُس کو اپنا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ خود کس حالت میں ہے۔ دوسروں کے حال سے واقف اور اپنے حال سے ناواقف ہونا حماقت ہے۔ تمام علوم کی اصل تو یہ ہے کہ انسان اپنے بارے میں یہ علم حاصل کرے کہ قیامت کے دن اُس کا کیا حال ہوتا ہے۔ دین کے اصول جاننا تو ضروری ہے لیکن اُس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ اپنی رُوح کے بارے میں غور کرے کہ وہ نیک ہے یا نہیں۔

چوں دریں دل برقِ مہرِ دوست جست جب اِس دل میں دوست کی محبت کی بجلی کوندی	اندراں دل دوستی میداں کہ ہست سمجھ لے کہ اُس دل میں بھی محبت ہے

سبا شہر کی خوش حالی اور اُن کی ناشکری کا بیان

سبا والوں کے بڑے وسیع باغ اور چراگاہیں اور جائیدادیں تھیں۔ پھل اس قدر کثرت سے ہوتا کہ اُن کو محنت کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ہر طرف دولت اور رزق کے انبار لگے رہتے کہ چور کو چوری کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی لیکن وہ لوگ ذاتِ باری کا بالکل شکریہ ادا نہ کرتے۔ اُن کی طرف انبیاء علیہم السلام کو بھیجا گیا کہ اُن کو سیدھا راستہ دکھائیں۔ وہاں تیرہ پیغمبر آئے اور اُنہیں کہا کہ اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو اور سَروں کو اُس کے آگے سجدوں میں جھکا دو۔ شکرانے کے طور پر اللہ کی عبادت کرو۔ سبا والوں نے جواب میں کہا: ہم تو اِن نعمتوں سے تنگ دل ہیں اور اب ہمارے لئے نہ عبادت میں لذت رہی ہے اور نہ گناہ میں۔ چیزوں کی فراوانی انسانی نظروں میں اُس کی قدر و قیمت کھو دیتی ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ تمہارے دل میں مرض پیدا ہو گیا ہے، جس نے حق شناسی کو تباہ کر دیا ہے اور تم نعمتوں کو زحمت سمجھنے لگے ہو۔ بیمار کو اگر دُرست غذا بھی دی جائے تو وہ اُس کی بیماری میں اضافہ کرتی ہے۔ اِس لئے جو لوگ تمہارے خیر خواہ ہیں وہ تمہیں بیگانے لگتے ہیں حالانکہ وہی تمہارے پیارے ہیں۔ اِس بیماری کا اثر ہے کہ تم شُکر کو بُری چیز سمجھتے ہو۔ اِس بیماری سے تو آبِ حیات بھی زہر لگتا ہے۔ ہر نصیحت کرنے والا تمہیں بُرا لگتا ہے۔ جو دوستی عقل کی بنیاد پر ہوتی ہے اُس میں اِضافہ ہوتا رہتا ہے اور جو دوستی نفسانی غرض پر مبنی ہوتی ہے وہ دن بدن گھٹتی رہتی ہے۔ نفسانی دوستی کسی غرض کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اگر ایسا دوست بنانا چاہتے ہو جس سے کُل کو نفرت نہ ہو تو کسی عقل مند سے دوستی کرو۔ نفسانی مریض کا علمی اور عملی ذوق فنا ہو جاتا ہے۔ اُسے عُمدہ قسم کے علمی نکتے بُرے لگتے ہیں۔

اگر قلبی بیماری کا علاج ہو جائے تو پرانی باتوں میں بھی نئے نکتے نظر آنے لگتے ہیں۔ جسمانی طبیب تو نبض دیکھ کر بیماری معلوم کرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ بلاواسطہ دل کو دیکھ لیتے ہیں۔ وہ انسانوں کو بتاتے ہیں کہ تمہارا کون سا فعل اور قول مُہلک ہے اور کون سے اَفعال اور اقوال اللہ سے قریب کرتے ہیں اور کون سے اللہ سے دُور کرتے ہیں۔ اگر ایسا دوست بنانا چاہتے ہو جس سے کُل کو نفرت نہ ہو تو عقل کی بنیاد پر عقلمند سے دوستی کرو۔ انبیاء علیہم السلام انسانوں کے لئے نیکی اور بدی کو خوب واضح کر کے بیان کرتے ہیں۔ اُس کے بعد انسان کو اِختیار ہے کہ وہ بدی کا راستہ اِختیار کرے یا بھلائی کا۔ انبیاء علیہم السلام چونکہ وحیءِ الٰہی سے رہبری حاصل کرتے ہیں اس لئے کبھی غلطی پر نہیں ہوتے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کہتے ہیں ''ہم تم سے اِس کام کی مزدوری نہیں مانگتے ہیں ہماری مزدوری تو اللہ ہی کے ذمہ ہے''

در دلِ تو مہرِ حق چوں شُد دو تو جب تیرے دل میں اللہ کی محبت دوگنی ہوئی	ہست حق را بے گماں مہرے بتو سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی تجھ سے محبت ہے

لوگوں نے کہا کہ اپنی نبوت پر گواہ لاؤ۔ تم کیسے انبیاء علیہم السلام ہو کہ بازاروں میں چلتے پھرتے ہو اور کھاتے پیتے ہو؟ تم ہماری ہی طرح کے ہو تو ہماری کیا اصلاح کر سکتے ہو؟ تمہیں بڑا بننے کے شوق نے پیغمبری کا دعویٰ کرایا ہے۔ نبیوں نے کہا: جو شخص ہماری رسالت کو نہیں دیکھتا ہے اور گواہ طلب کرتا ہے یہ بات خود اِس بات کی گواہ ہے کہ وہ اندھا ہے۔ جو شخص علی الاعلان نبیوں کی مخالفت کرے گا تو ہمیشہ کے لئے بدبختی میں مبتلا ہو جائے گا۔

قرآن میں ہے ”جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر خاموشی سے سنو تا کہ تم پر رحم کیا جائے“۔ اِس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام اور رسولوں کے سامنے زیادہ گفتگو مناسب نہیں ہے۔ اُن کے لئے ہر طرح کی قربانی کرو تا کہ اللہ تمہاری ایسی تعریف کرے کہ آسمان کو اِس پر حسد آئے۔ جب اُن رُوحانی اطباء کی دلداری کی جائے گی تو انسان پر خود اپنی حقیقت کھل جائے گی۔ لوگوں نے کہا: اللہ کا قاصِد انسان نہیں ہونا چاہیے' کسی انسان کا ہمراز ہونا عقل میں نہیں آ سکتا۔ اُنہوں نے کہا: ہمیں تو تمہاری باتیں خرگوش اور چاند والا قِصہ لگتی ہیں۔

خرگوشوں کا قصہ، جنہوں نے ایک خرگوش کو ہاتھی کے پاس قاصد بنا کر بھیجا

تمام جانور ہاتھیوں کے چشمے پر آنے سے تنگ تھے کیونکہ اُن کے ڈر سے جانور پانی پینے نہیں جا سکتے تھے۔ سب نے مل کر تجویز سوچی کہ کوئی ہاتھیوں کو یہاں آنے سے روکے۔ ایک بوڑھے خرگوش نے پہاڑی پر چڑھ کر آواز دی کہ اے ہاتھیو! ٹھہر جاؤ۔ چاندرات میں چاند چشمے کے پانی میں نظر آ رہا تھا۔ اُس نے کہا: میں چاند کا قاصِد ہوں اور سب سے کہہ رہا ہوں کہ چاند کہتا ہے: چشمہ میری ملکیت ہے۔ اگر یہاں پانی پیو گے تو میں تمہیں اندھا کر دوں گا۔ میں نے چاند کا حکم تم تک پہنچا دیا ہے۔ آگے تم خود ذِمّہ دار ہو۔ میرے قاصِد ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب چاندرات میں تم پانی پیتے ہو تو چاند ہلتا ہے۔ ہاتھیوں کا بادشاہ سب سے پہلے آگے آیا۔ وہ پانی میں داخل ہوا تو چاند کا عکس ہلنے لگا۔ اُس کو خرگوش کی باتوں کا یقین آ گیا اور وہ ڈر کر بھاگ گئے۔ اہلِ سبا نے کہا ہم ایسے بے وقوف نہیں ہیں کہ ہاتھیوں کی طرح تمہاری باتوں میں آ جائیں۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا کہ ہماری نصیحت سے تمہارے انکار کی بیڑیاں اور سخت ہو گئی ہیں اور تمہارے لئے دوا نے زہر کا کام کیا ہے۔ جب کسی پر غضبِ خداوندی ہوتا ہے تو نورِ ہدایت اُس کے لئے مزید اندھیرے کا سبب بن جاتا ہے۔ جس کو اللہ کے تقرب سے وہ مرتبہ حاصل ہو جو آسمان سے بھی بلند ہے وہ تمہاری سرداری کا کیا خواہش مند ہو سکتا ہے۔ ایسی آنکھ شیطانی ہو گی جسے حضرت آدم علیہ السلام مٹی کا پُتلا نظر آئے اور اُن کے باطنی اوصاف نظر نہ آئیں۔ اہلِ سبا سے انبیاء علیہم السلام

عشق ہائے کز پئے رنگے بود
وہ عشق جو رنگ و روپ کی خاطر ہوتا ہے

عشق نبود عاقبت ننگے بود
عشق نہیں ہوتا، انجام کار ذِلّت و رسوائی ہوتی ہے

نے کہا: چونکہ تم بُت پرستی میں مبتلا ہو اِس لئے لعنت اور اندھا پن تم پر مسلط ہو گیا ہے۔ اُس کی علامت یہ ہے کہ پتھر کے بُت کو تم اللہ کا شریک سمجھ رہے ہو مگر عقل اور جان کو اللہ کا ہمراز سمجھنے میں تمہیں اشکال پیش آ رہا ہے۔ بُت جسے تم نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اللہ کا شریک ہو گیا لیکن انسان جو کہ اللہ کا بنایا ہوا ہے' تمہارے نزدیک اللہ کا ہمراز نہیں ہو سکتا۔

حکیم سنائی رحمۃ اللہ علیہ نے الٰہی نامہ میں جو باتیں سمجھائی ہیں وہ یہ ہیں کہ کفار کی محرومی اور اُن کی عجیب عقل پر تعجب کی ضرورت نہیں ہے۔ اِس میں اللہ کی حکمتیں مُضمر ہیں اور وہی اپنی حکمتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اُس کے فیصلوں میں بحث کرنا بیکار ہے۔ اُس کے ہر کام میں مناسبت ہے۔ اُس نے جسموں اور رُوحوں میں بھی مناسب اَوصاف پیدا کیے ہیں۔ اگر اُس نے ایک رُوح کے لئے کفر کی صفت پیدا فرمائی ہے تو وہی صفت اُس کے لئے مناسب ہے۔ انسان کا دل اور آنکھ قدرت کی دو انگلیوں کے قبضے میں ہیں اور وہ جس طرف چاہتی ہے اُن کا رُخ موڑ دیتی ہے۔ اپنے دل کو ہمیشہ اس حال میں رکھیں کہ وہ سمجھتا ہو کہ وہ کس ذات کے قبضے میں ہے۔ انسان اور انسان میں جو فرق ہے وہ قیامت کے چوراہے پر ظاہر ہو گا۔ قلمِ تقدیر کے لکھے ہوئے سے نجات کا راستہ صرف عاجزی اور گریہ ہے۔ عقلمند لوگ اپنے دل کے اَحوال سے اپنی اچھائی اور بُرائی کا اندازہ لگا لیتے ہیں لیکن انسانی عقل اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کے معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا نبی بھی اِس حقیقت سے ناواقف رہا کہ اُس کے عصا میں اللہ نے کیا قوت رکھی ہے۔ وہ اُس کو محض لاٹھی سمجھتے رہے حالانکہ وہ اژدہا تھا۔ جب اُس نے اپنے ہونٹ چلائے تب اُن پر راز منکشف ہوا۔ تو جب موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی ناقص ہے تو تم اپنی نفسانی خواہشوں کی حقیقت کو جو کہ دراصل شیطانی جال ہیں کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ کے کسی فعل پر اِعتراض اِسی طرح ہے جیسے شیطان نے کہا تھا کہ اے اللہ! تُو نے مجھے آگ سے بنایا اور اِس آدم کو مٹی سے لہٰذا میں اِس سے افضل ہوں تو اُس کو سجدہ کیوں کروں۔ قارون سے کہا گیا کہ اللہ نے تجھے جو دولت دی ہے اُس کے ذریعے آخرت کا طالب بن تو اُس نے جواب میں کہا کہ یہ دولت تو مجھے میرے علم اور تدبیر سے حاصل ہوئی ہے' اس میں کسی کا کیا دخل ہے۔ نمرود بھی ایسی ہی حماقت کی وجہ سے خدائی کا دعویٰ دار بنا اور تباہ ہوا۔ فرعون نے یہی غلطی کی اور دریا میں غرق ہوا۔ قومِ عاد نے بھی ایسی ہی مثالوں کو سوچا تو اُن کی ہڈیاں بھی ریزہ ریزہ ہو گئیں۔ ہر بدبخت کو ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ دیکھنا پڑا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے کے وقت قوم کے مذاق کی مثال کا بیان

حضرت نوح علیہ السلام کشتی بنانے لگے تو سینکڑوں مذاق کرنے والے جمع ہوگئے۔ وہ کہتے تھے: کشتی کی ضرورت تو دریا میں ہوتی ہے جہاں پانی ہو یہ کشتی کیا خشکی پر دوڑے گی؟ اس کشتی کو پَر لگا دو تاکہ اُڑنے لگے۔ مذاق میں کوئی کہتا: اس کا پچھلا حصہ ٹیڑھا ہے۔ کوئی کہتا: اِس گدھے کا پالان کہاں ہے؟ حضرت نوح علیہ السلام جواب دیتے کہ میں کشتی خدا کے حکم سے بنا رہا ہوں اور تمہارے مذاق اُڑانے سے اپنے کام میں کوتاہی نہیں کرسکتا۔ جس طرح آج تم میرا مذاق اُڑا رہے ہو اسی طرح آئندہ دیکھنا ہم تمہارا مذاق اُڑائیں گے۔

ایک مثال سُن لے۔ ایک چور رات کے وقت کسی مکان کی دیوار کی جڑ میں گڑھا کھود رہا تھا۔ صاحبِ خانہ جو کہ بیمار تھا اُس نے کھٹ کھٹ کی آواز سنی تو کوٹھے پر چڑھ کر پوچھا کہ تُو کون ہے؟ اور کس کام سے لگا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ ڈھول بجا رہا ہوں۔ اُس نے پوچھا: ڈھول کی آواز تو سُنائی نہیں دے رہی۔ اُس نے جواب دیا: اس کی اصل آواز تُو کل سُنے گا' جب تیرا سب کچھ لٹ چکا ہوگا۔ جب میں لُوٹ کر چلا جاؤں گا۔

اسی طرح تُو خرگوش کو شیطان سمجھ جو تیرے نفس کے سامنے قاصد بن کر آیا۔ تیرا نفس ہاتھی ہے اور پانی سے مراد وہ آبِ حیات ہے جو خضر علیہ السلام نے حاصل کرلیا تھا۔ شیطان' نفس کو گمراہ کر کے آبِ حیات سے محروم کردیتا ہے۔ اہلِ سبا نے اِس قصہ کو اُلٹ کر کے خرگوش سے انبیاء علیہم السلام مراد لئے۔ انبیاء علیہم السلام کو دھوکے باز خرگوش سے تشبیہ دینا کفر ہے۔ اے اہلِ سبا! تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے؟ انبیاء علیہم السلام کی ناراضگی بہت سے شہروں کی تباہی کا سبب بنی ہے۔ اِس کی وجہ سے پہاڑ شق ہوئے ہیں۔ حضرت لوط علیہ السلام کی ناراضگی سے بستیاں ویران کردی گئیں۔ اللہ کے بندے کی ناراضگی کی وجہ سے ہی ابرہہ کے ہاتھیوں کا لشکر ابابیلوں کے کنکروں سے ہلاک ہوا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی ناراضگی سے قوم پر پانی کا طوفان آیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی سے قومِ فرعون پانی میں غرق کردی گئی۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ذبح کرنے کی وجہ سے قوم چیخ کے عذاب سے ہلاک ہوئی۔ پھر بھی تم عبرت نہیں پکڑتے۔ جب انسان خود ہی اپنے آپ کو اندھا بنا لے تو وہ نور سے محروم کردیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے معجزوں سے تو غیر ذی رُوح بھی متاثر ہوتے ہیں لیکن سنگدل انسان متاثر نہیں ہوتا۔ عقل اور انصاف ہو تو انسان حقیقت کو سمجھ لیتا ہے لیکن اہلِ سبا عقل اور انصاف سے بے بہرہ تھے۔ اہلِ سبا! ان شریف رسولوں کا کہنا مان لو۔ یہ عاشقانِ خدا ہیں' ان کی تصدیق کرو۔ یہ مجسم نور ہیں' ان کی اتباع قیامت کی رُسوائیوں سے بچائے گی۔ قیامت

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست　　　وز شرابِ جانفزایت ساقی ست

اُس زندہ کا عشق اختیار کر جو کہ سدا رہنے والا ہے　　　اور جانفزا شراب سے تجھے سیراب کرنے والا ہے

میں ہم نے اِن حضرات کا سامنا کرنا ہے۔ اگر دُنیا میں کہنا نہ مانو گے تو وہاں کام نہ چلے گا۔ یہ رہنما اِس قدر مخلص ہیں کہ تم سے کسی دولت کے طلبگار نہیں۔ انبیاء علیہم السلام جو کچھ خدا کے بارے میں گواہی دے رہے ہیں اُس کو سنو۔ آسمان تک بھی اِس کے تابع فرمان ہے' تم بھی اِس کے تابع بن جاؤ۔ اللہ کی اطاعت کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ پہلے نافرمانوں کا انجام دیکھ لو یا آخرت کے معاملہ میں پختہ کاری' احتیاط اور ہوشیاری برتو۔ احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت کے لئے اعمالِ صالحہ کا توشہ لے لے۔ اگر نعوذ باللہ آخرت کا معاملہ محض افسانہ بھی ہے تو اعمالِ صالحہ کر لینے میں کوئی مضرت بہر حال نہیں ہے اور اگر آخرت کا معاملہ حقیقت ثابت ہوا تو یہ اعمالِ صالحہ کام آئیں گے اور قیامت حقیقتاً ہوئی اور اعمالِ صالحہ نہ ہوئے تو لامحالہ تباہی ہے۔

اِس لئے احتیاط یہی ہے کہ نیک کام کر لئے جائیں۔ حاسد شیطان ہر ابنِ آدم کے پیچھے لگا ہوا ہے۔ اُس نے چالاکی سے حضرت آدم علیہ السلام کو ایسا بدحال کر دیا کہ انہیں لغزش پر اِس قدر رونا پڑا کہ اُن کی تری سے زمین پر گھاس اُگ آئی۔ اے جسم کے پجاریو! اِس (شیطان) کے سر پر ہمیشہ لَاحَوْلَ کی تلوار چلاتے رہو۔ چونکہ تمہیں وہ نظر نہیں آتا اِس لئے اُس کے مارنے کے لئے صرف لَاحَوْلَ کی تلوار ہی کام دے سکتی ہے۔ شیطان بھی اِسی طرح شکار کھیلتا ہے کہ نفسانی شہوات کے دانے ڈال دیتا ہے اور خود چھپا رہتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ دانہ چگو اور جال میں نہ پھنسو لہٰذا دانہ دیکھ کر ہی بھاگ جاؤ۔ جو شیطانی لذتوں سے بچے گا وہ جنت کے باغوں میں غذائیں حاصل کرے گا۔

اُس پرند کے حال کی تباہی جس نے لالچ سے پختہ کاری چھوڑ دی

ایک پرند ایک درخت کی شاخ پر بیٹھا تھا۔ اُس کی آنکھ دانے پر جمی ہوئی تھی اور حرص اُسے اُس دانے کی طرف کھینچ رہی تھی۔ حرص نے اُسے عقل سے خالی کر دیا۔ اُس نے دانا کھایا اور شکاری کے جال میں پھنس گیا۔ شکاری نے اُسے ذبح کیا اور کھا لیا۔ ایک اور پرند بھی تھا جو اُس دانے کو دیکھ رہا تھا۔ اُس نے لالچ نہ کیا اور اپنی نظر جنگل کی طرف لگالی۔ اِس طرح جال سے نجات پا گیا۔ انسان کو اِس سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے' ورنہ برباد ہو جائے گا۔ پختہ کاری انسان کو کامیابی کی طرف لے جاتی ہے۔ اللہ نے ہر کام کے ساتھ اُس کا جوڑ لگا دیا ہے۔ گناہ کے ساتھ توبہ کا جوڑ لگا ہے۔ تُو گناہ کرتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے' نادانی سے توبہ توڑ دیتا ہے۔ تُو پھر توبہ کر لے اللہ ضرور قبول فرمائے گا' لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوتا۔ توبہ کا شکر یہ تو یہ ہے کہ پھر کبھی معصیت کی طرف رُخ بھی نہ کرے۔

توبہ کے بعد گناہ معاف ہو جاتے ہیں لیکن بار بار توبہ کرنے اور توڑنے والوں کی حالت تو اُن کتوں کی سی ہے جو جاڑے میں سردی کی تکلیف سے دُبلے ہو جاتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ آئندہ گرمیوں میں اپنے لئے پتھروں کا گرم گھر

عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیاء	یافتند از عشقِ اُو کار و کیا
اُس کا عشق اختیار کر کہ تمام نبیوں نے	اُس کے عشق سے عزّ و شرف پایا

بنائیں گے تا کہ جاڑوں کی تکلیف سے بچ جائیں۔ گرمی کے موسم میں جاڑوں کی تکلیف ختم ہو جاتی ہے۔ وہ آرام سے درختوں کی چھاؤں میں سوتے رہتے ہیں اور خوب موٹے ہو جاتے ہیں اور سمجھنے لگتے ہیں کہ وہ کسی گھر میں نہیں سما سکیں گے۔ جب انسان مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو توبہ کے ذریعے اپنے لئے آرام گاہ بنانے کا سوچتا ہے۔ مصیبت سے نجات پاتے ہی اپنی توبہ کو بھول جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر اُس کا شکریہ ادا کرنا نعمت سے بھی زیادہ اچھا ہے۔ شکر گزار بندہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لیتا ہے۔ شکر اور نعمت میں وہی نسبت ہے جو بدن اور رُوح میں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اگر تم شکر کرو گے تو ہم نعمتوں میں اضافہ کر دیں گے''۔ اللہ تعالیٰ جس کو شکر کی نعمت عطا فرما دیتا ہے تو وہ بڑا اور بے نیاز بن جاتا ہے۔ دولت کو فقیروں میں تقسیم کرتا ہے۔ اللہ کی جانب سے ایسی غذائیں حاصل کرتا ہے جن کی وجہ سے تن پروری اور دوسرے لوگوں کا دروازہ کھٹکھٹانے سے آزاد ہو جاتا ہے۔ شکر مزید نعمتوں کا سبب بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا کفر انسان کو کافر بنا دیتا ہے۔ جبری کافروں نے کہا: اگر ہم اپنے اختیار میں ہوتے تو تمہاری نصیحت کو ہم یقیناً مان لیتے لیکن اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں پر مُہر لگا دی ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ جب خدا نے ہمیں منکر بنایا ہے تو اب ہم کس کی گفتگو سے مومن بن سکتے ہیں۔ اگر کوئی پتھر کو لعل بننے کو کہے تو یہ کہنا سب بیکار ہے۔ جن صفات پر اللہ نے چیزوں کو پیدا فرمایا ہے اُن میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ہر چیز کا ایک حصہ مقرر ہے' اُس کو وہی حاصل ہوگا۔ ہماری کوشش سے پہاڑ کیسے بن سکتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے جواب میں کہا: صفات دو قسم کی ہیں۔ ایک میں تبدیلی ناممکن ہے اور دوسری میں ممکن ہے۔ ایک چیز میں مبغوض ہونے کی صفت ہوتی ہے پھر وہی چیز محبوب بن جاتی ہے تو اُس کی یہ صفت بدل گئی۔ ریت میں گل و گلزار بن جانے کی صفت ہو سکتی ہے۔ اس طرح بعض امراض لاعلاج ہیں اور بعض قابلِ علاج۔ گونگا پن کا علاج نہیں ہے لیکن سر درد کی کیفیت علاج سے ٹھیک ہو سکتی ہے۔ جو دوائیں امراض کا ازالہ کرتی ہیں اُن دواؤں اور امراض میں ایک مناسبت ہوتی ہے۔ اہلِ سبا نے کہا: اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ اوصاف میں تبدیلی اور امراض کا علاج ممکن ہے تو ہمارا وصف اور مرض ناقابلِ علاج ہے۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ سالہا سال سے تم لوگ ہمیں نصیحتیں کر رہے ہو لیکن ہمارے دل اور بھی سخت ہو گئے ہیں۔ اگر ہمارا مرض قابلِ علاج ہوتا تو کچھ تو فائدہ ہوتا۔

انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمیدی بُری چیز ہے۔ بہت سے معاملے شروع میں مشکل نظر آتے ہیں پھر آسان ہو جاتے ہیں۔ نا اُمیدیوں کے بعد اُمیدیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہم مانتے ہیں کہ تم سنگدل ہو گئے ہو لیکن یہ

سر ندارد چوں ازل بُود ست پیش
(عاشق کے خیال کا) سر نہیں ہوتا ہے کیونکہ "ازل" بھی پہلے کا ہے

پا ندارد با ابد بُود ست خویش
(وہ) انتہا نہیں رکھتا ہے (اسلئے کہ) ابد سے وابستہ ہے

سمجھ لو کہ تبلیغ رسالت میں ہمیں تمہارے قبول کرنے یا انکار سے بحث نہیں ہے' ہم تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر رہے ہیں۔ اگر وہ ہمیں ریت میں بیج بونے کا حکم دے گا تو ہم بودیں گے خواہ وہ اُگے یا نہ اُگے۔ چونکہ تمہیں تبلیغ کرنے کا بھی ہمیں حکم ہے اس لئے ہم اُس کے احکام تمہیں پہنچا رہے ہیں۔ ہمیں اِس سے سروکار نہیں کہ کوئی ہماری بات قبول کرتا ہے یا نہیں۔ ہم اللہ ہی کے بندے ہیں اور اُسی کی خاطر لوگوں کی دشمنی مول لے رہے ہیں۔ تبلیغ میں ناکامی ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں ہے۔ دل گرفتہ وہ ہوتا ہے جو دوست سے مُجور رہو۔ ہمیں تو ہر وقت قربِ الٰہی حاصل ہے۔ ہمارا محبوب جو کہ حضرتِ حق ہے۔ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے۔ اُس کی رحمتیں ہر وقت ہم پر نچھاور ہوتی رہتی ہیں۔ ہمارے دل اُس کی محبت سے گلزار ہیں۔

جب انسان پر رُوحانیت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو زمان و مکان کی قید سے رہائی ہو جاتی ہے۔ جسم زمان و مکان کا پابند ہے۔ اصحابِ کہف پر رُوح کا غلبہ تھا تو اُن کے لئے تین سو نو سال ایک روز کے برابر تھے۔ اُنہوں نے کہا تھا کہ ہم تو اس حالت میں ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہے ہیں جبکہ رُوح زمان و مکان سے مقید نہیں ہے تو اُس کے لئے نہ بڑھاپا ہے اور نہ تھکن۔ اس عالَم کی یہ مستی قربِ الٰہی کی وجہ سے ہے۔ جس نے کسی چیز کو چکھا نہ ہو وہ اُس کا ذائقہ نہیں جان سکتا۔ جس طرح دوزخ' جنت کا تصور بھی نہیں کر سکتی اِسی طرح اہلِ دُنیا اس مستی کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ انبیاء علیہم السلام کی اطاعت کر لینے والے نجات پا جاتے ہیں اور جو اُن کے منکر ہوتے ہیں وہ ابدی عذاب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اہلِ سبا بولے: تم اپنے آپ کو باسعادت قرار دیتے ہو لیکن ہم تمہیں نحوست سمجھتے ہیں کیونکہ ہم فکروں سے فارغ تھے تم نے ہمیں فکرمند بنا دیا۔ ہم متفق تھے' اب ہم میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے کہا: جو بُرائیاں تم نے بتائی ہیں اُن کا سبب ہم نہیں ہیں۔ ہم تو تمہیں عذاب سے ڈراتے ہیں' جو تم پر نازل ہونے والا ہے۔ اِس لئے کہ نبی اپنی آنکھوں سے وہ عذاب دیکھ لیتا ہے جو منکروں پر نازل ہونے والا ہوتا ہے۔ تمہاری مثال اُس مریض کی سی ہے جس کو طبیب مُضر چیز کھانے سے روکے اور وہ طبیب پر اُلٹے اِلزام دھرے۔ تم لوگ نجومیوں اور طبیبوں کی بات مان لیتے ہو جو کہ محض گمان سے بات کہتے ہیں لیکن ہماری پیشن گوئیاں جو بالکل صحیح ہوتی ہیں اُن کو تسلیم کرنے کے لئے تم تیار نہیں ہو۔ تمہاری حالت یہ ہے کہ عذاب کا اژدہا تمہاری طرف بڑھ رہا ہے۔ ایک شخص بالاخانے سے اُسے دیکھ رہا ہے لیکن تم کہتے ہو کہ سانپ کی بات سُنا کر ہمیں غمگین نہ کرو اور خوشی کی زندگی گزارنے دو۔ جب اژدہا ڈس لے گا تو تمہاری ساری خوشیاں کڑوی ہو جائیں گی۔ پھر تم بتانے والوں سے یہ کہو گے کہ تُو میرے کپڑے پھاڑ ڈالتا تو میں مان لیتا۔ تُو مجھے پتھر مارتا تو میں آگاہ ہو جاتا۔

بلکہ چُوں آب ست ہر قطرہ ازاں	ہم سر ست و پا و ہم بے ہر دواں
بلکہ وہ پانی کی طرح ہے اور اُس کا ہر قطرہ	سَر اور پَیر بھی رکھتا ہے اور بغیر سَر و پا بھی ہے

وہ جواب میں کہے گا: تُو میری بات سے آزردہ ہوتا تھا۔ وہ جواب دے گا کہ میں اب کون سا خوش ہوں۔ وہ کہے گا: میں تو شرافت سے کام لیتا تھا۔ تجھے مصیبت سے بچانے کے لئے نصیحت کرتا تھا لیکن تُو نے اِس نصیحت کی بالکل قدر نہ کی۔ کمینوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ تم اُن سے بھلائی کرو تو وہ اُس کے بدلے میں تم سے بُرائی کرے گا۔ انسان کا نفس ایسا ہی کمینہ ہے اُس کے ساتھ بھلائی کرنا اور اُس کو مضبوط بنانا مناسب نہیں ہے۔ اُس کو مجاہدوں سے کمزور کرتے رہو۔ کسی شریف سے شرافت کرو گے تو وہ ستر گُنا شرافت برتے گا۔ کمینے پر جور و جفا کرو گے تو وہ اطاعت کرے گا۔ کافر بھی ایسا ہی کرتے ہیں۔ دُنیا میں اُن کو اللہ کی نعمتیں ملیں تو کفر بڑھا لیکن دوزخ کے عذاب میں خدا کو مانیں گے اور پکاریں گے۔ اللہ نے زمین اور آسمان کو حکم دیا کہ دونوں آؤ خوشی سے خواہ جبر سے تو دونوں نے کہا: ہم خوشی سے حاضر ہیں۔ اطاعت کرنی ہی پڑتی ہے خواہ خوشی سے خواہ مجبوری سے۔

جن و انس کی تخلیق کا باعث عبادت اور اطاعت ہے۔ اگر خوشی سے نہیں کریں گے تو جبراً کرنی پڑے گی۔ مومن جنت اور دُنیا میں اطاعت گزاری کرے گا اور کافر دوزخ میں کرے گا۔ انسان میں بہت سے کام کرنے کی صلاحیتیں ہیں لیکن اُس کی تخلیق کا اصل مُدّعا عبادت گزاری ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ''میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر عبادت کے لئے''۔ کسی کتاب کی تصنیف اور اشاعت کا اصل مقصد اُسی فن و علم کو جاننا ہے جس فن کی وہ کتاب ہے۔ اگر تم اُس کا تکیہ بناؤ گے تو وہ تکیہ تو بن جائے گا لیکن یہ تمہاری غلطی ہوگی۔ اسی طرح اگر انسان عبادت نہ کرے گا بلکہ دوسرے کاموں میں لگے گا تو یہ اُس کی غلطی ہوگی۔ تلوار کا اصل مقصد اُس کے ذریعے فتح پانا ہے۔ وہ کھونٹا بھی بن سکتی ہے لیکن تُو اُس سے کھونٹے کا کام لے گا تو تیری حماقت ہوگی۔ ہر انسان کی تخلیق کا مقصد عبادت ہے لیکن ہر ایک کا عبادت خانہ جدا ہے۔ شریف کا مَعبد تو ''کَرَّمْنَا'' یعنی اکرام کیا گیا اور لئیم کا مَعبد ''اَسْقَمْتُہٗ'' ہے یعنی بیمار کیا گیا۔ شریف انسان انعاماتِ الٰہی کے وقت عبادت گزار بنتا ہے اور کمینہ مصیبت میں مبتلا ہو کر۔

اللہ نے ظالم بادشاہ مُتکبّروں کو تابع بنانے کے لیے بنائے جیسے حضرت مُوسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں مُتکبّروں کے جُھک کر گزرنے کے لیے کھڑکی بنائی،

جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیت المقدس میں ایک کھڑکی بنائی جس میں سے جُھک کر گزرنا پڑتا تھا تا کہ بنی اسرائیل کے متکبّر وہاں سے جُھک کر گزریں، اسی طرح اللہ نے متکبروں کے لئے ظالم بادشاہوں کا وجود اور

عاشقاں را شادمانی و غم اُوست
عاشقوں کی غمی و خوشی اللہ کیساتھ جُڑی ہُوئی ہے

دستِ مزد و اُجرتِ خدمت ہم اُوست
اُن کا مجاہدہ اور اُس کا انعام بھی اللہ ہی ہے

دوزخ بنائی۔ دوزخ کو بھی ایک چھوٹی کھڑکی ہی سمجھو کیونکہ وہاں کافر بھی سجدہ کریں گے۔ اُن متکبر لوگوں کے سجدے اللہ تعالیٰ کے لائق نہیں تھے کیونکہ اُن کو اللہ سے کوئی مناسبت نہیں۔ یہ انسان ہیں لیکن انسانیت سے خالی ہیں۔ نیکوں کی اور اُن کی مثال وہی ہے جو گنے اور نرکل کی ہے۔ یہ لوگ چوہے کی طرح بلی سے تو ڈرتے ہیں لیکن شیر سے جو کہ بدرجہا افضل ہے نہیں ڈرتے۔ دوزخ اور ظالم لوگوں کی شکل میں اللہ نے اپنے جو کتے پالے ہوئے ہیں یہ لوگ اُن سے ڈرتے اور اُن کی اطاعت کرتے ہیں۔ بالا اور برتر خدا کو ماننا شریفوں کا کام ہے۔ اُن منکرین کے لیے ادنیٰ 'ربّ ہیں' لہٰذا یہ اُن ہی کو پوجتے ہیں۔ شیروں سے ڈرنا چوہوں کا کام نہیں بلکہ ہرن جیسے پاکیزہ اور معصوم جانور کا کام ہے۔ اب اُن کے اُن معبودوں کا زیادہ ذکر نہیں کرنا چاہیے ورنہ وہ معبود دل میں سمجھ بیٹھیں گے کہ ہم بھی کچھ ہیں۔ جبھی تو ہمارا اس قدر ذکر کیا جا رہا ہے۔

محنت اور مشقت کی زندگی گزارنے والے لوگ شاکر ہوتے ہیں اور عموماً مالدار سرکش ہو جاتے ہیں۔ ایک قصہ سُن لو: ایک صوفی نے جب اپنا دستر خوان خالی دیکھا تو وجد میں آ گیا اور رقص کرنے لگا۔ دوسرے صوفی بھی اُس کے ساتھ شامل ہو گئے وہ خوب نعرے مار رہے تھے حتیٰ کہ مست اور بے خود ہو گئے۔ ایک لغو انسان نے صوفی سے پوچھا کہ تمہارا دستر خوان تو روٹی سے خالی ہے اس پر اتنی خوشی اور مستی کس لئے ہے؟ صوفی نے جواب دیا کہ تو طالبِ وجود ہے ہماری بات کو نہیں سمجھ سکتا۔ ہم روٹی کے نہ ہونے ہی کے طالب ہیں۔ عشق ہمیں روٹی کا کام دیتا ہے۔ ہم ہر چیز کی فنا کے طالب ہیں۔ جس طرح عاشقوں کا نفع بغیر سرمایہ کے ہوتا ہے' اِسی طرح وہ بغیر پروں کے پرواز کرتے ہیں' جیسے ننّھے شیخ بغیر ہاتھ کے جھولی بُن لیتے تھے۔

امتیاز وجودات میں ہوتا ہے' عدموں میں یکسانیت ہے لہٰذا عاشقانِ خدا ایک رنگ ہوتے ہیں۔ ہر شخص اپنے سے مناسبت رکھنے والی بات کو سمجھتا ہے ورنہ اِعتراض کرتا ہے۔ اُس بے وقوف نے صوفی پر اسی لئے اعتراض کیا کہ وہ فنا کے ذوق سے ناواقف تھا۔ شیر خوار بچہ صرف دودھ کے مزے سے واقف ہوتا ہے اور اُسی کی لذّت کو سمجھتا ہے۔ کھانوں کی لذّت کو نہیں سمجھ سکتا۔ پَری کی غذا صرف خوشبو ہے۔ انسانوں کے لئے کھانے درکار ہیں۔ وہ محض خوشبو سے پیٹ بھر جانے کو نہیں سمجھ سکتا۔ اشیاء کے احوال ہر شخص کے اِعتبار سے جُداگانہ ہیں۔ جس شخص کے مناسب جو حال ہے وہ اُسی کو سمجھ سکتا ہے۔ دریائے نیل حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لئے راستہ بنا لیکن فرعون اور اُس کا لشکر اسی میں ڈوب گیا۔ آندھی سے قومِ عاد برباد ہوئی اور حضرت ہود علیہ السلام اور اُن کی قوم کے لئے فتح کا سبب بنی۔ آگ حضرت ابراہیم علیہ السلام

غیرِ معشوق ار تماشائی بود　　عشق نبود ہرزہ سودائی بود
جو کوئی اصل محبوب کے علاوہ کسی کا دیوانہ ہے　　وہ عاشق نہیں بلکہ سودائی ہے

کے لئے گلزار بنی لیکن وہ نمرود کے لئے باعثِ ہلاکت تھی۔ درد و غم عاشقوں کی غذا ہے اور کمینے اِس طرح حلوہ بھی کھا جاتے ہیں تو اُن کو بدہضمی ہو جاتی ہے۔

حضرت یُوسف علیہ السلام کے چہرے سے خُدائی پیالہ پینے اور حضرت یُوسف علیہ السلام کی خوشبُو سے اللہ کی خوشبُو حاصل کرنے میں حضرت یعقُوب علیہ السلام اور حضرت یُوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے درمیان فرق

چیزوں کے احوال مختلف اشخاص کے اعتبار سے مختلف کی ایک اعلیٰ مثال حضرت یوسف علیہ السلام کا قِصہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا چہرہ' حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے کچھ تاثیر رکھتا تھا اور دوسروں کے لئے اُس کی تاثیر دوسری تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی خوبیاں حضرت یعقوب علیہ السلام کو نظر آئیں' بھائی نہ دیکھ سکے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام' حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں اپنے آپ کو ہلاک کئے دے رہے تھے' اُن کے بھائی اُن کو کنویں میں ڈال کر مارنے کی فکر کر رہے تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے چہرے کا دسترخوان حضرت یعقوب علیہ السلام کے لئے انوار و برکات سے پُر تھا' بھائیوں کے لئے خالی تھا۔ جن لوگوں کے دل نجاست سے پُر ہوں اُن کو انوار نظر نہیں آتے۔ اِسی لئے کفار کو اللہ کا دیدار نہیں ہوگا۔ نماز میں کیفیات اِس شخص کو میسر آئیں گی جو قلب کو مُصفّٰی کر کے حضورِ قلب کے ساتھ نماز ادا کرے گا۔ عاشقوں کی جانوں کے لئے عشق غذا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طلبِ صادق تھی اس لئے انہیں دُور ہی سے اُن کی خوشبو محسوس ہو گئی۔ وہ شخص جو حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس لے کر گیا وہ طلبِ صادق سے خالی تھا۔ اُس کو اس قمیص میں کوئی خوشبو معلوم نہ ہوئی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سینکڑوں میل سے اِس خوشبو کو محسوس کر رہے تھے۔ جو عالمِ بے عمل ہوتے ہیں اُن کی مثال اِس قمیص لانے والے کی سی ہے۔ عالمِ بے عمل کے وعظ سے اور علم سے جاہل جن میں طلبِ صادق ہوتی ہے فائدہ اُٹھا لیتے ہیں۔ بے عمل عالم کے پاس ایک عارضی چیز ہے جو موت کے بعد اُس کے لئے فائدہ مند نہیں۔ یہ تمام تقسیم اللہ کی جانب سے ہے۔ جس کا جو حصہ ہے وہ اُس کو ملتا ہے' طالب کا اُس میں کوئی دخل نہیں۔ ایک شخص کے نصیب میں وہ خیالات ہوتے ہیں' جو اُس کے لئے موجبِ راحت ہوتے ہیں لیکن دوسرے کے لئے وہ خیالات ہیں' جو اُس کو تباہ کر دیتے ہیں۔ نیک خیال کے نتیجے میں انسان کو راحت و آرام ملتا ہے اور بُرے خیال والا عالم

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
عشق وہ شعلہ ہے جب روشن ہو جاتا ہے

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت
تو سوائے طلبِ محبوبِ حقیقی کے ہر خواہش کو جلا دیتا ہے

کی تباہی کا سبب بنتا ہے۔
خیالات کی یہ تقسیم اللہ کی جانب سے ہے۔ انسان یہ نہیں سمجھ سکتا کہ کون سے خیالات آرام دہ ہیں اور کون سے خیالات تباہ کن ہیں۔ انسان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ اُس کے دل میں خیالات کس راہ سے آتے ہیں۔ انسان اپنے لئے اچھے اور بُرے خیالات کو خدا کی مدد ہی سے پہچان سکتا ہے کیونکہ یہ خیالات اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں' انسان کے ساختہ نہیں ہیں۔ خیالات کے آنے کی راہ عدم میں ہے اور اُن کی راہ اگر معلوم کرنی ہو تو اللہ کے فضل کا دامن پکڑو۔ اُس کا دامن اللہ کے احکام ہیں۔ تُو اُن سے وابستہ ہو جا۔ بعض لوگ نیک بخت ہوتے ہیں اور بعض بد بخت۔ اِس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص باغوں اور نہروں سے لُطف اندوز ہے۔ اُس کے پاس ہی ایک شخص گرمی اور پیاس کی تکلیف برداشت کر رہا ہے۔ تکلیف اُٹھانے والا راحت اُٹھانے والے پر متعجب ہے اور راحت اُٹھانے والا تکلیف اُٹھانے والے پر۔ راحت اُٹھانے والا تکلیف اُٹھانے والے سے کہتا ہے کہ تُو بھی اِدھر آ جا کیوں تکلیف اُٹھاتا ہے۔ وہ کہتا ہے: میں اِدھر نہیں آ سکتا ہوں۔ یہی حال مومن اور کافر کا ہے۔ یہ دونوں اپنی اپنی جگہ قائم ہیں۔ نہ یہ اُس کا کہنا مانتا ہے اور نہ وہ اِس کا۔ ہر ایک تقسیمِ خداوندی کے مطابق اپنا حصہ حاصل کر رہا ہے۔
پچھلے زمانے میں ایک حاکم تھا۔ اُس کا ایک غلام سُنقُر نامی تھا۔ صبح کے وقت حاکم کو حمام کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اُس نے سُنقُر کو حکم دیا کہ حمام میں استعمال کا سامان اُٹھا۔ وہ دونوں حمام کی طرف چل پڑے۔ راستے میں مسجد تھی اور سُنقُر کے کان میں اذان کی آواز آئی۔ سُنقُر نماز کا فریفتہ تھا' بولا: اے آقا! آپ اِس دکان پر ٹھہریں کہ میں نماز ادا کر لوں۔ سُنقُر مسجد میں چلا گیا اور آقا دکان پر بیٹھ گیا۔ وہ اپنے غرور کی شراب میں مست تھا' تھوڑی ہی دیر کے بعد پریشان ہو گیا۔ جب امام اور دوسرے نمازی باہر آ گئے تو وہ اور غصے میں آ گیا۔ اِدھر سُنقُر نماز ادا کرنے کے بعد اوراد و وظائف پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ کافی دیر انتظار کرنے کے بعد آقا نے آواز دی کہ تُو باہر کیوں نہیں آتا اور کیا تُو میری آواز سُن رہا ہے؟ تجھے کس نے پکڑا ہوا ہے جو تجھے باہر نہیں آنے دیتا؟ سُنقُر نے اندر سے آواز دی کہ مجھے وہ باہر نہیں آنے دے رہا۔ آقا نے پوچھا: وہ کون ہے؟ جس نے تجھے اندر روکا ہوا ہے اور باہر آنے نہیں دیتا۔ سُنقُر نے جواب دیا کہ یہ وہی ذات ہے جو تجھے مسجد کے اندر آنے سے روکے ہوئے ہے۔
وہ ایک ہی سمندر ہے جو مچھلیوں کو باہر نکلنے سے روکتا ہے اور خشکی کے جانوروں کو اندر آنے سے روکتا ہے۔ ہر چیز اپنی جنس کو کھینچتی ہے اور غیر جنس کو دفع کرتی ہے۔ دریا اور مچھلی کا تعلق ایک ہے لہٰذا دریا مچھلی کو کھینچتا ہے اور خشکی کے

ہر چہ جز عشقِ خدائے احسن ست
خدائے خوب تر کے عشق کے علاوہ جو کچھ ہے

گر شکر خوردیست آں جاں کندن ست
اگر وہ شکر خوری بھی ہو تو جان کنی ہے

جانوروں کی اصل مٹی ہے، پانی غیر جنس ہونے کی وجہ سے اُسے روکتا ہے۔ جنسی غیرت کا قُفل بہت سخت ہوتا ہے، یہ صرف اللہ کے فضل سے ہی کھلتا ہے۔ اِس لئے تم راضی برضاءِ خداوندی ہو جاؤ تب یہ قُفل کھلے گا۔ انسان اگر اپنی کوشش سے یہ قفل نہ کھول سکے تو شیخ کی طرف رُجوع کرے۔ مرید کو جب خود فراموشی حاصل ہو جاتی ہے تو تب شیخ اُس کو یاد کرتا ہے۔ جب مرید شیخ کا غلام بن جاتا ہے تو شیخ اُس کو علائقِ دنیوی سے آزادی عطا کر دیتا ہے۔ اگر اُس آزادی کے طالب ہو اور دل کی زندگی چاہتے ہو تو عبادت اور اطاعت کرو۔ خودی کو چھوڑ کر فنافی اللہ حاصل کرنے پر بقاءِ دوام حاصل ہوتا ہے۔ بچوں سے وصال اِس وقت حاصل ہوتا ہے جب انسان اپنے آپ کو فنا کر ڈالے۔

انبیاء علیہم السلام کا منکروں کے قبول سے مایوس ہو جانا

انبیاء علیہم السلام اُن منکروں کے انکار سے مایوس ہو گئے۔ اُنہوں نے مایوس ہو کر یہ سوچا کہ اِن کو نصیحت کرنا تو ایسا ہی بیکار ہے جیسا کہ ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا یا سوراخ دار پنجرے میں پھونک بھرنا۔ اُنہوں نے پھر سوچا یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے ہے، جب تک اُدھر سے کشش نہ ہو اُن کی ہدایت ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اصل حکمران ہے اور جو کچھ ہے عالَمِ بالا کی طرف سے ہے۔ قضا وقدر کے فیصلے کے پیشِ نظر عمل وسعی کو ترک نہیں کیا جاسکتا۔ ہمیں تو پیغام پہنچانے کا حکم ہے خواہ مفید ہو یا نہ ہو۔ یہ تو مرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ انسان جہنمی ہے یا جنتی لیکن زندگی میں اُس کو عمل کرتے رہنا چاہیے۔ دُنیا کے سارے کاروبار توقع اور اُمید پر مبنی ہیں۔ تجارت کرنے والا سمندری سفر کی تکلیف اِسی لئے برداشت کرتا ہے کہ اُسے اُمید ہوتی ہے کہ وہ اِس طرح نفع کما سکتا ہے۔ جب دُنیا کے کاروبار موہوم نفع کی بنیاد پر چلتے ہیں تو دین کا کاروبار اِس کا زیادہ مُستحق ہے کہ موہوم نفع کی بنیاد پر کیا جائے۔

عبادات، رحمت اور قبولیت کی اُمید پر ہی کرنا ضروری ہے۔ مصائب پر صبر، مقبولیت کا سبب ہے۔ انسان میں جب یہ برداشت پیدا ہو جائے کہ تلخ باتوں سے اُس میں تلخی پیدا نہ ہو تو وہ شہد کی طرح شیریں بن جاتا ہے۔ انسان مصائب جھیل کر ہی پختہ ہو کر خوش ذائقہ بنتا ہے۔ جب چنے کو یہ احساس ہو گیا کہ مصائب تکمیل کا ذریعہ ہیں تو وہ اپنے آپ کو پکوانے کے لئے خندہ پیشانی سے راضی ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح اِن مصائب اور مجاہدوں کے ذریعے ہی ہم آغوشِ رحمت میں راہ پاسکتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور زندگیاں سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہی مظہر ہوتی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ بھی ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اللہ سے نفع حاصل کئے ہوئے ہوتے ہیں، وہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت وہ ہوتی ہے جن کو اَبدال بھی نہیں پہچان سکتے تو عوام اُنہیں کیا پہچانیں گے۔ جو انبیاء علیہم السلام کے لفعے ہیں وہ سب اُن کو حاصل

کسبِ دیں عشق ست و جذبِ اندروں
دین کی کمائی عشق اور باطنی جذبہ ہے

قابلیت نورِ حق داں اے حروں
اے باغی! اصل قابلیت تو نورِ حق ہے

ہیں۔ وہ اولیاء رحمہم اللہ اور اُن کی کرامتیں اللہ کے حریم میں پوشیدہ ہیں اور وہ اللہ کی رحمتوں سے مستفید ہیں۔ دین کے بارے میں تیری سُستی اس لئے ہے کہ تجھے یہ خبر نہیں ہے کہ حضرتِ حق کی رحمتیں ہر وقت اور ہر جگہ تجھے اپنی طرف بُلاتی ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا رُومال کو تنور میں ڈالنا اور اُس کا نہ جلنا

اس حکایت سے یہ حقیقت بتانا مقصود ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کے حکم سے آگ، پانی کا کام کر دیتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے گھر میں ایک شخص مہمان ہوا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ اُن رضی اللہ عنہ کا دستر خوان چکنائی وغیرہ سے پیلا ہو گیا۔ اُنہوں نے لونڈی سے کہا کہ اُسے تنور میں ڈال دو۔ سب مہمان حیران رہ گئے۔ وہ اُس کے دھوئیں کے منتظر تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد اُسے تنور سے نکال لیا تو وہ پاک، سفید اور میل کچیل سے صاف تھا۔ لوگوں نے پوچھا: اے صحابی! یہ جلا کیوں نہیں اور صاف کیسے ہو گیا؟ اُنہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ منہ اس سے پونچھا تھا اب یہ نہیں جلتا۔ اے شریف آدمی! اگر ایک بے جان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب حاصل ہو جانے سے ایسی فضیلت عطا ہو گئی تو عاشق کو کیا کچھ نہ ملے گا۔ اگر کعبے کو اینٹ پتھر ہوتے ہوئے ایسا مقام مل گیا تو انسان کو اِس سے زیادہ شرافت عطا ہو سکتی ہے۔

مہمانوں نے لونڈی سے پوچھا کہ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ تو اِس راز سے واقف تھے "تُو نے کیوں بے سوچے سمجھے رومال آگ میں ڈال دیا؟" لونڈی نے جواب دیا کہ میں یہ سمجھے ہوئی تھی کہ حضرت اُنس رضی اللہ عنہ غلط حکم نہیں دے سکتے تھے۔ میں اللہ کے نیک بندوں سے اُمید رکھتی ہوں کہ یہ کپڑا کیا چیز ہے اگر یہ مجھے بھی حکم دیں کہ آگ میں کود جا' تو میں پکے اعتقاد سے اللہ کے بھروسے پر اپنا سر اُس میں ڈال دوں گی۔ اے دوست! مردوں کا اعتقاد اُس خادمہ سے کم نہیں ہونا چاہیے کہ مرد کا دل اگر اُس خادمہ سے کم درجے پر ہے تو وہ دل نہیں ہے بلکہ پیٹ ہے۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کے اُس قافلے کی فریاد پہنچنا جو کہ پانی کی پیاس سے مَرنے کے قریب تھا

پانی نہ ہونے کی وجہ سے عربوں کے ایک قافلے کی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اچانک وہاں سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ قافلے کے لوگ اور جانور پیاس سے بے حال ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کی حالت پر بہت رحم آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جلدی کرو! اس ٹیلے کے پیچھے پہنچو۔ ایک حبشی ایک اونٹ پر پانی کی مَشک لے کر جا رہا ہے' اُسے اونٹ سمیت

کسب فانی خواہد ایں نفسِ خس
تیرا یہ کمینہ نفس فانی چیزوں کا خواہشمند ہے

چند کسبِ خس کنی بگذار و بس
کب تک تو کمینی کمائی کرے گا، بس اب چھوڑ دے

میرے پاس پکڑ کر لے آؤ۔ وہ لوگ اس حبشی کو پکڑ کر لے آئے۔ اُس نے پوچھا: مجھے کس کے پاس لے کر جا رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا کہ اُس کے پاس لے کر جا رہے ہیں' جو جانوں کے نور ہیں اور مخلوقات میں سب سے بلند مرتبہ ہیں' اُنہوں نے آنحضورﷺ کی تعریف کی۔ حبشی بولا: تو پھر تو یہ وہی جادوگر ہے جس نے کچھ لوگوں کو اپنے جادو سے مغلوب کر لیا ہے۔ میں اُس کے پاس بالکل نہیں جاؤں گا۔ وہ اُسے کھینچ تان کر زبردستی نبی اکرمﷺ کے پاس لے آئے۔ آپﷺ نے پیاسوں سے فرمایا کہ اپنے برتنوں میں اس مشک سے پانی بھر لو۔ خود بھی پی لو اور اونٹوں کو بھی پلا دو۔

آنحضورﷺ کی برکت سے پانی اتنا زیادہ ہو گیا کہ اَبر کو بھی اُس مشک پر رشک آنے لگا۔ حبشی کی ایک مشک سے سارا قافلہ اور جانور سیراب ہو گئے۔ یہ واقعہ غیر معمولی تھا۔ دراصل یہ پانی مشک سے نہیں آ رہا تھا۔ مشک تو ایک پردہ تھا۔ اصل پانی غیبی چشمے سے آ رہا تھا۔ اللہ کی یہ قدرت ہے کہ پانی کو ہوا میں اور ہوا کو پانی میں تبدیل کر دیتی ہے۔ اُس کی قدرت بغیر اَسباب' اشیاء کو عدم سے وجود میں لے آتی ہے۔ چونکہ انسان بچپن ہی سے اشیاء کے وجود کو اَسباب سے متعلق کرتا آیا ہے' اس لئے اُس مشک کو آڑ یا سبب بنا دیا گیا۔

چونکہ ہم مُسبّبُ الاسباب یعنی ذاتِ خداوندی سے غافل ہیں اس لئے اَسباب کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ جب سب اَسباب مُنقطع ہو جاتے ہیں تب انسان اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُس کو پکارتا ہے۔ تب اللہ فرماتا ہے کہ تعجب ہے اب کیوں میری طرف متوجہ ہوا ہے؟ بندہ اپنی عاجزی سے عرض کرتا ہے: الٰہی! میری توبہ' میں اب اَسباب پر سہارا نہیں کروں گا۔ اِس توبہ کرنے والے سے اللہ فرماتا ہے: ہم جانتے ہیں انسان عہد میں بہت کمزور ہے' توبہ کرنے کے بعد بھی وہی کچھ کرنے لگتا ہے جس سے توبہ کی تھی۔ قرآن پاک میں ہے: جہنمی کہیں گے کہ اے رب! ہمیں دُنیا میں لوٹا دے تو ہم نیک کام کریں گے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اگر وہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو پھر پلٹ جائیں گے۔ اللہ فرمائے گا: ''ہمارا کام اِحسان اور وفا ہے' خواہ بندہ بدعہدی اور گناہ ہی کرے''۔ چونکہ انسان نے اصل ذات کا مُشاہدہ نہیں کیا اس لئے اُس کی اَسباب سے وابستگی قابلِ معافی ہے۔ حبشی کے مشکیزے کے پانی کی کثرت کو دیکھ کر قافلے کے لوگ حیران رہ گئے۔

سب کو سیراب کرنے کے بعد آنحضورﷺ نے غلام سے کہا کہ جاؤ۔ حبشی غلام کے دل میں اللہ نے ایمان کا پودا اُگا دیا۔ اُس کی آنکھیں روشن ہو گئیں اور اُس کے سامنے اَسباب کی کوئی حقیقت ہی نہ رہی۔ وہ حبشی غلام اپنی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور اُسے اپنا آقا اور گھر یاد ہی نہ رہے۔ اللہ نے اُس کی حالت میں ہلچل پیدا کر دی اور وہ مقامِ حیرت

عاشقِ صُنعِ خُدا با فر بُوَد
جو اللہ کے فعل کا عاشق ہو وہ بامُراد ہے

عاشقِ مصنُوعِ اُو کافر بُوَد
اور اللہ کی کسی بنائی ہُوئی چیز کا عاشق کافر ہے

میں چلا گیا۔ آنحضور ﷺ نے اُس پر بہت شفقت فرمائی اور حیرت سے اُسے مقامِ صَحو میں لائے۔ اُس نے حضور ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور اُسے اپنے چہرے پر مَلا اور دست بوسی کی۔ اُس حبشی کا رنگ جورات کی طرح سیاہ تھا' دن کی طرح منوّر ہو گیا۔ وہ خوشی کی مَستی میں اس طرح روانہ ہوا کہ اُسے اپنے تن من کی خبر نہ تھی۔ اُسے واپس آنے میں تاخیر ہوگئی تھی۔ اُس کے آقا نے اُسے دیکھا تو حیران رہ گیا۔ اُس نے گاؤں والوں کو بلا لیا کہ اونٹ اور پکھال تو میرے ہیں لیکن کالے چہرے والا غلام کہاں گیا؟ غلام کے چہرے کا نور اُن سب پر غالب آ رہا تھا۔

مالک نے سوچا کہ شاید اس شخص نے غلام کو مار دیا ہو اور اونٹ اُسے یہاں لے آیا ہو۔ آقا نے پوچھا: اے شخص! تو کون ہے اور میرا غلام کہاں ہے؟ اُس نے جواب دیا: اے آقا! میں ہی تیرا غلام ہوں۔ آقا بولا: تُو تو مجھے کوئی تُرک یا یمنی لگتا ہے' حبشی نہیں ہے۔ اُس نے کہا: آقا میں تیرا غلام ہی ہوں لیکن اللہ کی مہربانی کے ہاتھ نے مجھے منوّر کر دیا ہے۔ میں صدر سے ملا ہوں اور اُس نے مجھے بدر بنا دیا ہے۔ آقا نے کہا: میں نہیں مانتا' تُو بتا کہ میرا غلام کہاں ہے اور اُس کے ساتھ کیا ہوا؟ غلام بولا: اے آقا! اگر میں تمہیں وہ سب راز کی باتیں بتا دوں جو مجھے خریدنے کے بعد میرے اور تیرے درمیان ہوئی ہیں تو پھر تو تجھ کو یقین آ جائے گا۔ اگرچہ میری رنگت بدل گئی ہے لیکن رُوح اور اُس کے معاملات تو رنگ و نسل سے مبرا ہیں۔

جس طرح اُس آقا کی نظر محض رنگ پر تھی اور جسم پر تھی اور اس لئے وہ غلام کو نہیں پہچان رہا تھا اسی طرح جو ظاہر بین ہیں اور صرف جسم کو پہچانتے ہیں وہ اولیاء رحمہم اللہ کو نہیں پہچانتے ہیں۔ جس کو پیاس ہوتی ہے وہ مٹکے اور مشک پر نظر نہیں کرتا' وہ پانی کو دیکھتا ہے۔ جو جان کو پہچانتے ہیں وہ تعدُّد اور تشخص سے مُبرّا ہوتے ہیں۔ وہ دریائے وحدت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں۔ رُوح کی پہچان صرف رُوح کے ذریعے ہی ہوتی ہے لہٰذا اپنی رُوح کے ذریعے اولیاء رحمہم اللہ کو شناخت کرو۔ اُن کو اپنا دوست سمجھو اور اُس آقا کی طرح نہ بنو جس نے اپنے غلام کو گمان سے غیر سمجھا۔

اپنی رُوح کو اولیاء رحمہم اللہ کی رُوح کا غیر مت سمجھو۔ دونوں رُوحوں میں وحدت ہے۔ محض اُن کی قرارگاہ کی صورت مختلف ہونے کی وجہ سے بظاہر اختلاف ہے جیسا کہ حقیقتِ ملکیہ نے بال و پَر اختیار کر لئے تو اُس میں پرواز کی قوت آ گئی۔ عقل نے اِدراکِ حق کی شان و شوکت حاصل کر لی۔ چونکہ فرشتے اور عقل میں حقیقی وحدت ہے لہٰذا وہ ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ اُن دونوں میں اس طرح کا اتحاد ہے جیسا کہ ایک چیز کی رُو اور پشت میں اِتحاد ہوتا ہے۔ اِسی اِتحاد کی وجہ سے دونوں اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں مُتحِد ہیں اور دونوں آدم علیہ السلام کے لئے مددگار اور سجدہ کرنے والے ہیں۔ جس طرح

درمیانِ ایں دو فرقے بس خفیست	خود شناسد آنکہ در رُوئیت صفیست
اِن دونوں باتوں میں باریک فرق ہے	لیکن جو پہچانتا ہے وہی تاڑنے میں ممتاز ہے

فرشتے اور عقل میں اتحاد ہے اسی طرح نفس اور شیطان میں اتحاد ہے' اسی لئے یہ دونوں آدم علیہ السلام کے دشمن اور حاسد بنے۔ نفس اور شیطان نے آدم علیہ السلام کا صرف جسم دیکھا تو سجدے سے انکار کر دیا۔ عقل اور فرشتے نے اُن کے نورِ باطنی کو دیکھا تو اُن کے سامنے جھک گئے۔ عقل اور فرشتے کی آنکھیں اُس نور سے روشن ہو گئیں۔ عقل اور فرشتے کی وحدت اور نفس اور شیطان کی وحدت کا بیان اس لئے پوری طرح بیان نہیں ہو سکتا کیونکہ تم اس کے سمجھنے کے اہل نہیں ہو۔ تمہارے سامنے اس بات کی تشریح ایسی ہی ہے جیسے یہودی کے سامنے انجیل کی تلاش یا بہرے کے سامنے سارنگی بجانا۔

اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا، حاجت کی بنا پر پیدا کیا اپنے آپ کو محتاج بناؤ کہ وہ عطا کرے

جو لوگ اسرار سمجھنے کے اہل ہوتے ہیں وہ تفصیل بتائے بغیر معاملات کی اصل حقیقت تک پہنچ جاتے ہیں۔ اصل چیز تو طلبِ صادق اور حاجت کا اظہار ہے۔ اگر وہ موجود ہے تو حقائق خود بخود سمجھ میں آ جاتے ہیں۔ حضرت مریم علیہا السلام کو حاجت اور ضرورت ہوئی تو اللہ نے بچے کے ذریعے تشریح کرا دی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گہوارے میں ہی اُن کی پاک دامنی کے شاہد بن گئے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام' مریم علیہا السلام کے جزوِ بدن تھے اور گواہ بن گئے اسی طرح تمہارا ہر جزوِ بدن قیامت میں تمہارا گواہ بن جائے گا۔ اگر تُو تشریح کا مستحق نہیں ہے تو بڑے سے بڑا مقرر بھی تمہیں نہیں سمجھا سکے گا۔ اللہ نے جو کچھ پیدا فرمایا ہے' وہ مخلوق کی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔ آسمانوں کی تخلیق بھی مخلوق کی ضرورت اور احتیاج کی وجہ سے ہے۔ تو جو بھی محتاج ہو گا اور اُس میں طلبِ صادق ہو گی' وہ ضرور مقصود حاصل کرے گا۔ رحمت کی اصل اور سرمایہ انسان کا اندرونی درد ہے جہاں ضرورت ہوتی ہے وہاں ضرورت کی چیز پہنچ جاتی ہے۔ درد ہو تو دوا حاصل ہو جاتی ہے۔ فقیر ہو تو سامان مل جاتا ہے۔ پانی کی تلاش نہ کر پیاس پیدا کر' پانی خود بخود تیرے پاس پہنچ جائے گا۔

جب بچہ پیدا ہوتا ہے اور اُس کی خوراک صرف دودھ ہوتی ہے تو قدرت اُس کی ماں کے پستان میں دودھ پیدا فرما دیتی ہے۔ تُو بھی اپنی ضرورت کے لئے جدّ وجہد کر۔ ضرورت پیدا کر لے گا تو غیب سے پانی کی آواز آنے لگے گی۔ غرض کہ مطلوب کی فکر میں نہ پڑو' حاجت پیدا کرو' مطلوب خود حاصل ہو جائے گا۔ جب گھاس کو پانی کی ضرورت ہوتی ہے' انسان خود اُس تک پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح تُم حاجتِ حقیقی پیدا کرلو' قدرت خود مطلوب تک پہنچا دے گی۔ رُوحوں کی کھیتی کے لئے ابرِ رحمت' کوثر کا پانی لئے ہوئے موجود ہے۔ صرف تم ضرورت پیدا کرو۔ اللہ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: سَقَاهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُورًا یعنی پلائی اُن کو اُن کے رب نے پاک شراب۔

دلبراں بر بیدلاں فتنہ بجاں معشوق' عاشقوں کی جان کیلئے امتحان ہوتے ہیں	جملہ معشوقاں شکارِ عاشقاں کیونکہ تمام معشوق' عاشقوں کو عشق میں مبتلا کر دیتے ہیں

وہ غلام جس پر نبی اکرم ﷺ نے مہربانی فرمائی، اپنے گاؤں میں پہنچ کر لوگوں کو آنحضور ﷺ کے کرم کی باتیں بتانے لگا۔ وہاں کی ایک عورت آنحضور ﷺ کے پاس آئی۔ دو مہینے کا بچہ اُس کی گود میں تھا۔ بچے نے فوراً کہا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ پر سلام ہو"۔ اُس کی ماں غصے سے بولی: چپ رہ، یہ بات تجھے کس نے سمجھائی؟ بچہ بولا: وہ تو تیرے سر پر ہے لیکن تُو دیکھ نہیں رہی۔ اپنی نگاہ اُوپر کر جبرائیل علیہ السلام وہاں موجود ہیں اور وہی مجھے یہ سب کچھ بتا رہے ہیں۔ وہ مجھے رسول ﷺ کی صفات بتا رہے ہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے بچے سے پوچھا: اے بچے: تیرا نام کیا ہے؟ اُس بچے نے جواب دیا اللہ کے نزدیک میرا نام عبدالعزیز ہے لیکن چند نالائقوں کے نزدیک عبدالعزّیٰ ہے۔ میں عزّیٰ سے بیزار ہوں۔ اُسی وقت جنت سے ایک خوشبو آئی جسے ماں اور بچے دونوں نے سونگھا اور آنحضور ﷺ کے گرویدہ ہو گئے۔ سچ ہے، جس کی تعریف خدائے پاک کرے، اُس کی تصدیق بے جان و جاندار سب کرتے ہیں۔

ایک اور واقعہ سُن لو۔ اذان ہوئی، سب لوگ نماز کے انتظار میں تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی وضو کیا۔ دونوں پاؤں دھوئے اور موزے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ اتنے میں ایک باز نے جھپٹا مارا اور آپ علیہ السلام کے ہاتھ سے موزہ اُچک لیا۔ وہ موزے کو ہوا میں لے گیا اور پھر اُس نے موزے کو اُلٹ دیا۔ اُس میں سے ایک سانپ نیچے گرا۔ باز، موزہ واپس لایا اور عرض کیا کہ میں نے یہ گستاخی خیر خواہی کے لئے کی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اُس کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہم نے تو اسے ظلم سمجھا تھا لیکن درحقیقت یہ بات وفاداری کی تھی۔ اگرچہ اللہ نے ہمیں ہر غیب دکھا دیا ہے لیکن اِس وقت میں تنزلِ اختیاری کی حالت میں تھا۔ باز بولا: مجھے موزے میں سانپ کے ہونے کا انکشاف آپ کے کشف کا عکس اور پرَتَو ہی ہے۔ اِسی طرح اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی صحبت سے کشفِ باطنی حاصل ہو جاتا ہے۔ تاریک دل لوگوں کی صحبت دل کو بے نور بنا دیتی ہے۔ اللہ کے نیک بندوں کا پرَتو نورانی ہوتا ہے اور خدا سے دُور رہنے والوں کا ظلماتی ہوتا ہے۔ انسان کو پریشانیوں سے گھبرانا نہیں چاہئے بلکہ صبر کرنا چاہیے۔ ہر پریشانی کے بعد راحت ضرور آتی ہے۔ کسی بھی تکلیف پر اللہ کے ساتھ بدگمانی نہیں کرنی چاہیے۔ عام لوگوں کے ساتھ تعلقات میں بھی خندہ پیشانی سے کام لینا چاہیے۔ پھول کی پتّیاں اگر بکھر بھی جائیں تو اُن کی مسکراہٹ ختم نہیں ہوتی۔ اللہ کی راہ میں حقیقت یہی ہے کہ انسان اِس بات کا عادی ہو جائے کہ "ہر چہ از دوست می آید نیکوست" یعنی جو کچھ دوست کی طرف سے آتا ہے بہتر ہی ہے۔ وہ عقل قابلِ مُبارک باد ہے جو قضا پر راضی ہو اور اُس پر شکوک و شبہات کا غبار بالکل نہ ہو۔ قرآن میں فرمایا گیا ہے: لِّكَيْلَا تَأْسَوْا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ یعنی کسی فوت شدہ چیز پر غم نہ کرو۔ انسان کی ایک مصیبت بہت سی بڑی مصیبتوں سے نجات کا سبب بنتی ہے۔

ہر کہ عاشق دیدیش معشوق داں
جس کو تُو عاشق دیکھے، اُس کو معشوق سمجھ

کو بہ نسبت ہست ہم ایں و ہم آں
کیونکہ نسبت کی وجہ سے وہ یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک شخص کا جانوروں کی زبان سیکھنے کی درخواست کرنا اور اُن کا اللہ کی اجازت سے قبول کر لینا

ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور عرض کی کہ مجھے حیوانات کی زبان سکھا دیں۔ اُن کی باتوں سے شاید میں کوئی دین کی عبرت حاصل کر لوں کیونکہ انسانوں کی باتیں تو روٹی، پانی اور مکروفریب ہی کے لئے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے حیوانات آخرت ہی کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: یہ خیال نہ کر کیونکہ اس میں بہت سے خطرات ہیں۔ عبرت اور آگاہی کتاب یا گفتگو سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ خدا کا عطیہ ہوتا ہے۔ روکنے سے انسان اور مُصِر ہو جاتا ہے۔ وہ شخص بھی اُن کے پیچھے پڑ گیا۔ اُس کے اِصرار سے عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ کی اور عرض کرنے لگے۔ اللہ نے فرمایا: اُس کو سکھا دو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: الٰہی! اگر اُس کو سکھا دوں گا تو وہ اس کے نتائج سے شرمندہ ہوگا اور افسوس کرے گا۔ بااختیار اور باقدرت ہونا ہر شخص کے لئے بہتر نہیں ہوتا۔ قدرت کا نہ ہونا انسان کو پرہیزگار بنا دیتا ہے۔

فقر میں انسان کو بہت سے گناہوں پر قدرت نہیں رہتی اس لئے فقر باعثِ فخر ہے۔ مال دار اپنے مال کے ذریعے بہت سے گناہوں میں ملوث ہو جاتا ہے اِس لئے مردُود ہوتا ہے۔ مال کی وجہ سے اِس میں غلط قسم کی تمنائیں پیدا ہو جاتی ہیں جن سے وہ فکر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اُس کی یہ عادت ایسی بگڑ جاتی ہے کہ وہ ہر وقت تمناؤں اور خواہشوں میں گھرا رہتا ہے۔ اللہ نے کہا: اب تو وہ جانوروں کی باتیں سمجھنے سے عاجز ہے لیکن اگر ضد کرتا ہے تو اُسے یہ قدرت دے دے۔ انسان کا اِختیار ہی اُس کو جزا اور سزا کا مستحق بناتا ہے۔ بے اختیار کے فعل کا کوئی اِعتبار نہیں ہے۔ عبادات میں چونکہ انسان کو اِختیار حاصل ہے اسی لئے اُن میں خوبی ہے۔ آسمان کی گردش اضطراری ہے اِس لئے اُس پر نہ ثواب ہے اور نہ عتاب۔ اللہ تعالیٰ جب محاسبہ کرے گا تو صرف اِختیاری اَفعال ہی کا کرے گا۔ کائنات کی ہر چیز اللہ کی تسبیح خواں ہے لیکن یہ اُس کی اِضطراری تسبیح ہے اِس لئے اُس کا کوئی ثواب نہیں۔ انسان کو کَرَّمْنَا کی فضیلت اِسی لئے حاصل ہوئی ہے کہ اُس میں بُرائی کی بھی قدرت ہے اور بھلائی کی بھی۔ قرآن پاک میں اللہ نے فرمایا: ''ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی'' نیک عمل کرنے والے دوسروں کے لئے بھی راحت کا سبب بنتے ہیں اور کافر سب کے لئے مصیبت ہوتے ہیں۔ انسان کی جتنی بھی تعریفیں ہوئی ہیں وہ سب اُس کے اِختیاری اَفعال پر ہیں۔ دوزخ میں جا کر دوزخی بھی عبادت کریں گے لیکن وہ اُن کی اِضطراری عبادت ہوگی جو غیر معتبر ہے۔ انسان کو اُس وقت کی قدر کرنی چاہیے جس میں اُسے اِختیار

عشق چوں دعویٰ جفا دیدن گواہ
عشق ایک دعویٰ ہے اور برداشت کرنا اُس کا گواہ ہے

چوں گواہت نیست شُد دعویٰ تباہ
اگر تکلیف کی برداشت کی گواہی نہیں تو تیرا دعویٰ تباہ ہے

حاصل ہے اور وہی اُس کے نفع کا سرمایہ ہے۔ جب قدرت باقی نہ رہے گی تو نیکی کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُسے بہت سمجھایا کہ ایسا تمہارے لئے نقصان دہ ہوگا مگر اُس کے بہت زیادہ اصرار پر اُنہوں نے اُسے مرغ اور کتے کی بولی سمجھنا سکھا دیا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ اللہ کی طرف سے اتنا ہی سکھانے کی اجازت ملی ہے۔ صبح کے وقت آزمائش کرنے کے لئے وہ گھر کے دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ خادمہ نے اندر سے دستر خوان لا کر جھاڑا اور اُس میں سے بچا ہوا روٹی کا ٹکڑا گرا۔ مرغ نے فوراً وہ ٹکڑا اُچک لیا۔ کتے نے اُسے کہا کہ تم ظالم ہو، تُو تو مٹی میں سے گرے پڑے دانے تلاش کر لیتا ہے اور میں ایسا کرنے سے عاجز ہوں۔ اگر تُو روٹی کا ٹکڑا چھوڑ دیتا تو اُسے میں کھا کر گزارہ کر لیتا۔ مرغ نے کہا: غم نہ کر کیونکہ اللہ اِس سے بہتر بدلہ دے گا۔ کل آقا کا گھوڑا مر جائے گا تم گوشت کھانا۔ اُس شخص نے جب یہ سُنا تو فوراً گھوڑا فروخت کر دیا اور مرغ، کتے کے سامنے شرمندہ ہوا۔
دوسرے دن پھر مرغ روٹی کا ٹکڑا لے اُڑا۔ پھر مرغ اور کتے کے درمیان وہی گفتگو ہوئی۔ اِس مرتبہ مرغ نے کتے سے کہا کہ وہ گھوڑا دوسری جگہ جا کر مر گیا ہے۔ لیکن کل اُس کا خچر مر جائے گا اِس لئے تیرا پیٹ یقیناً بھر جائے گا۔ اُس شخص نے اُس دن خچر بھی بیچ دیا۔ تیسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ ہوا۔ کتا مرغ سے بولا: اے جھوٹوں کے سردار: تُو مجھے بھوکا مارنے پر تُلا ہوا ہے۔ مرغ بولا: اُس نے خچر جلدی سے بیچ دیا اور وہ وہاں جا کر مر گیا لیکن کل اُس کا غلام مر جائے گا۔ خوب روٹیاں پکیں گی جو کتوں میں اور مانگنے والوں میں تقسیم کی جائیں گی۔ اُس شخص نے غلام کو بھی بیچ ڈالا اور نقصان سے بچ گیا اور اپنی جانوروں کی باتیں سمجھنے کی خوبی کی وجہ سے بہت خوش تھا کہ جب سے یہ بولی سیکھی ہے بُری قضا کی آنکھ سے بچ گیا ہوں۔ اگلے دن ٹکڑے سے محروم کتے نے کہا: او بکواسی مرغ! تُو کب تک مجھ سے چکر کرے گا اور جھوٹ بولے گا؟ مرغ بولا: میری قوم جھوٹ نہیں بولتی۔ ہمیں اگر کہیں بند بھی کر دیا جائے تو مؤذن کی طرح صبح وقت پر اذان دے دیتے ہیں۔
جس طرح مرغ آسمانی سورج کے طلوع ہونے سے آگاہ ہو جاتا ہے اِسی طرح اولیاء رحمہم اللہ حق تعالیٰ کے پاسبان ہیں اور انسانوں میں جو اُسرار خداوندی ہیں اُن کو پہچان لیتے ہیں۔ مرغ سے تو کبھی کبھار غلطی ہو ہی جاتی ہے اور معصوم تو صرف انبیاء علیہم السلام ہیں یا جبرائیل علیہ السلام جو وحی لاتے تھے۔ مالک نے مرغ کی بات کو سُن کر غلام کو بیچ دیا اور غلام دوسرے گھر میں جا کر مر گیا۔ مالک نقصان سے بچ گیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ آگے قضا اُس کے لئے کیا انتظام کر رہی ہے۔ یاد رکھو! اگر تیرے مال کا کچھ نقصان ہوتا ہے تو غم نہ کر اُس میں کوئی نہ کوئی نفع ضرور ہوتا ہے۔ کتے کے بُرا بھلا کہنے سے مرغ نے

عشق چوں دعوی جفا دیدن گواہ عشق ایک دعوی ہے اور برداشت کرنا اُس کا گواہ ہے	**چوں گواہت نیست شد دعوی تباہ** اگر تکلیف کی برداشت کی گواہی نہیں تیرا دعوی تباہ ہے

بتایا کہ فکر نہ کرو مالک اپنے نقصان دوسروں پر ڈالتا رہا ہے لیکن اب وہ خود کل مر جائے گا۔ اُس کے غم میں وارث گائے ذبح کریں گے۔ کل تجھے خوب چکنی غذا کھانے کو ملے گی۔ وہ بے وقوف اپنی تھوڑی سی تکلیف سے بھاگا لیکن نتائج پر نگاہ نہ رکھی۔

درویشوں کے مجاہدے اور جسم کی بے آرامی اسی وجہ سے ہوتی ہے کہ اُن کا نفع حاصل ہو۔ انسان جو کچھ بھی کرتا ہے بدلے کے لالچ میں کرتا ہے۔ بے غرض کام تو اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ چونکہ اخلاق خداوندی حاصل کر لیتے ہیں۔ اِس لئے اُن کے کام بھی بے غرض ہوتے ہیں۔ اللہ کے کام بے غرض اِس لئے ہیں کہ وہ بے نیاز ہے اور انسان کے کام غرض پر اس لئے ہیں کہ وہ محتاج ہیں۔ بچہ بھی جب تک ایک دوسری اچھی چیز نہیں دیکھ لیتا پہلی چیز کو نہیں چھوڑتا۔ دُنیا کے سارے کام عوض اور بدلے کی بنیاد پر چلتے ہیں۔ ہم کسی کو سلام کرتے ہیں تو بدلے میں اُس کے سلام کا انتظار ضرور کرتے ہیں۔ صرف اللہ کی طرف سے جو سلام بھیجا جاتا ہے وہ غرض سے خالی ہوتا ہے۔ تُو بھی اُس سلام کی جستجو کر۔ میں نے اہل اللہ کی زبان سے اللہ کا پیام و سلام سُنا ہے۔ میں اُسی سلام کی توقع پر عوام کا سلام دل و جان سے قبول کرتا ہوں اور سنتا ہوں کہ شاید اُن ہی میں سے کوئی اس طرح کا سلام ہو۔ اہل اللہ کا سلام اللہ کا سلام اِس وجہ سے ہو جاتا ہے کہ اُنہوں نے اپنے آپ کو فنا کر دیا ہے اور اب وہ فنافی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ اِس لئے اُن کی زبانوں پر اَسرارِ خداوندی ہوتے ہیں۔ مجاہدوں اور ریاضتوں سے جسم کو فنا کیا جاتا ہے تو رُوح زندہ اور قوی ہو جاتی ہے۔ اہل اللہ کو یہ درجہ اسی لئے حاصل ہوتا ہے۔

جانوروں کی بولی سیکھنے والے نے جب مرغ کی زبانی اپنی موت کی خبر سُنی تو گھبرا گیا اور فوراً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دوسری چیزوں کو فروخت کر کے جس طرح تُو نقصان سے بچتا رہا ہے اِسی طرح اب اپنے آپ کو بھی فروخت کر دے۔ تُو نے اپنا نقصان دوسروں کے گلے ڈالا۔ یہ باتیں جب تک بھید میں تھیں میں اِسی وقت سمجھ گیا تھا لیکن تُو اپنے بُرے انجام کو اب سمجھا ہے۔ وہ کہنے لگا: مجھے اب اور شرمندہ نہ کریں۔ میں بہت نالائق ہوں میں نے نالائقی کی لیکن آپ مہربانی فرما کر اچھا بدلہ عطا کر دیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے کہا: اللہ کی سُنّت عام طور پر یہی ہے کہ قضا و قدر نہیں ٹلتی ہے لیکن میں انصاف کرنے والے سے یہی کہوں گا کہ مرتے وقت تُو ایمان ساتھ لے جائے۔ ایمان کے ساتھ جائے گا تو ٹھیک رہے گا۔ مومن کی اصل زندگی حاصل ہو جائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ اُسے متلی شروع ہو گئی اور نزع کی کیفیت طاری ہو

دل مگر مُہرِ سُلیماں یافتہ است
دل کو شاید مُہرِ سُلیمانی مل گئی ہے

کو مُہارِ پنج حس بر تافتہ است
جس نے پانچوں حواس کی مُہار موڑ رکھی ہے

گئی۔ اے انسان! تُو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت سُن لے اور قضا و قدر سے ٹکرانے کی کوشش نہ کر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اُس کے لئے دُعا کی' یاالٰہی! اِس گنہگار کی خطا پر گرفت نہ فرما اور اپنی شہنشاہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُسے معاف فرما دے۔ اُس نے زیادتی کی ہے' میں نے اُسے بہت سمجھایا لیکن یہ نہ مانا۔ اژدہے پر صرف اُس شخص کو ہاتھ ڈالنے کا حق ہے جس کی لاٹھی اژدہا بننے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ اِسی طرح جو اپنے ہونٹ بند نہیں رکھ سکتا اُس کے لئے غیب کے راز جاننا مناسب نہیں ہے۔ یہ شخص اہل نہ تھا' راز سے واقفیت حاصل کر کے تباہ ہوا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دُعا پر اللہ نے فرمایا: ہم نے اُسے ایمان عطا کیا۔ اگر تم چاہو تو ہم اُسے دوبارہ زندگی بخش دیں اور صرف اُسے ہی نہیں بلکہ تمام مُردوں کو زندگی بخش دیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: یاالٰہی! یہ دُنیا تو فنا کی جگہ ہے۔ اگر زندہ ہو بھی گیا تو پھر مرے گا۔ اِس لئے اُسے دائمی زندگی بخش دے اور دوسرے مُردے بھی جو آپ کے دربار میں حاضر ہو چکے ہیں اُن پر بھی رحم فرما کیونکہ قرآن میں فرمایا گیا ہے "یقیناً تمام مخلوق ہمارے سامنے حاضر شُدہ ہے"۔ اے لوگو! سمجھ لو کہ جسم اور مال کا نقصان جان کے لئے نفع اور وبال سے رہائی کا سبب بنتا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ مجاہدے کر کے جسم کو گھٹائے تاکہ رُوح کا بڑھاؤ حاصل ہو جائے چونکہ جسم کے گھٹاؤ سے رُوح کی بالیدگی ہوتی ہے۔ اِسی طرح انسان کو قدرتی طور پر جو جسمانی تکالیف پہنچتی ہیں وہ بھی اختیاری مجاہدوں کا کام کرتی ہیں اُن پر انسان کو صبر اور شکر کرنا چاہیے۔ جو جسمانی مصائب بحکمِ خداوندی پہنچتے ہیں وہ ریاضت اور مجاہدے کا کام کرتے ہیں۔ گو اللہ نے اپنے حکم سے مجاہدے پر لگا دیا ہے اِس لئے وہ مصائب شکریے کا سبب ہیں۔

ایک عورت کی اولاد کا زندہ نہ رہنا، اُس کا اللہ سے شکوہ اور اللہ تعالیٰ کا اُسے جواب

اِس حکایت کو سنو اور اِس سے نصیحت حاصل کر لو۔ ایک عورت ہر سال بچہ جنتی لیکن وہ چھ ماہ کا بھی نہ ہوتا کہ مر جاتا۔ وہ عورت روئی کہ اے خداوندا! میں نو ماہ تک حمل کی مصیبت جھیلتی ہوں اور صرف تین چار ماہ اپنے بچے سے خوشی حاصل کرتی ہوں۔ اُس عورت کے لگاتار بیس بچے اِسی طرح مرے تو اُن مصائب نے اِس کے لئے مجاہدوں کا کام کیا اور اُس پر اَسرارِ غیب نمودار ہونے لگے۔ ایک رات خواب میں اُس نے جنت دیکھی۔ حدیثِ قُدسی ہے کہ "میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے وہ چیزیں تیار کی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا اور نہ وہ کسی کے دل میں گزریں"۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح اپنے نور کو چراغ محض انسانوں کے فہم کے لئے فرما دیا ہے اِسی طرح جنت کا بھی ذکر ہے۔ دراصل جنت کی حقیقت انسانی فہم سے

پنج حسے از بروں میسورِ اُو
باہر کے پانچوں حواس اُس کے تابع ہیں

پنج حسے از دروں مامورِ اُو
اندر کے پانچوں حواس اُس کے محکوم ہیں

بالاتر ہے۔ وہ عورت اُس (جنت) کو دیکھ کر اُس کی تجلّی سے مست ہوگئی۔

اُس نے ایک محل پر اپنا نام لکھا ہوا دیکھا۔ اُس کو وہاں بتایا گیا کہ یہ نعمت تمہیں دینے کے لئے بنائی گئی تھی لیکن تم عبادات میں ذرا کاہل تھیں۔ اللہ نے تمہارے لئے یہ مصیبتیں مقدر کر دیں تاکہ وہ عبادت کے قائم مقام بن جائیں۔ جب تک اَسرارِ غیبی کی دیکھنے والی آنکھیں میسر نہ آجائیں انسان، انسان نہیں بنتا۔ جس قدر مصائب ہیں اُن میں حکمتیں ہیں اور وہ مصائب بسا اوقات انسان کے فائدے کے لئے نازل کئے جاتے ہیں۔ اس طرح سمجھو کہ کسی شخص میں خون کی زیادتی تھی لیکن وہ فصد نہیں کھلوا رہا تھا۔ قدرت نے اُس کی نکسیر جاری کر دی جس سے وہ بخار سے بچ گیا۔ ہر پھل میں مغز ہوتا ہے جو چھلکے سے افضل ہے۔ اِسی طرح انسان میں مغز ہے جو رُوح ہے اور چھلکا اُس کا جسم ہے۔ اگر انسان، آدم علیہ السلام کی اولاد ہے تو اُس کو اپنے باپ کی طرح رُوح کا مربی اور طالب بننا چاہیے۔ حفاظت کی چیز رُوح ہے، جسم نہیں۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا لڑائی میں بغیر زرہ کے لڑنا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا تھے۔ جنگ کے زمانے میں ہمیشہ بغیر زرہ کے لڑائی میں جاتے تھے۔ حالانکہ جوانی کے زمانے میں وہ ہمیشہ زرہ پہن کر لڑائی میں جایا کرتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا! آپ اپنے آپ کو جان بوجھ کر ہلاکت میں نہ ڈالیں۔ جب آپ جوان تھے تو اپنی پوری حفاظت کیا کرتے تھے۔ آپ جانتے ہیں تلوار تو یہ نہیں دیکھتی کہ مقابل جوان ہے یا بوڑھا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ قتل ہو جائیں۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض حاصل ہونے سے پہلے میں اس موت کو موت سمجھتا تھا اور اب اِس موت کو ابدی زندگی سمجھتا ہوں۔ اب مجھے دنیاوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں بالکل حقیر نظر آتی ہے۔ اب عالمِ غیب کا میدان دیکھتا ہوں جس میں خیمہ در خیمہ اللہ کے نور کے سپاہی مقیم ہیں۔ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا شکر گزار ہوں جن کی وجہ سے مجھے عالمِ غیب کے اَسرار نظر آتے ہیں۔ جو شخص شہادت اور موت کو ہلاکت سمجھتا ہو اُس کے لئے "لَا تُلْقُوْا" کا حکم ہے اور جو شخص موت اور شہادت کو اَسرارِ غیبی کا دروازہ کھلنا سمجھتا ہے اُس کے لئے "سَارِعُوْا" کا حکم ہے۔ وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ "اور تم جلدی کرو اپنے ربّ کی جانب سے مغفرت کی طرف"۔

اِس کا مطلب ہے کہ یہ موت خود نعمت کی طرف دعوت ہے۔ اُن لوگوں کے لئے ہے جو اِس کو اللہ کی مہربانی سمجھتے

ہمچنیں ہر پنج حس چوں نایزہ — بر مُرادِ امرِ دل شُد جایزہ

اسی طرح پانچوں حواس ٹونٹی کی طرح — دل کی مُراد کے مطابق چلنے والے بن گئے ہیں

ہیں۔ جو لوگ موت کو مصیبت سمجھتے ہیں اُن کے لئے یہ بلا ہی ہے۔ جو موت کو یوسف علیہ السلام کی طرح محبوب سمجھتا ہو وہ اُس پر جان قربان کر دیتا ہے۔ موت ہر انسان کے ساتھ وہی معاملہ کرتی ہے جس کی وہ موت سے توقع رکھتا ہے۔ جو اُسے دوست سمجھتا ہے اُس کے ساتھ دوستوں کا معاملہ کرتی ہے۔ جو اُس کو دشمن سمجھتے ہیں اُن کے ساتھ دشمنوں کا سا معاملہ کرتی ہے۔ موت کی مثال آئینہ کی سی ہے۔ انسان جیسا خود ہے ویسا ہی اُس کے لئے آئینہ ہے۔ اگر خود حسین ہے تو آئینہ بھی اُس کے لئے حسین ہے اور اگر خود کالا اور بھدا ہے تو آئینہ میں بھی کالا اور بھدا ہی ہوگا۔ جو موت سے ڈرتا ہے تو دراصل اپنے آپ سے ہی ڈرتا ہے۔ اگر انسان خود بھیانک ہے تو اُس کو موت بھی بھیانک نظر آئے گی۔ موت کی اچھائی بُرائی خود انسان کی اندرونی اچھائی بُرائی کی طرح ہے اور جو اچھائی یا بُرائی انسان کو پیش آتی ہے وہ خود اُس کی اپنی کاشتہ اور پرداختہ ہوتی ہے۔ انسان کے اَفعال کی جزا اور سزا صورت کے اِعتبار سے مُشابہ نہیں ہوتی جیسے کام کی اُجرت اور اُس کا معاوضہ مُشابہ نہیں ہوتے۔

اگر انسان دُنیا میں کسی بُرائی سے مُتّہم ہوتا ہے تو وہ ضرور کسی ایسے مظلوم کی بددُعا کا نتیجہ ہوتا ہے جس پر اُس نے ظلم کیا ہو۔ اگر تُو کہے کہ میں نے تو کسی پر تہمت نہیں دھری' مجھے سزا تہمت کی صورت کیوں ملی؟ تو یہ تیری غلطی ہے۔ تُو نے کوئی نہ کوئی دانہ بویا جس کا پھل پایا۔ حالانکہ دانہ اور پھل میں بھی کوئی مُشابہت نہیں۔ انسان کے نُطفہ کے نتیجے میں جو بچّہ پیدا ہوتا ہے وہ کبھی تو خدمتگار اور مددگار ہوتا ہے اور کبھی سانپ کی طرح مُوذی۔ اگر انسان کا نُطفہ سانپ بن سکتا ہے تو لاٹھی سے سانپ بننے پر تعجب کیوں ہے۔

انسان کی عبادت کا ثمرہ جنت ہے اور جو نیک اعمال وہ کرتا ہے وہ پرندوں کی شکل میں جنت میں ہوں گے۔ انسان جو کارِ خیر کرتا ہے اُسے درختوں کی صورت جنت میں ملیں گے۔ عبادت کا ذوق' شہد کی نہر اور عشقِ الٰہی کی مَستی وشوق' شراب کی نہر بنے گا۔ ان نہروں کے اَسباب نہروں کے مُشابہ نہیں ہیں۔ یہ سب چیزیں اور اُن کے اَسباب جس طرح اب بندوں کے اِختیار میں ہیں' جنت میں بھی اُن کے اِختیار میں ہونگے۔ جس طرح دُنیا کی اشیاء انسان کو جلاتی ہیں تو دوزخ کی آگ بھی جلائے گی۔ انسان کی وہ باتیں جو دوسرے لوگوں کے لئے سانپ اور بچھو کا کام کرتی ہیں وہ ہی دوزخ کے سانپ اور بچھو بنیں گی۔ انسان دُنیا میں لوگوں کو دھوکے دے کر پریشان کرتا تھا اِسی طرح دوزخ میں خود کو پریشان دیکھے گا۔ دوستوں سے جھوٹے وعدے کر کے اُن کو انتظار کی تکلیف میں مبتلا کر کے منتظر بناتا تھا اب خود (حساب کے) انتظار کی تکلیف اُٹھائے گا۔ انسان اپنے غصّہ کی آگ کو بجھانا چاہے گا تو وہ راکھ میں دب جائے گی اور کسی بھی

ہر طرف کہ دل اشارت کرد شاں　　　میرود ہر پنج حس دامن کشاں

جس طرف دل نے اُن کو اشارہ کیا　　　پانچوں حواس نازو انداز سے اُسی طرف روانہ ہو جاتے ہیں

وقت پھر نمودار ہو جائے گی۔ دین کے نور کو غصے کی آگ کو بجھانے والا پانی سمجھو اگر وہ حاصل ہو جائے تو پھر آگ سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پانی، آگ کو بجھاتا ہے اس لئے آگ، پانی کی پیداوار کو جلاتی ہے۔ تُو اپنے آپ کو اہل اللہ کے پاس لے جا جو کہ پورے کے پورے نور میں غرق ہیں لیکن یہ بات خوب سمجھ لو کہ حقیقی اہل اللہ اور بناوٹی بظاہر یکساں نظر آتے ہیں لیکن دونوں متضاد ہیں، اگر ایک پانی ہیں تو دوسرا تیل جو آگ کو اور پھیلا دیتا ہے۔ حقیقی شیخ اور بناوٹی میں بہت فرق ہوتا ہے۔ اُن کی مثال الہام اور وسوسہ کی ہے۔ الہام اور وسوسہ دونوں دل کے بازار میں آ کر اپنے اپنے سامان کی تعریف کرتے ہیں تا کہ انسان اُن کی طرف راغب ہو جائے۔ اِس لئے کوئی بھی سودا کرتے وقت تین دن تک غور کر لو۔

حدیث میں ہے کہ ایک صحابی نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میں کاروباری ہوں اور معاملے میں دھوکا کھا جاتا ہوں۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ تم معاملہ کرتے وقت یہ کہہ دیا کرو کہ تین دن تک کا اختیار مجھے ہے۔ کوئی معاملہ جلد بازی میں نہ کرو۔ حدیث شریف میں ہے ”توقف کرنا اللہ کی جانب سے اور جلد بازی شیطان کی جانب سے ہے“۔ کتے کو بھی لقمہ ڈالو تو وہ بھی کھانے سے پہلے سونگھتا ہے۔ اِسی طرح ہمیں عقل کے ذریعے ہر بات کو پرکھ لینا چاہیے۔ خدا کو یہ قدرت حاصل ہے کہ ایک لمحہ میں سینکڑوں مکمل انسان پیدا کر دے لیکن اُس کا عمل بتدریج ہوتا ہے۔ اللہ کے عمل میں آہستگی انسانوں کی تعلیم کے لئے ہے کہ وہ بھی اپنے کاموں میں یہی طریقہ استعمال کریں۔ جس طرح عمل اور اُس کے نتیجے میں مُشابہت ضروری نہیں ہے۔ اِسی طرح یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ بظاہر دو عمل صورت میں یکساں ہو سکتے ہیں لیکن اُن کے نتائج مختلف ہوتے ہیں۔ بہی اور سیب کا بیج صورت میں یکساں ہوتے ہیں لیکن نتیجے مختلف ہیں۔ اِسی طرح انسانوں کے جسم اور صورتیں یکساں ہیں لیکن اعمال کے نتائج رُوح پر مختلف مُرتب ہوتے ہیں۔ اِسی طرح نیک اور بد کی موت یکساں نظر آتی ہیں لیکن موت کے نتائج ہر شخص پر مختلف مُرتب ہوتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خوشی اور مستی میں وصال

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کمزور ہو گئے اور اُن کے چہرے پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ اُن کی بیوی نے دیکھا تو کہا کہ ہائے میں لٹ گئی۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے: نہیں یہ خوشی کا موقع ہے۔ اب تک میں اس زندگی سے مصیبت میں تھا۔ تُو کیا جانے موت کس قدر عیش اور اچھی چیز ہے۔ اُن کا چہرہ گلاب جیسا ہو رہا تھا۔ اُن کی آنکھوں کا نور اِس بات کی گواہی دے رہا تھا۔ جن لوگوں کا دل سیاہ ہے اور بلال رضی اللہ عنہ کو سیاہ رُو کہتے ہیں، انہیں معلوم نہیں کہ کالا رنگ حقارت کی دلیل نہیں ہے۔ آنکھ کی پتلی سیاہ لیکن اُس کی فضیلت بے حد ہے۔ بلال رضی اللہ عنہ کو آنکھ کی پتلی جیسا افضل وہی

چُوں خُدا خواہد کہ ماں یاری کُند
جب خُدا ہماری مدد کرنا چاہتا ہے

میلِ مارا جانب زاری کُند
تو ہمیں انکساری کی طرف مائل کر دیتا ہے

ذاتِ گرامی کہہ سکتی ہے۔ جس کو خود تمام انسانوں میں وہی مرتبہ حاصل ہو جو آنکھ کی پتلی کو تمام اعضاء میں حاصل ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے حقیقی اوصاف تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھ سکے۔ دوسرے لوگ اُن کے صحیح مرتبے کو حقیقی طور پر نہیں جان سکتے صرف تقلیدی طور پر اُن کو جانتے ہیں۔ بیوی بولی: آپ تنہا رخصت ہو کر مسافر بن رہے ہیں۔ اپنے خاندان اور گھر والوں سے دُور ہو رہے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایسا نہیں ہے، آج کی رات میری جان مسافرت سے وطن کو جا رہی ہے۔ بیوی بولی: یہ بڑے دُکھ اور غم کا مقام ہے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ بولے: نہیں یہ بڑی خوش نصیبی ہے۔ بیوی بولی: اب ہم آپ کا چہرہ کہاں دیکھیں گے؟ اُنہوں نے فرمایا: اب میں خدا کے حلقہ میں ہوں گا۔ خدا کا حلقہ ہر ایک کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ اگر تُو اپنی نظر بند رکھے اور پستی کی طرف نہ جائے تو اِس حلقہ میں رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کا نور اس طرح چمکتا ہے جیسے انگوٹھی میں نگینہ۔ میں اب مَعارف اور اَسرار کا خزانہ بن گیا تھا اور اس جسم میں اُسے سنبھالنے کی گنجائش نہیں تھی۔ میں جب تک گدا تھا میری رُوح اس حقیر جسم میں رہ سکتی تھی، اب جبکہ میں مَعارف کا شاہ بن گیا ہوں تو اب وسیع جگہ کی ضرورت ہے کہ انبیاء علیہم السلام اسی وجہ سے دُنیا کو ترک کر کے آخرت کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

جو لوگ مردہ دل ہوتے ہیں اُن کے لئے یہ دُنیا ہی شان و شوکت والی ہے۔ یہ اہلِ دُنیا کے لئے وسیع لیکن اہلِ باطن کے لئے تنگ ہے۔ اگر یہ دُنیا تنگ نہیں ہے تو پھر اس کے باشندوں میں ہنگامہ آرائی کیوں ہے؟ یہاں کی تنگی کا احساس اس وقت ہوتا ہے جب انسان سوتا ہے۔ وُسعت کے باوجود یہ دُنیا ہمیں کبھی کبھی تنگ محسوس ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ظالموں کے چہرے بظاہر خوش باش نظر آتے ہیں لیکن اُن کی رُوح تنگی کی وجہ سے آہ و فغاں کر رہی ہوتی ہے۔ اولیاء اللہ رحمہم اللہ کی رُوح عالَمِ بیداری میں بھی اِسی طرح آزاد ہوتی ہے جس طرح عوام کی رُوح نیند کے وقت۔ اُن کی مثال اصحابِ کہف کی سی ہوتی ہے جو دُنیا کے لحاظ سے نیند میں تھے اور آخرت کے اِعتبار سے بیدار تھے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا زندگی کی حالت میں رُوح اِس جسم میں ٹیڑھی میڑھی رہتی ہے جیسے بچّہ ماں کے پیٹ میں ٹیڑھا میڑھا ہوتا ہے۔ بدن پر موت کی تکلیف ایسی ہی ہے جس طرح بچّہ پیدا ہونے میں ماں کو دردِ زہ کی تکلیف ہوتی ہے۔ موت کے بعد رُوح ملاءِ اعلیٰ کی سَیر کرتی ہے۔ موت کی تکلیف جسم کو ہوتی ہے اور رُوح اِس درد کی وجہ سے قید سے آزاد ہو جاتی ہے۔ اس دُنیا میں ہر انسان دوسرے کے درد سے نا آشنا ہے سوائے اہل اللہ کے جو کہ اللہ کی رحمت سے ہر اَحوال سے باخبر ہوتے ہیں۔

اے خُنک چشمیکہ اُو گریانِ اُوست
بڑی مُبارک ہے وہ آنکھ جو اُس کے لیے روتی ہے

وے ہمایوں دِل کہ اُو بریانِ اُوست
اور وہ دل بہت مُبارک ہے جو اُس کے لیے جل بھن رہا ہے

سُستی اور غفلت سب جسم کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ارضی اور سفلی ہے

انسان کی سب خصلتیں مادی بدن کی وجہ سے ہیں۔ چونکہ زمین فلک کے درمیان ہے لہٰذا اُس کے جس حصے پر سورج کی روشنی پڑتی ہے وہاں دن ہوتا ہے ورنہ رات۔ اب اگر زمین اس دائرے سے خارج ہو جائے تو پھر اُس کی یہ صفت بدل جائے گی۔ اسی طرح اگر مجاہدات کے ذریعے جسمانی حجاب رفع کر دیا جائے تو رُوح ہمیشہ منوّر رہے گی اور اُس پر غفلت کے آثار طاری نہیں ہوں گے۔ تمام کدُورات جسم ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ رُوح اُن کا مخزن نہیں۔ چہرے کا رنگ انسانی حالات کے اَسباب کی وجہ سے کبھی سُرخ، کبھی زرد، کبھی سفید ہوتا رہتا ہے۔ اِسی طرح رُوح میں بھی کدُورتیں مختلف اَسباب کی وجہ سے پیدا ہوتی رہتی ہیں ورنہ وہ خود مصفّٰی شے ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب انسان مجاہدات کے ذریعے دوبارہ اصل حیات حاصل کر لیتا ہے تو اَسباب کو لات مار دیتا ہے اور مُسبّبُ الاَسباب ہی کو مؤثرِ حقیقی سمجھنے لگتا ہے۔ جب تک ایسا نہیں ہوتا انسان اَسباب ہی کے مؤثر ہونے پر جما رہتا ہے۔ اَسباب سے بے نیاز ہو جانے سے رُوحیں ملاءِ اعلیٰ کی سیر کرتی رہتی ہیں۔ جس طرح دوسری رُوحیں اور عقلیں لامکان میں رہتی ہیں یہ بھی لامکانی بن جاتا ہے۔ ایسی کامل رُوح کے سامنے ہماری عقلیں ہیچ ہیں اور اِس رُوحِ کامل کا اِلہام نَص کی طرح ہوتا ہے۔ وہ شخص جو قرآن اور حدیث میں مذکورہ احکام سے اُن چیزوں پر حکم لاتا ہے جن کا حکم قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ اُس کے پاس اگر کوئی قرآن کی آیت یا حدیث بطورِ نَص کے موجود ہوتی ہے تو وہ اُس کے ذریعے حکم بیان کرتا ہے ورنہ کسی نَص پر قیاس کر کے حکم جاری کرتا ہے۔ رُوحِ قُدسی کا احساس بھی بمنزلہ نَص کے ہے اور ہماری عقل وادراک بمنزلہ قیاس کے ہے جو نَص میں مؤثر ہے اور عقل کی تدبیر رُوح کی تاثیر سے ہے۔ اگر رُوح نے عقل میں تاثیر بھی کر دی ہے تب بھی عقل مؤثر ہے اور عقل کی تدبیر رُوح کی تاثیر سے ہے۔ اگر رُوح نے عقل میں تاثیر بھی کر دی ہے تب بھی عقل کو رُوح کی ہمسری مناسب نہیں ہے۔ اِس میں وہ اَسباب وعلامات کہاں ہیں، جو رُوح میں ہیں۔ عقل بسا اوقات رُوح کی تاثیر کو رُوح سمجھ بیٹھتی ہے۔ یہ اُس کی غلطی ہے۔

تاثیر اور رُوح میں وہی فرق ہے جو سورج اور اُس کے نور میں ہے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ نور اور چیز ہے اور سورج دوسری چیز ہے تو سالک کو صرف نور پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ سورج تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دُنیا میں جو آثارِ قدرت ہیں وہ فانی ہیں لیکن جس کا وصول ذات تک ہو جائے گا وہ دائمی نور میں مُستغرق رہے گا۔ اب نہ اُس کی

از پئے ہر گریہ آخر خندہ ایست ہر رونے کے بعد بالآخر ہنسی ہے	**مردِ آخر بیں مُبارک بندہ ایست** انجام پر نظر رکھنے والا مُبارک انسان ہے

جسمانی کثافتیں نور سے مانع ہوں گی اور نہ مظاہرِ قدرت کا فنا ہونا اُس کے لئے فراق کے غم کا سبب بنے گا۔ ایسا شخص وہی ہوگا جو لاہُوتی ہوگا یا اگر وہ ناسُوتی ہے تو اُس نے مجاہدوں کے ذریعے اپنے ناسُوتی پن کو ختم کر دیا ہے۔ خاکی اور ناسُوتی' ذات کے جلووں کی تاب نہیں لا سکتا۔ اُس کو اِس طرح سمجھو کہ اگر سورج زمین پر ہمیشہ چمکے تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی اور اِس میں کوئی چیز اُگانے کی طاقت ہی نہیں رہے گی۔ مچھلی چونکہ آبی چیز ہے' وہ دائمی طور پر پانی کو برداشت کر سکتی ہے۔ سانپ خشکی کی چیز ہے' وہ ہمیشہ سمندر میں نہیں رہ سکتا۔

اِسی طرح لاہُوتی اور ناسُوتی کو سمجھو۔ کبھی ناسُوتی مکارِ لاہُوتی بننے کی کوشش کرتا ہے تو بحرِ وحدت اُس کو رُسوا کر دیتا ہے۔ ہاں ایسے لاہُوتی انسان ہوتے ہیں' جو ناسُوتیوں کو لاہُوتی بنا دیتے ہیں۔ اگر تُو ناسُوتی ہے تو لاہُوتیوں کی محبت اختیار کر' وہ تجھے دریائے وحدت میں تیرنا سکھا دیں گے۔ یہ لاہُوتی اولیاء رحمۃ اللہ علیہم ایک قسم کا جادو کرتے ہیں جس سے انسان کی ماہیت تبدیل ہو جاتی ہے لیکن اُن کا جادو حلال جادو ہوتا ہے۔ یہ لوگ بہت سی ناممکن باتوں کو اپنے تصرّفات سے ممکن بنا دیتے ہیں۔ اُن کی صحبت میں بُرے اخلاق' اچھے اخلاق میں تبدیل ہو جاتے ہیں لیکن منکرین اُن کو صرف بشر ہی کہتے رہتے ہیں۔ اُن اہل اللہ کی صحبت کی تاثیر کا اگر میں قیامت تک بھی بیان کروں تو وہ ختم نہیں ہوگا۔ جو لوگ میری اِس طرح کی باتوں سے ملول ہوتے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مکرّر بیان کرنا بیکار ہے لیکن اِن مضامین کا اعادہ مجھے نئی زندگی بخشتا ہے۔ روشنی کی تکرار شمع کو نئی زندگی بخشتی ہے۔ سورج کی شعاعوں کے مکرّر پڑنے سے زمین میں سونے کی کان پیدا ہو جاتی ہے۔ بعض اوقات ایک مُکدّر کے محفل میں بیٹھے ہونے سے بزرگوں کی محفل مُکدّر ہو جاتی ہے اور مضامینِ عالیہ کی آمد بند ہو جاتی ہے۔

یہ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم دلوں کو پیغام دیتے ہیں اور اَسرارِ الٰہی سُناتے ہیں۔ ایسے اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا مزاج شاہانہ ہوتا ہے اور وہ مریدوں کی اِصلاح کے لئے اُن سے خدمت گزاری کے خواہاں رہتے ہیں۔ مرید کے لئے محض ذکر و فکر ہی کافی نہیں ہے' شیخ کے آداب اور خدمات بجا لانا بھی ضروری ہے۔ شیخ کی پوری اطاعت ہوتی ہے' تب وہ کہیں نسبت کی امانت مرید کے سُپرد کرتا ہے۔ معمولی ادب سے کام نہیں چلے گا' شیخ کے شایانِ شان ادب ضروری ہے۔ ایسا ادب جو شیخ میں شکر گزاری کی کیفیت پیدا کر دے۔ جب تک طلبِ صادق نہ ہو اَسرار کی تعلیم نہیں دی جا سکتی لیکن اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو لوگوں کی بے رغبتی کے باوجود اُن پر اَسرار کی بارش کرتے رہنا چاہیے۔ جو مُبلّغ سامعین کی بے رغبتی کے باوجود اَسرار بیان کرتے رہتے ہیں وہ قابلِ مُبارکباد ہیں۔ بے توجہ لوگوں کے سامنے اَسرار بیان کرنے سے اگر شرمندگی طاری ہو تو اُس کو

ہر کُجا اشکِ رَواں رحمت شَوَد جہاں کہیں اشکِ رواں ہو' رحمت ہوتی ہے	ہر کُجا آبِ رَواں سبزہ بُوَد جہاں کہیں آبِ رَواں ہو' سبزہ ہوتا ہے

برداشت کر لے۔ کامل مُرشد کو ایسے حالات میں بھی پشیمانی نہیں ہوتی ہے۔ جس طرح ہر جانور اپنے دشمن کی بُو سونگھ کر بھاگ جاتا ہے اِسی طرح پشیمانی مُرشدِ کامل کی خوشبو سے بھاگ جاتی ہے۔

ہر جانور کا دُشمن کی بُو کو پہچاننا اور بچنا، اُس کے لیے بربادی ہے جو جو کسی ایسے کا دُشمن بن جائے جس سے فرار یا مقابلہ ممکن ہی نہ ہو

ہر جانور اپنے دشمن کی بُو کو پہچان لیتا ہے اور اُس سے بچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سب سے بدبخت چمگادڑ ہے کہ جو سورج سے دشمنی رکھتی ہے۔ حالانکہ جانتی ہے کہ اُس سے بچ نہیں سکتی۔ سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اور چمگادڑ اُسے روک نہیں سکتی۔ اِسی طرح سب سے بدبخت وہ ہے جو آفتابِ حقیقی یعنی ولی سے دشمنی برتے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا کرم ہے کہ وہ منکرین کے لئے بھی دُعاگو ہوتے ہیں اور اُن کا نقصان نہیں سوچتے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ دشمنی بُری ہے۔ دشمنی اگر کی بھی جائے تو ایسے شخص کے ساتھ کی جائے جس کو انسان مغلوب کر سکے۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تو اللہ کے شیر ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے ساتھ عام انسان کی دشمنی ایسی ہی ہے جیسے قطرہ، سمندر سے دشمنی کرے جو کہ محض اُس کی حماقت ہے۔ عوام کی دشمنی اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتی کیونکہ اُن کا دشمن تو اللہ تعالیٰ کا دشمن ہوا۔

ولی کا دُشمن، اللہ کا دشمن ہوا اور یہ خود اپنے ساتھ دشمنی ہے۔ اللہ سے انسان کی دشمنی، اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا جلال بے پایاں ہے۔ اِسی طرح اُس کی رحمت بھی بے پایاں ہے۔ انسان کا رحم، غم سے ملا جلا ہوتا ہے۔ کسی مجبور کو دیکھ کر انسان پر غم طاری ہوتا ہے پھر اُس کی رحمت اُبھرتی ہے۔ اللہ کی رحمت اِن باتوں سے پاک ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات کی حقیقت تک رسائی ناممکن ہے اِسی طرح اُس کی صفات بھی عقل سے بالاتر ہیں۔ اُس کی صفتوں کو اُن کے اثرات سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ہماری عقلوں میں اُن صفات کی حقیقت کو بھی سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہے، جس طرح بچہ جماع کی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتا۔ جب حقیقت کو سمجھانا مشکل ہوتا ہے تو اُس چیز کو مثالوں سے سمجھایا جاتا ہے۔ وہ علم جو مثال سے حاصل ہو اُس کو اِس چیز کا علم بھی کہا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ مثال سے اس چیز کا کُلی علم حاصل نہیں ہو سکتا، اُس کی کچھ سمجھ آتی ہے مکمل نہیں تو اُسے اِس چیز کا جہل بھی کہا جا سکتا ہے کیونکہ حقیقت تو نامعلوم ہے۔

عوام کے علم کی حالت ایسی ہی ہوتی ہے لیکن انسان کو کوشش کرنی چاہیے کہ اپنے اندر وہ صلاحیت پیدا کرے جس کے ذریعے چیزوں کی حقیقت معلوم ہو سکے۔ کامل لوگ ماہیتوں اور اُن کے راز سے بھی واقف ہوتے ہیں، جو کہ حقیقتِ الٰہیہ ہے۔ اللہ کی ذات اور اُس کی صفات عقل اور سمجھ سے دُور تر ہیں، پھر بھی کامل اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اُن سے واقف

گفت اندر نُبِّیٔ کاں اُمتاں
قرآن میں ہے کہ جن اُمتوں پر عذاب آیا

کہ بر ایشاں آمد آں قہرِ گراں
اُن پر بڑا عذابِ الٰہی نازل ہوا

ہوتے ہیں۔ وہ کامل لوگ جبکہ ذات وصفاتِ احدیت کا علم حاصل کر لیتے ہیں تو کائنات کی ذات وصفات اُن پر کیسے مخفی رہ سکتی ہیں۔ فلسفی کی عقل جب تک کہ چیز وقوع میں نہ آ جائے اُسے ناممکن کہتی ہے۔ جب اُس کا وقوع ہو جاتا ہے تو ممکن سمجھتی ہے۔ فلاسفہ پہلے زمین کو متحرک نہیں مانتے تھے لیکن ثبوت مل جانے پر زمین کو متحرک مان لیا گیا ہے۔ جب انسان مجاہدے کرتا ہے تو پانچوں ظاہری حواس اور پانچوں باطنی حواس کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے اور کشف وشہود کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

ایک چیز کے بارے میں اقرار و انکار کا جمع ہونا اور نہ ہونا جہت و نسبت کے اختلاف کی وجہ سے ہے

جنگِ بدر میں آنحضور ﷺ نے ایک مُٹھی مٹی دشمنوں پر پھینکی جس کی وجہ سے وہ اندھے اور شکست خوردہ ہو گئے۔ چونکہ آنحضور ﷺ نے اپنے ہاتھ سے وہ مٹی پھینکی تو پھینکنے کی نسبت آنحضور ﷺ کی طرف گئی اور چونکہ اُس پھینکنے نے وہ کام کیا جو آنحضور ﷺ کا ذاتی نہ تھا اِس لئے پھینکنے کی آنحضور ﷺ سے نفی کر دی گئی۔ انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جو فرمایا گیا ہے وہ اولیاء رحمہم اللہ پر بھی صادق ہے لیکن منکرین اُن کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنی اولاد کو جانتے ہیں۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اولیاء رحمہم اللہ میرے دامن میں چُھپے ہوئے ہیں اور اُن کو میرے سوا کوئی نہیں جانتا ہے۔ چونکہ جاننا اور نہ جاننا دو حیثیتوں سے ہے لہٰذا دونوں باتیں دُرست ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کو تیرا جاننا اور نہ جاننا بھی اسی اعتبار سے سمجھ لے۔ حیثیت اور جہت بدل جانے سے دو متضاد حکم بہت سی چیزوں پر لگائے گئے ہیں۔

کسی کی فنا اور بقا کا مسئلہ بھی اسی نوعیت کا ہے کہ مختلف حیثیتوں سے اُس کو فانی اور باقی کہا جاتا ہے یعنی اگر وہ موجود ہے تو اپنی ذات کے اعتبار سے نہیں ہے بلکہ وہ تو اپنی ذات کے اعتبار سے فانی ہے لیکن اُسے بقا باللہ حاصل ہے۔ دن میں سورج کے سامنے شمع روشن کرو تو اُس پر متضاد حکم لگ سکتے ہیں۔ چونکہ آفتاب کی روشنی کے سامنے اُس شمع کی روشنی ماند پڑ گئی ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ وہ روشن نہیں ہے اور اس حیثیت سے کہ اگر اُس کی لو پر روئی رکھو تو وہ جل جائے گی تو تم کہہ سکتے ہو کہ شمع روشن ہے۔ اگر دو سو من شہد میں ایک سیر سرکہ ملا دو تو کہہ سکتے ہیں کہ سرکہ معدوم ہے۔ چونکہ چکھنے میں اس کا مزہ نہیں آتا اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ سرکہ موجود ہے کہ وزن کریں گے تو معلوم ہو جائے گا۔ ہرن جب شیر کے سامنے بے ہوش ہو گیا تو وہ فانی بھی ہے اور باقی بھی ہے۔ فنا و بقا میں یہ مثالیں جو دی گئی ہیں وہ حضرتِ حق کے شایانِ شان نہیں ہیں لیکن اُس کا بیان کرنا عشق ومحبت کے جوش میں ہوا ہے۔

چوں تضرع می نہ کردند آں نفس	تا بلا زایشاں بگشتے باز پس
اُنہوں نے اُس وقت آہ وزاری کیوں نہ کی	تاکہ اُن پر سے بلا ٹل جاتی

عشقِ الٰہی کا دعویٰ ایک درجہ میں برابری کا دعویٰ ہے۔ اس لئے عاشق اور معشوق میں لامحالہ کوئی نسبت ہوتی ہے اور ممکن واجب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ عاشق، عشق کی مستی میں گستاخانہ باتیں بول جاتا ہے لیکن وہ گستاخی اُس وقت گستاخی ہے جب اُس کی نسبت عاشق کی طرف ہو لیکن چونکہ اُس کو فنا کا درجہ حاصل ہے اور وہ باتیں اُس کی ذات سے منسوب نہیں ہیں اس لئے وہ گستاخی نہیں ہے۔ اُس کا باادب ہونا اور بے ادب ہونا بھی نسبت کے اختلاف سے صحیح ہے۔ اگر وہ باتیں اُس کی ذات کی طرف منسوب ہوں تو بے ادب ہے اور اگر ذاتِ باری کی طرف ہوں تو یہ باادب ہے۔ بباطن چونکہ اُس کو فنافی الذات کا مرتبہ حاصل ہوگیا ہے اِس لئے اُس کا اپنا کوئی دعویٰ ہے نہ کوئی ذات۔ فنا کے بعد فاعل بننے کی صلاحیت ہی باقی نہیں رہتی لہٰذا فعل کی اُس کی طرف نسبت نہیں کی جاسکتی۔

صدرِجہاں کا وکیل جو متہم ہوگیا تھا، جان کے ڈر سے بُخارا سے بھاگ گیا، پھر عشق نے اُسے کھینچا کہ محبوب کے لیے جان دینا آسان ہوتا ہے

اس قصے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ وکیل اپنی جان سے قطع نظر اپنے بادشاہ کے سامنے پیش ہوگیا۔ اِسی طرح عاشق اپنی ذات وصفات سے قطع نظر کرلیتا ہے۔ بُخارا کے صدرِ جہاں (گورنر) کا ایک غلام متہم ہوگیا اور اُس کے دربار سے غائب ہوگیا۔ دس سال تک مارا مارا پھرتا رہا لیکن اُس کے عشق کے باعث بے بس ہوگیا۔ دوستوں کی جدائی عقل کو ایسا مبہوت کردیتی ہے جس طرح تیرانداز کمان ٹوٹ جانے سے پریشان و مبہوت ہوجاتا ہے۔ خدا کی رحمت سے جُدائی میں جہنم پُرسوز بنی ہوئی ہے۔ بید کا درخت طاقت کے فراق میں لرزتا ہے۔ فراق کے اثرات کا بیان قیامت تک ممکن نہیں۔ اس کے اثرات کی تفصیل میں پڑنے کی بجائے اَلْاَمَان، اَلْاَمَان کہنا چاہیے۔ دُنیا کی خوش کُن چیزوں نے بہت سوں کو فراق کی سختی میں مبتلا کیا ہے۔ اگر مبتلا ہونے سے پہلے ہی تُو اُس چیز کو اپنے دل سے ہٹالے گا تو فراق کی مصیبت سے بچ جائے گا۔ جس طرح حضرت مریم علیہا السلام نے خدا کی پناہ حاصل کی تھی، تُو بھی خدا کی پناہ حاصل کرلے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کا آدمی کی صُورت میں حضرت مریم علیہا السلام کے سامنے آنا اور اُن کا اللہ کی پناہ مانگنا

حضرت مریم علیہا السلام نے لوگوں سے گوشہ تنہائی اختیار کرلیا تھا۔ وہ برہنگی کی حالت میں تھیں کہ جبرائیل علیہ السلام اُن کے سامنے نمودار ہوئے۔ جبرئیل علیہ السلام کے ظاہر ہونے سے حضرت مریم علیہا السلام گھبرا گئیں، برہنہ تھیں، وہ سمجھیں کوئی خرابی پیش نہ آئے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام ایسی حسین صورت میں

چُوں تضرُّع را بَرِ حق قدر ہاست　　آں بہا کانجاست زاری راکجاست

کیونکہ اللہ کے ہاں آہ وزاری کی بہت قدر ہے　　زاری کی جو قدر وہاں ہے اور کہیں نہیں ہے

نمودار ہوئے کہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام اُن کو دیکھتے تو اُن کے حُسن سے مبہوت ہو کر اسی طرح اپنا ہاتھ کاٹ لیتے کہ جس طرح زنانِ مصر نے اُن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ حضرت مریم علیہا السلام نے گھبرا کر فرمایا ''میں خدا کی پناہ پکڑتی ہوں'' حضرت مریم علیہا السلام کی یہ عادت تھی کہ ہر پریشانی میں وہ خدا کی پناہ چاہ لیتی تھیں کیونکہ اللہ کی پناہ سے بہتر اور کوئی قلعہ نہیں ہے۔ اثر، مؤثر کے وجود کی دلیل ہوتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا: میں اللہ کے وجود کی دلیل ہوں۔ اس کے علاوہ ذاتِ باری کی جو تعبیرات ہیں وہ صحیح تعبیرات نہیں ہیں۔

ہماری دلیل اور اِدراک کی وجودِ باری سے وہی نسبت ہے جو خرِ لنگ اور ہوا پر سوار کی نسبت ہے۔ ذاتِ حق انسان سے قریب بھی ہے اور اس کے اِدراک سے بعید بھی ہے۔ انسان کے جس قدر اِدراکات ہیں' کوئی بھی اس کی حقیقت تک پہنچ کر مطمئن نہیں ہے لیکن پھر بھی جستجو جاری رہنی ضروری ہے۔ انسانوں کے اِدراکات مختلف ہیں اور کسی کا اِدراک تیز ہے اور کسی کا اِدراک ہر وقت متردد۔ تجلی الٰہی کے اُمیدوار کے لئے ہر حال میں کوشش میں لگے رہنا ضروری ہے۔ بعض لوگ تجلی کے اِدراک سے محروم ہو کر بیٹھ جاتے ہیں لیکن ایسا دُرست نہیں ہے۔ جیسے شکاری ایک آنکھ بند کر کے منتظر رہتا ہے کہ شکار آئے اِسی طرح ہمہ وقت الٰہی شکار کے منتظر رہو۔ تجلی کی جو معمولی سی جھلک نظر آئے اُس کے ہمیشہ انتظار میں رہو' مایوسی سے یہ بھی نہ سوچو کہ وہ واقعی کوئی تجلی تھی یا محض غیر واقعی خیال تھا۔ اِن حالات میں سالک کے لئے مناسب ہے کہ وہ آرام کرے تا کہ اُس میں طاقت پیدا ہو اور پھر مجاہدہ کر سکے۔ اللہ نے رات کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ انسان اس میں آرام کرے اور دن بھر کی تھکن دُور ہو جائے۔

اگر رات نہ ہوتی تو کمائی کے لالچ میں تم ہر وقت مصروفِ کار رہ کر بدن کو تباہ کر لیتے۔ رات انسانوں کے لئے اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ قبض کی حالت میں وہ تمام قوائے باطنی مجتمع ہو جاتے ہیں' جو بسط کی حالت میں خرچ ہو رہے تھے۔ قبض کی حالت میں سالک کو غمگین نہیں ہونا چاہیے۔ اُس کو بھی اپنے لئے مُفید سمجھنا چاہیے جیسے مختلف موسم اپنے اپنے لحاظ سے مُفید ہوتے ہیں۔ بسط کی حالت میں خوش رہنا بھی طفلانہ حرکت ہے' اس کے زیادہ خواہش مند نہ بنو۔ بچہ ہمیشہ عارضی خوشیوں سے خوش رہتا ہے۔ عقل مند کے پیشِ نظر آخرت رہتی ہے۔ دنیاوی لذتوں کو قصائی کے بکرے کو کھلائی گھاس سمجھو۔ اصل خوراک تو دین کا لقمہ ہے جو کہ اہلِ یقین کا طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم اُس کا رزق کھاؤ''۔ اِس رزق سے مراد حکمت ہے نہ کہ دنیاوی غذائیں۔ یہ رزق وہ ہے جس پر کوئی اُخروی مواخذہ نہیں ہوگا۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

با تضرع باش تا شاداں شوی	گریہ کن تا بیدہاں خنداں شوی
اِس زندگی میں آہ و زاری کر	تاکہ تمہیں بعد میں دائمی رُوحانی مسرت حاصل ہو جائے

اندروں از طعام خالی دار
تا در آں نورِ معرفت بینی (سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

"یعنی اپنے پیٹ کو خوراک سے خالی کر تاکہ تُو اُس میں معرفت کا نور دیکھے"

دنیوی لذتیں ترک کرنے سے اَسرارِ خداوندی کا رزق حاصل ہونے لگے گا۔ میں نے یہ مضمون پوری طرح واضح نہیں کیا۔ اگر راستے کو پورا سمجھنا ہو تو حکیم سنائی کا "الٰہی نامہ" پڑھو۔ قصّہ مختصر یہ کہ انسان کو آخرت کی فکر کرنی چاہیے۔ شکر اور مٹھائیاں کھانا تو بچوں کا کام ہوتا ہے، آخرت کا اِس دُنیا میں غم تجھے دائمی خوشی کی مٹھائی عنایت کرے گا۔ عقلمند انسان، انگور میں شراب اور عاشق، مُعْدُوم میں موجود کو دیکھتا ہے۔ تُو بھی غمِ اِمروز کے پیچھے مسرّتِ فردا کو دیکھ لے۔ جب کوئی مزدور کسی انسان سے اپنی مزدوری وصول کرتا ہے تو خوش ہوتا ہے، تو اللہ کی جانب سے جو مزدوری ملے گی اُس کے لئے کیوں نہ مُشقت برداشت کرلی جائے۔ یہ ایسی مزدوری ہوگی جو قبر میں تیرے کام آئے گی۔ آنے والی موت کے دن کے لئے اِسی دُنیا میں مردہ بن جا تاکہ سَرمدی عشق کا ساتھی بن جائے۔ موت سے پہلے ہی دُنیا اور اُس کی لذتوں کو خیرباد کہہ دو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے اور ہر تنگی کے بعد کشادگی ہے۔ اپنی مٹھی کو نہ ہمیشہ کھلا رکھنا مناسب ہے اور نہ ہمیشہ بند۔ پرندکی پرواز اُسی وقت دُرست ہوتی ہے جب دونوں پَر بروقت کُھلیں اور بروقت بند ہوں۔

جبرائیل علیہ السلام کا حضرت مریم علیہا السلام کو کہنا "مَیں اللہ کا قاصد ہُوں، مجھ سے پریشان نہ ہو اور نہ چُھپو"

جب حضرت مریم علیہا السلام، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اچانک سامنے رُونما ہو جانے سے تڑپیں تو رُوح الامین علیہ السلام نے کہا: آپ مجھ سے نہ ڈریں۔ میرے وجود سے ڈر کر نہ بھاگیں۔ میں تو مُلکِ عدم سے آیا ہوں۔ میں مجسّم بھی ہوں اور ایک خیال کی صورت بھی ہوں۔ جب کوئی خیال تمہارے دل میں آتا ہے تو تم کہاں بھاگ کر جاسکتے ہو؟ لَاحَوْلَ کا مطلب ہے کہ طاقت صرف اللہ ہی کی ہے۔ تو جو چیز خود اللہ ہی کی طاقت سے نمودار ہو اُس پر لَاحَوْلَ پڑھنا بے کار ہے۔ اب تک جبرائیل علیہ السلام کو نہ پہچاننے کا بیان تھا۔ پہچان بہت اچھی چیز ہوتی ہے۔ اگر حضرت مریم علیہا السلام جبرائیل علیہ السلام کو پہچان لیتیں تو اُن سے ہرگز نہ ڈرتیں۔ اے انسان! تیرا محبوبِ حقیقی تو تیرے پاس ہے اور تُو اُس کو نہیں پہچانتا ہے اور نہ اِس سے محبت کرتا ہے۔ خدا کے ساتھ تیرا معاملہ بالکل غیروں کا سا ہے۔ خدا کی اِس قدر مہربانیاں ہوتے ہوئے اُس سے دُور رہنا بڑی بے وفائی ہے۔ اللہ کی

کہ برابر می نہد شاہِ مجید | اشک را در فضل با خونِ شہید
کیوں کہ اللہ نے فضیلت میں | آنسو اور شہید کے خون کے قطرے کو برابر رکھا ہے

رحمت کے اسباب ہماری نافرمانی کی وجہ سے زحمت کے اسباب بن گئے ہیں۔ دُنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ اگر دوست سے دوستی نہ برتو تو وہ دشمنی پر اُتر آتا ہے یعنی دوست کا جسم تمہارا دشمن بن جاتا ہے۔ پہلے تمہاری کسی نازیبا حرکت کی وجہ سے اُس کے مزاج میں تغیر آتا ہے اور وہی مزاج کا تغیر بڑھتے بڑھتے نفرت کا سبب بن جاتا ہے۔

محبت کی وجہ سے اُس وکیل کا صدرِ جہاں کے پاس بُخارا واپس آجانا

غلام وکیل کا دل صدرِ جہاں کی طرف کھنچ رہا تھا اور وہ خود بخود بُخارا کی طرف جا رہا تھا۔ ہر انسان کے لئے اُس کا بُخارا ہی اُس کی محبت کا مرکز ہے۔ جب تُو شیخ کے سامنے ہے تو بُخارا میں ہے۔ اِس بُخارا کو ہرگز ذِلّت سے نہ دیکھنا۔ شیخ کا دل تمہارا بُخارا ہے۔ اِس دل میں اُس وقت جگہ پاؤ گے جبکہ اپنے آپ کو اُس کے آگے خوار اور ذلیل بنا لوگے۔ معشوق جو کچھ بھی عاشق کے بارے میں سوچے وہ عاشق کے نزدیک بھلا ہی ہوتا ہے۔ خوش نصیب ہے وہ جس کا نفس فرمانبردار ہو گیا۔ صدرِ جہاں کی جدائی جو اُس کے دل میں تھی۔ اُس نے اُسے پریشان کر دیا۔ اُس نے سوچا میں ابھی جاتا ہوں اور اپنے آپ کو صدرِ جہاں کے قدموں میں ڈال دیتا ہوں۔ میں کہوں گا: میں نے اپنی جان تمہارے سامنے ڈال دی ہے تُو جو چاہے کر۔ تیرے سامنے قتل ہونا کسی دوسری جگہ شاہ ہونے سے بہتر ہے۔ میں تیرے بغیر اپنی زندگی کو پھیکا سمجھتا ہوں۔

اگر صدرِ جہاں نے اپنا دل سنگِ خارا کی طرح بھی بنا لیا ہے تو عاشق کے نزدیک وطن کی محبت کے یہ معنی ہیں کہ جہاں اُس کا محبوب ہے اِس جگہ سے بھی محبت کرے۔ ایک شخص نے ایک عاشق سے پوچھا: تُو نے دُنیا بھر کے شہر دیکھے ہیں بتا کون سا شہر سب سے اچھا ہے؟ اُس نے جواب دیا: وہ شہر جس میں میرا محبوب رہتا ہے۔ جہاں یوسف علیہ السلام ہو وہیں جنت ہے چاہے وہ کنواں ہو۔ محبوب کے ساتھ تکلیف دہ مقام بھی راحت کا سبب ہے۔ محبوب کی جدائی میں اگر جنت بھی ہو تو دوزخ کی طرح ہے۔ راستے میں جو دوست بھی اُسے ملا اُس نے مشورہ دیا کہ اگر تُو وہاں جا رہا ہے تو دیوانہ ہے کیونکہ صدرِ جہاں تجھے قتل کرا دے گا۔ خدا نے تجھے موقع دیا ہے کہیں اور بھاگ جا۔ اُس نے جواب دیا کہ میں عشق کا قیدی ہوں اور اِس عشق کو وہ ڈرانے والے نہیں دیکھ رہے۔ جس طرح اُس وکیل پر ایک غیبی موکل مُسلّط تھا اِسی طرح ہر عشق کے سپاہی پر ایک اور سپاہی مُسلّط ہے جو اُس کی نگہبانی کرتا رہتا ہے۔

عقل کا تقاضا ہے کہ انسان گرفتار کرنے والے سپاہیوں سے گریز کرے۔ انسان اِس برباد کرنے والے سپاہی سے غافل ہے ورنہ وہ اللہ سے دُعا کرتا اور اپنی نجات چاہتا۔ یہ سپاہی ہمیں محبوب کی طرف جانے سے روکتا ہے۔ انسان اپنے

رحمتِ اُو بیحدست و بیکراں
اللہ کی رحمت کی کوئی حد نہیں ہے

اُو حکیم ست و کریم و مہرباں
وہ بہت بڑا دانا، کریم اور مہربان ہے

آپ کو آزاد سمجھتا ہے اِسی لئے اُس غیبی سپاہی کو نہیں دیکھ پاتا۔ وہ زوال پذیر دولت اور رُتبے سے دھوکے میں پڑتا ہے اور وہی دولت اور رُتبے کی محبت اُس کو تباہ کر دیتی ہے۔ اگر انسان دولت اور غرور سے نجات پا جائے تو وہ عالمِ بالا کی طرف پرواز کر سکتا ہے۔ اُس نے کہا: اے نصیحت کرنے والے! چُپ ہو جا' تیری نصیحت میری قید کو زیادہ سخت کر رہی ہے۔ تُو عشق کو نہیں جانتا۔ عشق کا سبق تو وہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جیسے درس دینے والے لوگوں نے بھی دردِ عشق کا سبق بیان کرنے کی ہمت نہیں کی۔ یہ کیفیت گفتنی نہیں ہے۔ عاشقوں کو موت سے ڈرایا نہیں جا سکتا۔ وہ تو خود اپنی موت کے خواہاں ہوتے ہیں۔ عاشقوں کے لئے صرف وہی موت نہیں جو زندگی ختم ہونے پر آتی ہے بلکہ اُن کی موت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ اِسی لئے فرمایا گیا ہے ''مرنے سے پہلے مرجاؤ''۔ عاشق سینکڑوں موتیں رکھتا ہے اور ہر وقت ایک جان قربان کرتا ہے۔ اس کو ہر جان قربان کرنے پر دس جانیں اور حاصل ہو جاتی ہیں۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانِ دیگر است (احمد جام رحمۃ اللہ علیہ)

''جو لوگ اللہ کے عشق سے شہید ہو جاتے ہیں اُنہیں ہر لحظہ ایک نئی جان عطا کر دی جاتی ہے''۔

عاشق کی موجودہ زندگی دراصل موت کی طرح ہے اور موت ہی حقیقی زندگی ہے۔ داستانِ عشق کے اظہار کے لئے سینکڑوں زبانیں ہیں لیکن اُن کو سمجھنے والے بہت کم ہیں۔ معشوق کی صفات کا بیان کسی زبان میں بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ عاشق کی زبان ہی سے عشق کی داستان بیان ہو سکتی ہے۔ عاشق یہ داستان بیان کرنے سے کسی مجبوری کی بنا پر توبہ بھی کر لے تو قابلِ اعتبار نہیں کیونکہ وہ پھر اِسی توبہ پر توبہ کر لیتا ہے اور سُولی پر بھی وہ داستانِ عشق بیان کرنی شروع کر دیتا ہے۔ وہ عاشق بھی بخارا میں کسی درس کے لئے نہیں جا رہا۔ وہ اپنی جان کو صدرِ جہان پر قربان کرنے جا رہا ہے۔ عاشق کا اُستاد تو حُسنِ دوست ہوتا ہے اور اُس کی کتاب دوست کا چہرہ ہوتا ہے۔

ہر چیز کا ذکر عاشق میں ایک خاصیت پیدا کر دیتا ہے اور اُس سے عاشق بہت سے معنیٰ اَخذ کر لیتا ہے کیونکہ ہر صفت ایک ماہیت رکھتی ہے اور اُس سے عاشق اپنے مقصود کی طرف پہنچ جاتا ہے۔ چنانچہ بہت سے اولیاء رحمہم اللہ کے قصّے مشہور ہیں کہ معمولی الفاظ سے جن کے بظاہر کوئی خاص معنیٰ نہیں ہوتے' اُن پر وَجدانی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یعنی وہ رہٹ کی آواز سے بھی وجد میں آ جاتے ہیں۔ بُخارا میں بہت سے علوم و ہُنر ہیں' جو تم سیکھ سکتے ہو لیکن مکمل جب بنو گے کہ خواری جو کہ لوازمِ عشق میں سے ہے ضرور اختیار کر لو۔ اُس وکیل کو علمُ الیقین کی فکر نہ تھی بلکہ وہ مشاہدہ اور عینُ الیقین

زور را بگزار و زاری را بگیر
زور کو چھوڑ اور زاری کو پکڑ لے

رحم سُوئے زاری آید اے فقیر
تاکہ ذاتِ باری کی طرف سے رحمت پائے

حاصل کرنا چاہتا تھا۔ جس کو مُشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے وہ محض ذکرِ اَسماء وصفات کا مُتمنّی نہیں رہتا ہے۔ اُس کے لئے خبریں اور عقلی دلائل بے کار ہو جاتے ہیں۔ مُشاہدہ حاصل ہو جائے تو علم قوی ہو جاتا ہے اور عام لوگوں کا آخرت کا علم محض خبروں کی بنیاد پر ہوتا ہے۔

اُس عاشق کا بُخارا کی طرف رُخ کرنا

اُس عاشق نے اپنا رُخ بُخارا کی طرف کیا اور اُس کی تعریف کرنے لگا۔ اے بُخارا! تُو نہایت حسین مقام ہے، تیرے جنگل چمن جیسے اور جیحوں دریا کا پانی تالاب جیسا خوبصورت ہے۔ اے بُخارا! تیری محبت نے مجھ سے میری عقل اور دین چھین لئے ہیں۔ میرا مقام تو جوتیوں کی صف میں ہے اور صدرِ جہاں کا مقام بہت بلند ہے۔ جب اُس کی نظر بُخارا پر پڑی وہ بے ہوش ہو گیا۔ لوگوں نے اُس کے منہ پر عرقِ گلاب چھڑکا۔ انہیں کیا معلوم کہ یہ عشق کی بے ہوشی ہے اور یہ تو معشوق کی خوشبو سے ہی رفع ہو گی۔ تم میں ایسی بے ہوشی کے راز سے واقفیت کی قابلیت نہیں ہے۔ تُو بظاہر انسان ہے لیکن اُس کی عظمت سے عاری ہے۔ تُو اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے اور اَسرارِ غیبی سے غافل ہے۔ قرآن میں ہے: وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا "اور اُس لشکر کو اُتارا جس کو تم نہیں دیکھتے تھے"۔

یہ اگرچہ فرشتوں کی جماعت کے بارے میں فرمایا گیا ہے لیکن لشکرِ عشق کا بھی ایسا ہی حال ہے۔ جس نے بھی اُسے دیکھا تو کہا کہ بادشاہ تیرے خون کے درپے ہے۔ تُو صدرِ جہاں کا پسندیدہ مشیر تھا۔ ایک قصور میں اِتہام میں پھنس گیا اور بھاگ گیا جبکہ تُو اُس سے بچ گیا تھا تو پھر کیوں آ پھنسا ہے۔ کیا تجھے بے وقوفی یہاں لے آئی ہے یا موت؟ قضا، عقل کو احمق بنا دیتی ہے۔ جب قضا آتی ہے تو ایسا ہو جاتا ہے کہ بھاگنے کا موقع نہیں رہتا اور فضا تنگ ہو جاتی ہے۔ اُس نے جواب دیا: اے لوگو! میں ایسا ہو چکا ہوں جیسے اِستسقاء کا مریض ہوتا ہے۔ اگرچہ جانتا ہوں کہ پانی مجھے مار ڈالے گا لیکن پھر بھی پانی کا عشق مجھ میں کم نہیں ہو گا۔ اگر عشق کی وجہ سے میری موت واقع ہو جائے تو میری موت پاکیزہ ہو گی کیونکہ میں خونِ جگر کے سوا اب کوئی خوراک نہیں رکھتا۔ میں اپنے محبوب صدرِ جہاں سے بھاگ جانے پر شرمندہ ہوں۔ محبوب سے کہہ دو کہ مجھ پر اپنا غصہ اُتار لے۔ قرآن میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے گائے ذبح کر کے اُس کا گوشت مقتول پر مارا تو وہ مقتول زندہ ہو گیا لہٰذا میرے مرنے کو موت خیال مت کرو۔ یہ تو دوسروں کی زندگی ہے۔ میں مقتول ہو کر ہر عاشق کی حیات کا سبب بنوں گا۔

اے عاشق! تُو بھی جسم کو جو کہ بمنزلہ گائے کے ہے مجاہدات کے ذریعے فنا کر دے تو تمہاری نظری رُوحیں جو حواس

گر کُنی زاری، بیابی رحمِ اُو
اگر زاری کرے گا تو اللہ کا رحم حاصل کرے گا

رحمِ اُو در زاریِ خود باز جُو
اُس کا رحم اپنی آہ و زاری کے ذریعے تلاش کرلے

کے ذریعے غیر محسوس ہیں، زندہ ہو جائیں گی۔ انسانی جسم کی ساخت اِس طرح ہوتی ہے کہ نباتات اپنی غذا جمادات سے حاصل کرتے ہیں تو وہ اجزاء اپنی جمادیت چھوڑ کر نباتیت اِختیار کر لیتے ہیں۔ پھر حیوان اپنی غذا نباتات سے حاصل کرتے ہیں تو اجزائے نباتات اپنی نباتیت چھوڑ کر حیوانیت اِختیار کر لیتے ہیں۔ وہی حیوانی اجزاء جسمِ انسانی کو بناتے ہیں۔ جب انسان مرتا ہے تو یہ مادی جسم، جسمِ مثالی بن جاتا ہے اور انسان ملائیکہ کی صفت میں آ جاتا ہے۔ پھر اس جسم سے مجھے مَلَکِیَّتْ کو بھی ختم کرنا ہے کیونکہ وہ بھی فانی ہے اور عدمِ اِضافی اختیار کر کے بحرِ واحدانیت میں شامل ہو جاتا ہے۔ موت تو اِس تاریکی کی طرح ہے، جس کو عبور کر کے آبِ حیات حاصل ہوتا ہے۔

اے عاشق! تُو عشق کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر جان کے ڈر سے محبوب سے کیوں بھاگتا ہے؟ یہ نہیں دیکھتا کہ لاکھوں عاشقوں کی جانیں خوشی میں اُس کی تیغِ عشق کے سامنے تالیاں بجا رہی ہیں اور مرنے کی مشتاق ہیں۔ جب تجھے دریائے اَحدیت نظر آئے تو اپنے قطرۂ حیات کو اِس میں ڈال دے۔ تو وہ قطرہ اپنا تشخص ختم کر کے باقی بقاءِ حق ہو جائے گا۔ پھر اُس میں نہ کوئی کمی آئے گی اور نہ تغیر پیدا ہو گا۔ چونکہ میں اپنے محبوب سے بھاگا تھا اب اُس کے قدموں میں قربان ہو جاؤں گا۔ وہ فراق میں روتا ہوا صدرِ جہاں کی جانب چلتا جا رہا تھا۔ اُس نے اپنے مرنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ سب لوگ اِس انتظار میں تھے کہ دیکھیں اب اُسے کیا سزا ملتی ہے۔ یہ احمق ہے کہ اُس نے نار کو نور سمجھا ہے لیکن وہ عشق کے کرشمے سے ناواقف تھے۔ ایک قِصّہ سُن لے۔

مسجد جو مہمان کو مار ڈالتی

اِس قصے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بعض اوقات لوگ جس چیز کو ہلاکت کا سبب سمجھتے ہیں۔ وہ کامیابیوں کا سبب بن جاتی ہے۔ قصبہ رَے میں (جہاں کے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ تھے) ایک مسجد تھی۔ کوئی شخص رات کے وقت اُس میں موت کے ڈر کی وجہ سے سوتا نہیں تھا۔ کوئی کہتا کہ اُس میں جادو ہے، جس کی وجہ سے رات کو اُس میں ٹھہرنے والا مارا جاتا ہے۔ کوئی کہتا پریاں ہیں، جو رات کو قتل کر دیتی ہیں۔ کوئی کہتا کہ مسجد کو تالا لگا دو کہ کوئی مسافر غلطی سے اُس میں نہ سو جائے۔ ایک مہمان وہاں ٹھہرنے کے لئے آ گیا اور اُس نے مسجد کے بارے میں یہ سب باتیں سُنیں۔ وہ بہادر تھا، اُس نے سوچا کہ آزمانا چاہیے۔ اگر میرا جسم ہلاک بھی ہو گا تو کیا مضائقہ ہے اصل رُوح تو باقی رہ جائے گی۔ قرآن میں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ یعنی آدم میں مَیں نے اپنی رُوح پھونک دی۔ اگر جسم فنا ہو گیا تو وہ اللہ کی پھونک تو باقی رہے گی تو میں پھر نفخِ حق کی صورت زندہ رہوں گا اور جب تک اُس کے صُور کا نفخہ اس عالم میں نہ آئے گا تو پھر یہ

گُفت حق گر فاسقی و اہلِ صنم
حق نے فرمایا ہے چاہے تُو فاسق ہے یا بُت پرست

چُوں مرا خوانی اجابتہا کُنم
جب تُو مجھے پُکارے گا مَیں قبول کروں گا

میرے تن سے وابستہ ہو جائے گا۔ میں رُوح کو تن سے جدا رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ اِس نخلِ حق کے لئے یہ جسم بہت تنگ جگہ ہے۔

قرآن میں یہود کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم موت کی تمنا کرو اگر سچے ہو'' انہوں نے یہ تمنا نہ کی۔ میں اللہ کی محبت اور ولایت میں سچا ہوں اِس لئے موت کا متمنی ہوں۔ لوگوں نے اُسے سمجھایا کہ اِس مسجد میں جو کوئی بھی رات کو سویا ہے وہ صبح مرا ہوا ملا ہے۔ ہم تمہاری بھلائی کے لئے یہ نصیحت کرتے ہیں کہ اِس مسجد میں نہ ٹھہر۔ اُس نے جواب دیا: اے ناصحو! میں زندگی کی دُنیا سے پیٹ بھر چکا ہوں اور بے حس ہو چکا ہوں اور موت کا متلاشی ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دُنیا کی دکان کے اُوپر سے کود جاؤں اور معرفتِ خداوندی کی کان میں پہنچ جاؤں۔ پرندے کو پنجرے میں کچھ اچھا نہیں لگتا۔ پنجرے کا دروازہ ٹوٹنے پر وہ کس قدر خوش ہوتا ہے۔ البتہ وہ پرند جو اپنے پنجرے کے چاروں طرف بلیاں دیکھے تو وہ بے شک پنجرے میں ہی رہنا پسند کرلے۔ جالینوس یونان کا مشہور حکیم تھا اور چونکہ وہ محض علومِ عقلیہ ہی سے واقف تھا اور آخرت کا اُسے کوئی علم نہیں تھا اس لئے وہ دُنیا میں جیتے رہنے کا متمنی تھا۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ اِس دُنیا میں رہتے ہیں لیکن آخرت کے باغات کی سَیر کر لیتے ہیں۔ اِس لئے وہ اِس جہان سے بے نیاز ہیں۔ جس کے دل میں نور نہیں ہے وہ ایسا چوہا ہے جس نے صرف بلیوں کی آوازیں سُن رکھی ہوں اور چھپنے کی جستجو کرے اسی لئے وہ اس دُنیا کو پسند کرتا ہے جو کہ چوہے کے بل کی طرح ہے۔ وہ اِس دُنیا میں رہ کر دُنیا ہی کے ہُنر سیکھنے پر اور دُنیا کو سنوارنے پر ہی اکتفا کرتا ہے۔ وہ وہی پیشے اختیار کرتا ہے جس سے اسی دُنیا کی ترقی ہو۔ اِس لئے کہ اُسے عالمِ آخرت سے رغبت نہیں ہے۔ جسم کے پنجرے میں بلی اپنا پنجہ مرگی، بخار، پیچش، چیچک یا اور کسی بدنی بیماری کی صورت میں داخل کر دیتی ہے۔ یہ بلی موت ہی ہے اور امراض اُس کے پنجے ہیں۔ موت بیماریوں کے ذریعے اپنی طرف بلاتی ہے۔ انسان دوا کرنے کی مُہلت چاہتا ہے۔ اگر مرض نے مُہلت دے دی تو دوا کے ذریعے بچ جاتا ہے لیکن اگر وہ مُہلت نہ دے تو فوراً موت اپنی کارروائی کر دیتی ہے۔ انجام کار مرض کا پیادہ آجائے گا اور وہ مُہلت نہیں دے گا۔ اِس لئے مناسب یہی ہے کہ اُس دربار میں حاضری کے لئے قبل از وقت تیاری کرلی جائے۔ اِس دُنیا میں خواہشات کا انہماک نورِ خداوندی سے انسان کو جدا کر دیتا ہے لیکن موت سے فرار ممکن نہیں ہے۔

لوگوں نے مسجد کے مہمان سے کہا کہ بہادری نہ دکھا تاکہ تیری جان بچ جائے۔ ناتجربہ کار آدمی مصیبت میں پھنس کر بچنے کی تدبیر کرتا ہے جو کہ بعد میں مشکل ہوتی ہے۔ مصیبت کے آنے سے پہلے اُس کے بارے میں اچھا غور سوچا جا

تو دعا را سخت گیر و می شخول
تُو خوب دل لگا کر دُعائیں کر اور آنسو بہا

تو مشو ہیچ از دعا کردن ملول
اور دُعاؤں کے کرنے سے کبھی نہ تھک

سکتا ہے۔ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم موت سے خائف نہیں ہوتے کیونکہ اللہ کی طرف سے اُن کی بُری صفات بھی اچھی صفات میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ پھونک بھری ہوئی مشک میں ایک سوئی چبھو دی جائے تو اُس کی ہوا خارج ہو جاتی ہے۔

بزدل لوگ ایک ہلکی سی تکلیف بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ خدا سے عشق و محبت ایک دعویٰ ہے اور اُس کا گواہ مجاہدہ ہے۔ دعویٰ بغیر گواہ کے ناقابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ مجاہدے کی جفا دراصل اُس بُرائی پر ہے جس کے ازالہ کے لئے مجاہدہ کرایا جاتا ہے۔ عالمِ محسوسات میں اس کی مثال یہ ہے کہ کمبل جھاڑنے کے لئے اُس پر لکڑی ماری جاتی ہے تو وہ دراصل کمبل پر نہیں بلکہ گرد پر ماری جاتی ہے۔ ماں بچے کو کوستی ہے اور مرنے کی بددعا دیتی ہے تو اُس کا مقصد اُس کی بُری عادت کی موت ہوتی ہے۔ جو لوگ مجاہدات کی سختی سے بھاگتے ہیں وہ انسانیت کو تباہ کرتے ہیں۔ مُنافقوں کو اُن کے دوستوں نے جہاد میں جانے سے روکا تو یہ لوگ نامرد بن گئے۔ اُن کے بارے میں قرآن میں آیا ہے "اگر وہ تمہارے ساتھ مل کر نکلتے تو زیادہ خرابیاں ڈالتے"۔ تھوڑے سے بہادر بزدلوں کے مجمع سے برتر ہوتے ہیں۔ کڑوے اور شیریں بادام اگرچہ صورت میں ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن اُن کے باطن میں بہت فرق ہے۔ یہی حال مومنوں اور مُنافقوں کا ہے۔ چونکہ کافروں کو اگلی زندگی کے بارے میں شکوک و شبہات ہیں اس لئے اُن کے دل ہمیشہ خوف زدہ رہتے ہیں۔ جو شخص راستے سے ناواقف ہوتا ہے وہ تیزی سے منزل طے نہیں کر سکتا اور معمولی سے اندیشے سے ٹھہر جاتا ہے۔ راہ سے واقف انسان کسی کے شُبہ ڈالنے سے بھی سُست نہیں پڑتا۔ انسان کی طبیعت کی رنگینی انسان میں شکوک و شبہات پیدا کرتی ہے اور اُسے بلند مقام سے نیچے گرا دیتی ہے۔ جنگِ بدر کے موقع پر شیطان نے سراقہ نجدی کی صورت میں ظاہر ہو کر ابوجہل وغیرہ کو ورغلایا تھا۔

شیطان کا قُریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کے لیے کہنا کہ مَیں مدد کروں گا اور جنگ کے وقت بھاگ جانا

قرآن پاک میں ہے: "اور جب شیطان نے اُن کی حرکتوں کو اُن کو اچھا کر کے دکھایا اور کہا' آج لوگوں میں سے کوئی ایسا نہیں' جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہاری پُشت پناہ ہوں۔ پھر جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے آئیں تو وہ الٹے پاؤں چلتا بنا اور کہا: مجھے تم سے کوئی سروکار نہیں۔ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے ہو۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں"۔ جنگِ بدر میں مدد کا وعدہ کر کے شیطان اُن کے لشکر کو لے آیا۔ اُس نے اُن سے وعدہ کیا کہ میں تمہاری مدد پر ہوں لیکن جب اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کو فرشتوں کی صورت میں دیکھا تو وہ خود پیچھے کی طرف بھاگا۔ حارث ابن حشام کو سُراقہ کی شکل میں آ کر شیطان

ما بروں را ننگریم و قال را
اللہ نے فرمایا کہ میں ظاہر کو یا صرف قال کو نہیں دیکھتا

ما دروں را بنگریم و حال را
میں باطن کو دیکھتا ہوں اور حال کی کیفیت دیکھتا ہوں

نے جنگ کے لئے تیار کیا تھا۔ حارث چلایا: اے سُراقہ کی شکل میں آنے والے! کل تُو نے اِس طرح کیوں نہیں کہا؟ وہ بولا: بھاگ جاؤ۔ میں وہ کچھ دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آرہا۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

یہی حال نَفس اور شیطان کا ہے۔ اس لئے نَفس کا دھوکا دینا شیطان کا دھوکہ دینا ہی ہے۔ فرشتہ اور عقل بھی اِسی طرح ایک چیز ہے صرف نام علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتوں کی وجہ سے اُن کو دو صورتوں میں نمودار فرمایا ہے۔ جس طرح ہم نے شیطان کی دشمنی کا قِصّہ سُنایا ہے اِسی طرح تیرا دشمن تیرا نَفس تیرے اندر موجود ہے۔ وہ یکدم گوہ کی طرح حملہ کر کے سوراخ میں گھس جاتا ہے۔ انسان کے دل میں اُس کے رہنے کے بہت سے سوراخ ہیں۔ چونکہ شیطان کا کام دھوکا دے کر گھس جانا اور چھپ جانا ہے اِسی لئے قرآن میں اُس کو خناس یعنی چھپ جانے والا کہا ہے۔ انسان اپنے اندر چھپی ہوئی نفسانی خواہش کی وجہ سے بُرے لوگوں سے مغلوب ہو جاتا ہے۔ انسان کے اندر جو سپاہی ہے اور جس کو شہوت کہا جاتا ہے وہ انسان کو بُرائیوں پر مجبور کر دیتا ہے۔ وہی چوری اور دیگر جرائم کراتا ہے۔ تب ہی بیرونی سپاہیوں کو اُس پر ظلم کرنے کا موقع ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارے دونوں پہلوؤں کے بیچ میں ہے۔

نَفس اور شیطان ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ یہ دُنیا کے لالچ میں پھنسا کر انسان کو ایسا گمراہ کرتے ہیں کہ وہ آخرت میں دائمی عذاب کو سہل سمجھنے لگتا ہے۔ اِس نَفس سے یہ بھی بعید نہیں کہ وہ انسان کے لئے اُس کی ابدی موت کو آسان کر دے۔ یہ اپنے جادو سے اِس طرح کے سینکڑوں کام کر جاتا ہے۔ یہ تنکے کو پہاڑ اور پہاڑ کو تنکا دکھا دیتا ہے۔ شیطانی فریب میں انسان بھلائیوں کو بُرائیاں اور بُرائیوں کو بھلائیاں سمجھنے لگتا ہے۔ شیطان نیکوں کو بد اور بدوں کو مُغالطہ میں ڈال کر نیک ظاہر کر دیتا ہے۔ جس طرح جادو بظاہر تبدیلِ حقائق کرتا ہے اِسی طرح شیطان حقائق کو نَفس الامر میں بدل ڈالتا ہے۔ نَفسِ اَمّارہ وسوسے ڈال کر انسان میں جادوگری کرتا ہے۔ نَفس کی اِس جادوگری کا علاج یہ ہے کہ بزرگوں سے تعلق پیدا کرے۔ اللہ نے جو مرض پیدا فرمایا ہے اُس کا تریاق بھی پیدا فرما دیا ہے جو جادوگروں کے جادو کا توڑ کر دیتا ہے۔ آنحضور ﷺ نے گفتگو کو جادو سے تعبیر کیا ہے۔ بیان بھی جادو ہے لیکن اصل جادو وہ ہے جو جادوگروں کے جادو کا توڑ کر دیتا ہے۔ وہی دراصل تریاق ہے۔ یہ تریاق اولیاء رحمہم اللہ اور بزرگانِ دین کا بیان ہے اور تمام نفسانی اغراض سے پاک ہوتا ہے۔ تُو اپنے مُرشد کے باطنی علوم سے تعلق پیدا کر لے۔

ناظرِ قلبیم اگر خاشع بود | گرچہ گفتِ لفظ نا خاضع بود
ہم دِل کی حالت کو دیکھتے ہیں کہ کتنا عاجز ہے | اگرچہ لفظی گفتگو عاجزی کی نہ ہو

مسجد کے مہمان کو ملامت گروں کا پھر نصیحت کرنا

لوگوں نے کہا: خبردار! مسجد میں نہ ٹھہر اور مسجد کو موت کا بہانہ بننے کا اِلزام نہ دے۔ تجھ جیسے بہت سوں نے پہلے یہ شیخی ماری ہے اور پھر شرمندہ ہوئے ہیں۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مصیبت میں نہ پھنسا۔ اُس نے جواب دیا: اے دوستو! میں اُن بھوتوں میں سے نہیں ہوں جو لَاحَوْلَ سے بھاگ جائیں۔ تمہاری یہ دھمکیاں جو مسجد میں سونے پر مجھے دے رہے ہو اُن مصائب کے مقابلے میں جو میں جھیل چکا ہوں کچھ بھی نہیں ہیں۔ میں اُن لوگوں میں سے ہوں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی طرح جان دینے سے دریغ نہیں کرتے۔ قرآن میں جو یہ ارشاد ہے: قُلْ تَعَالَوْا یعنی آ جاؤ تو یہ سمجھو کہ یہ فرمان میرے ہی لئے ہے۔ انسان جو کچھ کسی غریب کو دیتا ہے بسا اوقات اُس کے دینے میں اُس کے پیشِ نظر اس غریب کی حاجت کو رفع کرنا ہوتا ہے اور بعض اوقات اُس کے پیشِ نظر یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا مجھے اُس کا عوض اور بدلہ آخرت میں عطا فرمائے گا۔ یہ دوسری صورت پہلی صورت کے مقابلے میں بہتر ہے۔

جس شخص کو اجرِ اُخروی پر یقین ہوتا ہے۔ وہ بہت جلد عطا و بخشش کرتا ہے۔ دنیاوی کاروبار میں بھی نفع کی خاطر لوگ اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ جب تک انہیں نفع کی اُمید ہوتی ہے (لوگ) اُس وقت تک اپنا سرمایہ لگانے میں ہچکچاتے نہیں۔ علم و ہنر میں بھی جب انسان کو شرافت نظر آتی ہے تو انسان جان پر کھیل کر بھی اُن کو حاصل کرتا ہے لیکن جب تک انسان اعلیٰ چیز سے بے خبر ہوتا ہے تو ادنیٰ ہی پر اکتفا کرتا ہے۔ یہ تصورات کی دُنیا اس وقت تک ہی پیاری ہے جب تک وصال حاصل نہیں ہے۔ وصال کے بعد یہ چیزیں بے حقیقت رہ جاتی ہیں۔ یہ حقائق کوئی محرمِ راز ہی سمجھ سکتا ہے۔ مہمان نے کہا: قرآن میں ہے ”اللہ نے مومنوں سے اُن کی جانیں خرید لی ہیں“ انسان کو اپنی جان اور مال اُس وقت تک پیارا ہے جب تک اُس کو اُن کی اُس قسمت کا یقین نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا۔ حقیقی چیز کے بارے میں گمان بھی ترقی کر کے یقین کا درجہ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن بعض لوگ اجرِ اُخروی کے بارے میں گمان کے درجے پر رہتے ہیں اور اُن کو یقین کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ یقین کے بعد مُشاہدے کا درجہ ہے۔

اللہ نے سُورۃُ التَّکاثُر میں فرمایا ہے: ”تم ضرور جان لو گے۔ پھر تم ضرور جان لو گے۔ اگر تم یقینی طور پر جان لو گے تو ضرور دوزخ کو دیکھ لو گے۔ پھر تم عین الیقین سے اُس کو دیکھ لو گے“۔ یعنی شک کے بعد علم کا درجہ ہے۔ علم کے بعد یقین کا اور یقین کے بعد مُشاہدے کا۔ مہمان نے کہا: اب مجھے مُشاہدے کا درجہ حاصل ہو چکا ہے اس لئے میں شک و شُبہ سے پاک ہوں جبکہ مجھ پر بے حساب تجلیات پڑ رہی ہیں تو میں اُس ذات کا عاشق ہوں۔ تمام ملکیتیں اللہ ہی کی

ایں زمیں از حِلمِ حق دارد اثر	تا نجاست برد و گلہا داد بر
اِس زمین میں اللہ نے عاجزی بھر دی ہے	اِسی لئے گندگی کو ختم کر کے گُل و گلزار بنا دیئے ہیں

ہیں۔ پھر ڈر کس بات کا؟ اب تو اگر میں کوئی شیخی بھی بھگاروں تو وہ بھی اُسی کی طرف سے ہوگی کہ مجھے اللہ سے اتنی قربت حاصل ہے کہ اب نہ تو خوف ہے اور نہ ڈر۔ انبیاء ﷺ کو چونکہ قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے اِس لئے وہ نڈر ہوتے ہیں اور شاہوں کے بڑے بڑے لشکروں سے بھڑ جاتے ہیں۔ وہ قوموں میں بکریوں کے چرواہوں کی طرح ہوتے ہیں' جو اُن کی حفاظت کرتے ہیں۔ اگر نبی قوم پر ناراض بھی ہوتا ہے تو اُس کا سبب قوم کی محبت ہی ہوتی ہے۔ عاشق سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب تُو میرا عاشق ہے تو تجھے میری مرضی پر راضی رہنا ہے۔ تُو میرا وصال حاصل کرنے کے لئے تکلیف میں مبتلا ہو کر ٹھنڈی آہیں بھرتا ہے۔ میں یہ بھی کر سکتا ہوں کہ بغیر تکلیف اُٹھائے تجھے اپنا وصال عطا کر دوں لیکن تجھے جو تکالیف پہنچ رہی ہیں وہ تیرے نفع کے لئے ہیں۔ سفر میں انسان زیادہ تھکتا ہے تو اقامت کی لذت میں اِضافہ ہوتا ہے۔ اگر مقصد بلا محنت حاصل ہوتا ہے تو انسان اُس کی قدر نہیں کرتا۔ تُو اِس راہ میں جس قدر مصائب برداشت کرے گا اُسی قدر وصل کی لذت میں اِضافہ ہوگا۔

مصیبت میں مومن کے بھاگنے اور بے صبری کی مثال اور چنے اور بی بی کے درمیان گفتگو کا بیان

بی بی نے چنے کو ہانڈی میں ڈالا اور نیچے آگ جلا دی۔ چنا زبانِ حال سے فریاد کر رہا تھا کہ تُو مجھے خرید کر لائی اور اب اِس سخت گرمی میں مجھے ذلیل کر رہی ہے۔ بی بی نے کہا: میرا تجھے یہ جوش دینا تیرے ہی بھلے کے لئے ہے۔ میں ایسا اس لئے کر رہی ہوں کہ جوش کھا کر تُو انسان کی غذا بن جائے اور چنے سے انسان کی جان بن جائے۔ حدیثِ قدسی ہے کہ ''میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے'' پہلے رحمت اِس وجہ سے کہ اُس رحمت کی وجہ سے اُس کی پرورش ہو کر وہ اِمتحان کے قابل بن جائے۔ رحمت کی وجہ سے ہی تو گوشت و پوست بنا ہے اگر وہ نہ ہو تو عشق کس چیز کو گھلائے گا۔ اگر عشق کی بنیاد پر انسان پر مصیبتیں آتی ہیں اور وہ ثابت قدم رہتا ہے تو پھر خدا کی مہربانی اُس کو قرب و وصال کی بشارت دیتی ہے۔ رنج بھی اللہ کا بھیجا ہوا مہمان ہوتا ہے اگر اُس کے ساتھ اچھا معاملہ کیا گیا ہوگا اور اُسے صبر سے برداشت کیا ہوگا تو وہ اُس شاہ کے دربار میں جا کر تعریف کرے گا تو مُنعِم کے انعام کا حقدار ٹھہرے گا۔

بی بی نے کہا: اگر تُو میرا ہے تو میری طرح شکر گزاری کر۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے پر آمادہ ہو گئے تھے۔ میں تجھے فنا کر رہی ہوں۔ یہ بظاہر فنا ہے لیکن درحقیقت بقا ہے کیونکہ تُو انسانی جان کا حصہ بن جائے گا۔ چنے کی حالت اِبتلاء سے پہلے اچھی تھی مگر ابتلا کے بعد بدرجہا بہتر ہے۔ اب چنا ترقی کر کے حیوان کا جزو بن

تا بپوشد او پلیدیہائے ما
یہاں تک کہ وہ ہماری گندگیوں کو چھپا لیتی ہے

در عوض بر روید از وے غنچہا
اور اُس کے عوض غنچے اُگا دیتی ہے

گیا اور انسانی اجسام کا حصہ بن کر افکار کی غذا بن گیا اور اعلیٰ مقام پر پہنچ گیا۔ حیوان نباتات سے خوراک حاصل کرتا ہے۔ نباتات کی موت اس طرح اُس کی ترقی کا باعث بن گئی۔ منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ "اے یارو! مجھے قتل کر دو کہ میرے قتل ہونے ہی میں میری زندگی ہے"۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ موت ہی ترقی کا سبب ہے لہٰذا اُن کا قول صحیح ثابت ہوا۔ جس طرح اناج انسان کی غذا بن کر اُس کا جُزو بن جاتا ہے اِسی طرح سچا فعل اور قول فرشتے کی غذا بن کر بلندی حاصل کرتا ہے۔

انسانی رُوحوں کے قافلے عالمِ بالا سے دُنیا میں کاروبار کے لئے آتے ہیں اور نفع و نقصان کما کر واپس جاتے ہیں۔ تو اِس طرح اصل مقام عالمِ بالا ہی ہے۔ اِس لئے جب دُنیا سے جانا ہی ہے تو خوشی سے سُرخ رُو ہو کر جاؤ۔ بی بی نے چنے سے کہا: میں یہ تلخ باتیں تجھے اس لئے کہہ رہی ہوں تا کہ تیری تلخی دُور ہو جائے۔ اِس طرح جب انسان میں برداشت کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے تو وہ پُختہ ہو کر شیریں بن جاتا ہے۔ جب چنے پر ظاہر ہو گیا کہ مصائب تکمیل کا ذریعہ ہیں تو وہ برداشت کرنے پر راضی ہو گیا۔ بی بی نے کہا: جب میں جمادات سے ترقی کر رہی تھی تو کہتی تھی کہ یہ ترقی اس لئے ہے کہ میں انسان کا علم اور صفت بن جاؤں۔ اب جبکہ رُوح بن گئی ہوں تو اب رُوحِ حیوانی سے بلند مرتبہ حاصل کرنا چاہیے۔ ترقیوں کے اِس ذکر سے یہ شُبہ ہوا کہ اُن کے ذکر سے اللہ کے ساتھ اتحادِ ذاتی تک ترقی نہ سمجھ لی جائے۔ اِس لیے مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اللہ سے دُعا کرتا کہ تُو صحیح مطلب سمجھ سکے اور گمراہ نہ ہو۔ اللہ سے اتحادِ ذاتی کا عقیدہ گمراہی ہے۔

جس طرح قرآن سے کج فہم گمراہ ہوتے ہیں اِسی طرح مثنوی سے بھی ہو سکتے ہیں۔ اِس میں قرآن کا قصور نہیں ہوتا بلکہ اُن کی کور باطنی کا قصور ہے۔ مسجد کا مہمان عالمِ آخرت کا طلبگار تھا' جس طرح حضرت امام حسین علیہ السلام اور حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ ممکن ہے کہ یہ ہوا ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب نمرود نے آگ میں ڈالا تو جبرائیل علیہ السلام نے آ کر مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی ہو۔ اُنہوں نے کہا: میری رُوح اب حیوانی نہیں رہی کہ ایک شعلے سے ختم ہو جائے۔ اگر انسانی جان آتشِ شہوت اور آتشِ غضب و غصہ کا ایندھن نہ بنے تو وہ خوب پھلے پھولے۔ خود بھی مُنوّر بنے اور دوسروں کو بھی منور کرے۔ اِس دُنیا کی یہ آگ کرۂ آتشی کا پَرتَو ہے اور پَرتَو اور سایہ ناپائیدار چیزیں ہیں۔ یہ اس طرح سمجھ لو جیسے انسان کا قد اور اُس کا سایہ۔ پَرتَو اور سائے ہمیشہ اصل کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے مثنوی پر اعتراضات پر عقلاً کوئی رنج نہیں ہے۔ میں اعتراضات کا جواب بھی

زاری و گریہ قوی سرمایہ ایست
زاری اور گریہ کرنا بڑا سرمایہ ہے

رحمتِ کُلّی قوی تر دایہ ایست
اور اللہ کی رحمت ہماری بہت بڑی دایہ ہے

نہ دیتا مگر اِس لئے دیتا ہوں کہ اعتراض کرنے والوں کی دولتیاں سادہ دل لوگوں کو گمراہ کر دیں گی۔ حکیم سنائی غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ لوگ نورِ معرفت سے محروم ہیں۔ اُن کی پہنچ قرآن کے صرف الفاظ تک ہے۔ یہ معترضین کہتے ہیں کہ مثنوی میں ابواب اور فصول قائم کر کے تصوّف کے مراتب کا ذکر ہونا چاہیے تھا تا کہ سالک کے لئے ہر منزل اور مقام کی نشاندہی ہو جاتی۔ یہ تو ایک گورکھ دھندہ معلوم ہوتی ہے۔ جب اللہ کی کتاب آئی تو اُس پر بھی لوگوں نے اِسی طرح کے اِعتراض کیے تھے کہ پرانی کہانیاں اور افسانے ہیں۔ آدم علیہ السلام گندم، شیطان اور سانپ کا ذکر ہے۔ ہود علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام اور آگ کے قصّے ہیں۔ نوح کی کشتی، کنعان، اسماعیل علیہ السلام کے ذبح، جبرائیل علیہ السلام اور کعبہ اور ہاتھی والوں کا ذکر ہے۔ یونس علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کی قوموں کی باتیں ہیں۔ مریم علیہا السلام اور کھجور، زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور اونٹنی اور پانی کی تقسیم کا بیان ہے۔ الیاس علیہ السلام اور عزیر علیہ السلام کا قِصّہ ہے۔ قارون کے زمین میں دھنسنے کا تذکرہ ہے۔ ایوب علیہ السلام کے صبر اور تیہ میں اسرائیلیوں کی باتیں ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام طور، درخت اور عصا کا ذکر ہے۔ ذوالقرنین علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، خضر علیہ السلام اور ارمیاء علیہ السلام کا ذکر ہے۔ احمد صلی اللہ علیہ وسلم کے چاند کو ٹکڑے کرنے کی بات ہے۔ یہ باتیں سب جانتے ہیں۔ وہ بیان کہاں ہیں، جو عقلوں کو گم کر دیں۔ تو انہیں فرمایا گیا کہ اگر تمہیں یہ آسان لگتی ہیں تو ان جیسی ایک آیت ہی بنا لاؤ۔ جن اور انسان لگ جاؤ اور ایک آیت بنا لاؤ۔

حدیث "قرآن کا ظاہر اور باطن ہے اور اُس کے باطن کا باطن ہے اور ایسا سات باطنوں تک ہے"

قرآن کے ایک تو الفاظ ہیں، ترجمہ اور معنی ہیں۔ پھر اُن معنی کے معنی ہیں۔ اِسی طرح تہ در تہ سات معنی تک یہ سلسلہ ہے۔ اُن معانی کے کچھ مرتبوں تک فہم و فراست کے تفاوت کے اِعتبار سے مُجتہدین اور علماء کی پہنچ ہے اور کچھ مراتب سے صرف اہل اللہ کا تعلق ہے۔ یہ واضح رہے کہ اَسرار کے بیان میں وہی معنی معتبر ہوں گے جو الفاظِ قرآنی اور ظاہر کے خلاف نہ ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے اَسرار تک پہنچ جاتے تھے کہ دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اُن میں حیران ہو جاتے تھے۔ معنی کی اس تہ میں سب کی عقلیں گم ہو جاتی تھیں۔ قرآن کی چوتھی منزل کے آگے کا باطن سوائے خدائے لاشریک کسی نے نہیں دیکھا۔ یہ حدیث جو عنوان میں مذکور ہے وہ بالکل غلطی سے محفوظ ہے۔ اے دوستو! صرف قرآن کے الفاظ ہی کو نہ دیکھو بلکہ اُس کے تہ در تہ معانی کی طرف اپنی توجہ کرو۔ محض ظاہر پر نظر کرنا شیطانی کام ہے جیسا کہ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کے صرف ظاہری جسم کو دیکھا۔

دایۂ و مادر بہانہ جُو بود — تا کہ آں طفلِ اُو گریاں شود

دایہ اور ماں بہانہ ڈھونڈتی ہیں — کہ کب بچہ روئے تو دُودھ دیں

قرآن کے الفاظ کی مثال اور اُن میں پوشیدہ معنیٰ کی مثال انسان کی صورت اور اُس کے باطنی اور رُوحانی اَوصاف کی سی سمجھو۔ ایک انسان خواہ کتنا بھی قریبی عزیز ہو تم اُس کے باطنی اَوصاف سے غافل رہتے ہو۔ باوجود قرب کے انسان کے باطنی اَحوال عوام سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ تو یہ نہ سمجھو کہ اولیاء رحمہم اللہ اپنے آپ کو چُھپانے کے لئے جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں۔ بزرگوں کی خلوت نشینی اپنے آپ کو چُھپانے کے لئے نہیں ہے۔ اُن کے اَوصاف تو بہرحال عوام سے چُھپے رہتے ہیں بلکہ یہ لوگوں کو ترکِ دُنیا کی تعلیم دینے کے لئے ہوتے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ عوام میں رہتے ہوئے بھی اُن سے سو پہاڑوں کی بلندی پر ہیں۔ اُن کے اَوصاف تک لوگوں کی پہنچ کہاں ہے۔ اُن کو چُھپنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ وہ باطنی طور پر عوام سے بہت دُور ہوتے ہیں۔ اگر عام آدمیوں کے اَوصاف تک پہنچنا دشوار ہے تو حضرت آدم علیہ السلام کے اَوصاف تک کیسے پہنچا جا سکتا ہے۔

اولیاء رحمہم اللہ اور اُن کے کلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پھونک مارنا سمجھو جو بظاہر تو معمولی چیزیں تھیں لیکن اُن کے باطنی کمال و اَوصاف حیرت انگیز تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ "تمام بنی آدم کے قلوب ایک قلب کی طرح اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ اُن کو جس طرح چاہتا ہے پلٹتا ہے" یعنی جس طرح عصاءِ موسیٰ علیہ السلام اور دمِ عیسیٰ علیہ السلام میں حضرتِ حق تعالیٰ کے خاص تصرّفات ہیں۔ اُسی طرح مومن کے دل پر بھی حضرتِ حق تعالیٰ کے خصوصی تصرفات ہوتے ہیں۔ اُن کے باطنی اَوصاف ایسے ہیں کہ اُن کی گرد بھی آنکھوں کو روشن کر دیتی ہے اور اُن کی ہمتِ مردانہ پہاڑوں کو ہلا دیتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قدموں سے کوہِ طور رقص کرنے لگا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں پہاڑوں اور پرندوں کو حکم ہوا تھا کہ وہ اُن کے ہم نغمہ بن جائیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور پہاڑ اللہ کے عشق میں ہم نغمہ بن گئے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ تُو میرے فراق میں مبتلا ہے اور دوستوں سے جدا ہے۔ فراق کا غم فرو کرنے کے لئے محفل اور قوالوں کی ضرورت ہوتی ہے لہٰذا میں پہاڑوں میں یہ کیفیت پیدا کر دیتا ہوں تاکہ تُو سمجھ لے کہ جب پہاڑ کا نالہ بغیر ہونٹ اور منہ کے ہو سکتا ہے تو ولی کے نالے بھی بغیر لب و دنداں ہو سکتے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ کے دل کے نالوں کو اُن کے کان سُنتے ہیں تم نہیں سُن سکتے لیکن اگر اُن کی اِس کیفیت پر یقین کر لو تو تمہاری سعادت ہے۔ اولیاء رحمہم اللہ کے رُوحانی مکالمات جاری رہتے ہیں اور پاس بیٹھنے والے اُن سے بے خبر رہتے ہیں۔ رُوحانی مکالمہ حسی کانوں سے نہیں سُنا جا سکتا۔ عوام رُوحانی مکالموں سے بہرے ہیں۔ اولیاء رحمہم اللہ سے اعتقاد اچھا رکھنے سے ہو سکتا ہے کبھی

زانکہ شمع از گریہ روشن تر شود اور شمع آنسو بہاتی ہے تو زیادہ روشنی دیتی ہے	ز ابرِ گریاں شاخ سبز و تر شود بادل برستا ہے تو درخت زیادہ سرسبز ہو جاتے ہیں

سننے کے قابل ہو جائیں۔ میں مثنوی لکھنے پر اعتراض کرنے والوں کے اعتراضات سے لکھنا بند نہیں کروں گا اور نہ اعتراضات کی طرف توجہ دوں گا۔ اس سلسلے میں ایک حکایت سنو۔

ایک بچھیرا اور ماں پانی پی رہے تھے۔ وہاں کچھ لوگ سیٹیاں بجا رہے تھے اور بچھیرا سیٹیوں کی آواز سے بدک رہا تھا۔ ماں نے پوچھا: تم کیوں تسلی سے پانی نہیں پی رہے ہو؟ بچھیرے نے کہا: مجھے اُن سیٹیوں سے ڈر لگتا ہے اور میں اپنا دھیان پانی کی طرف نہیں کر سکتا۔ ماں نے کہا: بیٹا جب سے یہ دُنیا بنی ہے فضول کام کرنے والے یہاں رہے ہیں۔ تُو اپنا کام کرتا جا' اُن سے نہ گھبرا۔ پانی تیزی سے بہتا جا رہا ہے' تُو صرف پانی کی طرف دیکھ۔

اِس دُنیا میں اگر تجھے کوئی باکرامت ولی نظر نہیں آتا تو بے دیکھے ہی تُو اُن سے تعلق پیدا کرلے۔ کچھ عرصہ بعد تمہیں اُس کی بزرگی کا یقین آ جائے گا۔ اگر اندھے کو نہر کا پانی نظر نہ آئے تو اُسے چاہیے کہ اس نہر میں اپنی ٹھلیا ڈبو کر دیکھے۔ وہ پانی سے بھر جائے گی تو پانی کے ہونے کا یقین آ جائے گا۔ اُس کو معلوم ہو جائے گا کہ اب نفسانی خواہشات مجھے نہیں اُڑا سکتیں۔ جو لوگ بیوقوف ہیں اور بزرگوں سے فیض یاب نہیں ہیں اُن کی ٹھلیا ہلکی رہتی ہے اور خواہشات کی ہوا اُسے اُڑائے پھرتی ہے۔

شیخ کے ساتھ تعلق کشتی کے لنگر کی طرح ہے۔ چونکہ تجھ میں عقل کا لنگر نہیں ہے۔ تُو بزرگوں کی عقل سے لنگر حاصل کر لے۔ یہ مدد پہلے دل کو حاصل ہوتی ہے پھر اُس سے آنکھیں منوّر رہتی ہیں۔ نورِ حسّی اور نورِ باطنی کا اصلاً تعلق دل سے ہوتا ہے اور اُس سے آنکھ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ تجلیاتِ ربّ کا نزول دل پر ہوتا ہے۔ جبکہ آسمانی پانی کا نزول دل پہ ہوتا ہے تو ہمیں اس بچھیرے کی طرح پانی پینے میں لگا رہنا چاہیے اور معترضین کی سیٹیوں سے نہیں بدکنا چاہیے۔ سالک' پیغمبروں کا پیرو ہوتا ہے۔ تو جس طرح پیغمبروں نے طعنہ زنی کی وجہ سے اپنا کام نہیں چھوڑا سالک کو بھی نہ چھوڑنا چاہیے۔ مسجد کا مہمان مسجد میں لیٹ گیا لیکن اُس کو نیند نہ آئی۔ اس لیے کہ وہ عشق میں ڈوبا ہوا تھا اور ڈوبے ہوئے کو نیند سے کیا واسطہ۔ عاشق کی نیند تو اس طرح کی ہوتی ہے جیسے تیرتی ہوئی مچھلی کی۔ غیبی آواز نے اُس مہمان کو ڈرانا چاہا لیکن وہ ڈر غیر واقعی تھا۔

اسی طرح شیطان سالک کو ڈراتا ہے جو محض دھمکی ہوتی ہے۔ جب انسان دین داری اختیار کرنے کا عزم کرتا ہے تو شیطان اُسے فقر و فاقہ سے ڈراتا ہے کہ دین کے کاموں میں لگے گا تو کمائی سے محروم ہو کر مفلس ہو جائے گا۔ ایسی ہی باتوں کے دل میں آنے سے دین پر چلنے کا ارادہ کرنے والا گمراہی کی طرف لوٹ پڑتا ہے اور دُنیا میں لگ جاتا ہے اور

تا ز صحنِ جانت بر روید خضر	باش چوں دولاب نالاں چشم تر
تاکہ تیری رُوح کے صحن سے سبزہ اُگے	رہٹ کی طرح نالاں اور گریاں رہ

دل میں سوچنے لگ جاتا ہے کہ ابھی نیکی کرنے کا بہت وقت ہے۔ پڑوسی کی موت سے کچھ تنبیہ ہوتی ہے اور وہ دین کی طرف دوڑتا ہے لیکن شیطان پھر اُس کو دھوکے دیتا ہے اور اسی طرح انسان سال ہا سال کشمکش میں گزار دیتا ہے۔ شیطان کی اندرونی آواز نہ دین کی راہ پر چلنے دیتی ہے اور نہ رُوحانی غذا کھانے دیتی ہے۔ اُن کی رُوحوں پر ایسی ہی مایوسی طاری رہتی ہے جیسی کافروں کی رُوحوں پر مرنے کے وقت طاری ہوگی۔ شیطانی آواز کے جب ایسے اثرات ہیں تو خدائی آواز کے اثرات کیسے ہوں گے۔ خدائی آوازیں بھی شیطانی آوازوں کی طرح تمہیں آتی ہیں۔ اگرچہ خدائی آواز شیطانی آواز سے بڑھی ہوئی ہے لیکن تم پر اُس کے اثرات اِس لئے مرتب نہیں ہوتے کہ تم اُس کے اہل نہیں ہو۔

جس طرح باز کی ہیبت بہت بڑی ہوتی ہے۔ اُس کے مقابلے میں مکھی کی ہیبت بالکل نہیں ہوتی لیکن مکھی، باز سے متاثر نہیں ہوتی۔ اگر تم خدائی آواز کے اہل ہوتے تو لامحالہ اُس سے متاثر ہوتے، جس طرح چکور، باز سے متاثر ہو جاتا ہے۔ مکھی چونکہ باز کا شکار نہیں ہے لہٰذا وہ متاثر نہیں ہوتی۔ جس طرح مکھی، مکڑی سے متاثر ہے اِس طرح تم شیطان کی آواز سے متاثر ہو۔ خدائی آواز کے اہل اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم ہیں، لہٰذا اُن پر وہ اثر انداز ہے۔ مکڑی (شیطان) کی آواز کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہے۔ اِس لئے قرآن میں شیطان کو خطاب کر کے کہا گیا۔ "بے شک میرے بندوں پر تیرا کوئی دبدبہ نہیں ہے" امتیاز اِس لئے رکھا گیا ہے کہ اولیاء اللہ رحمۃ اللہ علیہم اور غیر اولیاء باہمی ممتاز رہیں۔ مہمان نے مسجد میں سے آواز سُنی تو وہ بالکل خوف زدہ نہ ہوا کیونکہ موت کی علامات اہل اللہ کے لئے خوشی کا سبب ہوتی ہیں۔

اہلِ دُنیا چونکہ نورِ باطنی سے خالی ہیں اِس لئے وہی موت جو اہل اللہ کی خوشی کا باعث ہے وہ اہلِ دُنیا کے لئے تکلیف کا سبب ہے۔ عید کا نقارہ بجتا ہے تو عید منانے والے خوش ہوتے ہیں۔ جب مسجد میں سے آواز آئی تو اس مہمان ولی کو کس قدر فائدہ پہنچا۔ اُس مہمان نے جواب میں اپنے دل کو آواز دی تو جسم ٹوٹ گیا اور ہر طرف سونا برسنے لگا۔ وہ مرد اُس پر حیران رہ گیا۔ اُس سونے کا جو ذکر آیا ہے اُس سے اہلِ ظاہر اور دنیادار دنیاوی سونا سمجھیں گے حالانکہ اُس سے مراد انوار و برکاتِ خداوندی ہیں۔ جس طرح بچے اپنی ٹھیکریوں کو سونا سمجھتے ہیں اُسی طرح دنیادار اُس سونے کو جو حقیقتاً ٹھیکرا ہے سونا سمجھتے ہیں۔ بچوں کے سامنے جب سونے کا ذکر کرو گے تو وہ ٹھیکرے مراد لیں گے۔ اِسی طرح دنیاداروں کے سامنے سونے کا ذکر کرو گے تو وہ یہی دنیاوی سونا ہی سمجھیں گے۔ اِس سونے سے مراد تجلیاتِ ربّ ہیں۔ دنیاوی سونے چاندی سے تو دل مزید حریص بنتا ہے لیکن جب اُس پر ربّ کی تجلی پڑتی ہے تو اُس کو تمنا حاصل ہوتی ہے۔ اُس مہمان کے لئے مسجد شمع کی طرح ہوئی اور یہ اُس شمع کا پروانہ تھا۔

کام خود موقوفِ زاریِ دل ست ہمارے مقصد کا حصول دل کے رونے پر منحصر ہے	**بے تضرع کامیابی مشکل است** گڑگڑائے بغیر کامیابی مشکل ہے

اُس مسافر کے لئے مسجد کی آواز ایسی ہی ثابت ہوئی جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے وہ آگ تھی جو درخت کے پاس اُنہیں نظر آئی تھی۔ وہ آگ نہ تھی بلکہ نور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی بے شمار عنایتیں تھیں۔ اُن کو نار کی ضرورت پڑی تو اللہ نے نور کو نار کی شکل میں نمودار فرمادیا کہ وہ اِس طرف متوجہ ہوجائیں۔ جب کوئی عام انسان کسی ولی کو دیکھتا ہے تو اُس کو اِس میں صرف بشری اَوصاف ہی نظر آتے ہیں۔ ولی میں اَوصافِ بشری کا نظر آنا خود اُس شخص کی طبیعت کا عکس ہے۔ چونکہ وہ خود اِنہی اوصاف سے مُتصف ہے لہٰذا اُس کو صرف وہی نظر آتے ہیں حالانکہ وہ ولی اُن سے پاک صاف ہوتا ہے۔ ولی کو حضرت موسیٰ علیہ السلام والا درخت سمجھو جس پر بظاہر آگ تھی لیکن دراصل نور تھا۔ اُس ولی سے اِتصال پیدا کر لے تب تجھ پر اُس کی حقیقت کھلے گی۔ ایک چیز کا بظاہر نار اور حقیقتاً نور ہونا اِس بات سے بھی سمجھو کہ سالِک کو ترکِ دُنیا نار معلوم ہوتی ہے لیکن جب وہ راہِ سلوک پر چل پڑتا ہے تو اُس کو معلوم ہوتا ہے کہ ترکِ دُنیا دراصل نور ہے۔ دنیاوی آگ دُور سے نور معلوم ہوتی ہے لیکن اُس کے پاس جائیں تو جلا دیتی ہے۔ لیکن عشق کی آگ دُور سے آگ نظر آتی ہے لیکن عاشقوں کے لئے پھول ہیں۔ اِس بات کی حقیقت اُس کے قریب آنے سے کھلتی ہے۔

عاشق کا صدرِ جہاں سے مِلنا

جس طرح سے مسجد کے مہمان نے اپنے آپ کو شمعِ عشق پر قربان کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اُسی طرح صدرِ جہاں کے اُس عاشق نے بھی اپنے آپ کو شمعِ عشق کا پروانہ بنادیا تھا۔ اُس کے عشق کی سوزش نے صدرِ جہاں کے دل پر ویسا ہی اثر کیا۔ صدرِ جہاں اُس کے لئے دُعائیں کررہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اُس نے قصور کیا۔ ہم نے دیکھ لیا لیکن اُس نے میری رحمت کی طرف دھیان نہیں کیا۔ وہ اپنی خطا ہی کو دیکھتا رہا اور ہماری محبت پر اُس نے غور ہی نہ کیا اور بھاگ گیا۔ وہ خطا کار ہے۔ وہ اپنے دل کے چور کی وجہ سے ہم سے ڈرتا ہے۔ ہم تو نڈروں کو ڈراتے ہیں۔ جو پہلے ہی ڈر رہا ہو اُسے کیا ڈرائیں۔ انسان کا باطن درخت کی جڑ کی طرح ہے۔ جس طرح کی جڑ ہوگی ویسے ہی پتے نکلیں گے۔ جن دلوں میں وفا کے درخت کی جڑ ہے اُن کے پھل آسمان پر ہیں۔ ایسا اِس لئے ہے کہ وہ اُن درختوں میں سے ہے جس کی جڑ تو زمین پر ہے لیکن شاخیں آسمان پر پہنچی ہوئی ہیں جبکہ عشق کا پھل آسمان پر پیدا ہوتا ہے تو صدرِ جہاں کے دل میں کیوں پیدا نہ ہوگا۔

دل سے دل تک راہ ہوتی ہے۔ دو دل دو جسموں کی طرح بالکل جدا نہیں ہوتے۔ اُن میں باہمی اِتصال ہوتا ہے۔ جسموں کی جدائی اور دلوں کے اِتصال کو یوں سمجھو کہ دو چراغوں کے دیے الگ الگ ہوتے ہیں مگر اُن کے نور میں باہمی اِتصال ہوتا ہے۔ صدرِ جہاں کے دل میں محبت اِس لئے قائم تھی کیونکہ عاشق کے دل کی محبت پر معشوق کے دل کی محبت کا

گر ہمی خواہی کہ مُشکل حل شود
خارِ محرومی بگُل مُبدَل شود

اگر تُو چاہتا ہے کہ مُشکل حل ہو جائے
اور محرومی کا کانٹا پھول بن جائے

اثر ہوتا ہے۔ عاشق کے دل میں محبت تب ہی پیدا ہوتی ہے جبکہ پہلے معشوق کے دل میں محبت پیدا ہو چکی ہو۔ عشق کا اثر دونوں کے دلوں پر ہوتا ہے لیکن عشق کے اثرات چونکہ دونوں پر جُداگانہ ہیں اِس لیے عشق، عاشق کو لاغر بنا دیتا ہے اور معشوق کو تروتازہ بناتا ہے۔ تو یہ شُبہ کیا جاتا ہے کہ معشوق کے دل میں عشق نہیں ہے۔ اب یہ بھی سمجھ لو کہ بندے کے دل میں عشقِ الٰہی کا ظہور اس محبت کا اثر ہے جو اُس بندے کی خدا تعالیٰ میں ہے۔ پیاسا اگر پانی کا طالب ہے تو پانی بھی پینے والے کا طالب ہوتا ہے۔ پیاسے کی پیاس، پانی کے دل کے جذبہ کے اثر سے ہے۔

جس طرح خالق و مخلوق میں باہمی محبت و عشق کا رشتہ ہے اس طرح کائنات میں آپس میں بہت سے جذب اور عشق ہیں۔ دُنیا کی اشیاء جوڑا جوڑا ہیں اور ہر ایک اپنے جوڑے کا عاشق ہے۔ اِسی طرح آسمان اور زمین میں بھی باہمی عشق و رغبت ہے۔ یہ عشق زن و شوہر کی طرح کا ہے۔ آسمان جو کچھ زمین کے سُپرد کرتا ہے زمین اُس کی جان کی طرح پرورش کرتی ہے۔ آسمان ہی زمین کو گرمی، تری اور نمی پہنچاتا ہے۔ جس طرح شوہر، بیوی کے لئے کمائی میں سرگرداں رہتا ہے۔ اسی طرح آسمان زمین کے لئے سرگرداں رہتا ہے۔ یہ زمین، آسمان کے وہی کام کرتی ہے جو بیوی، شوہر کے لئے کرتی ہے۔ بچہ جنتی ہے، اس کو دودھ پلاتی ہے۔ زمین اور آسمان چونکہ ذی حس چیزوں کی طرح عمل کرتے ہیں اُن کو بھی حسّاس سمجھو۔ جیسے بیوی کے بغیر شوہر لاولد ہوتا ہے اسی طرح اگر زمین نہ ہوتی تو آسمان پیداوار سے محروم ہوتا۔ نر و مادہ میں آپس میں میلان اسی لئے ہے کہ ہر ایک کام کی تکمیل دوسرے کے بغیر ممکن نہیں ہے اور رات اور دن بظاہر دو مختلف چیزیں نظر آتی ہیں لیکن یہ دونوں اپنے اپنے کام میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں۔

حیوانی جسم چار عناصر خاک، آب، باد اور آتش سے مرکّب مانا گیا ہے۔ اِن عناصر میں سے ہر ایک کا کُرّہ ہے جو اُن کا مخزن ہے۔ انسان کے جسم کے چاروں عناصر ہر وقت اپنے اپنے کُرّہ کی طرف لوٹنا چاہتے ہیں۔ اُن عناصر کے متفرق ہو جانے کا نام موت ہے۔ کُرّہ خاکی، انسان کے خاکی حصّے کو اپنی طرف آجانے کی دعوت دیتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں اگرچہ مرکز سے جدا ہوں اور یہ میرے لئے تکلیف دہ ہے لیکن میں ابھی اس جسم کا پابند ہوں۔ یہی حال دوسرے عناصر کا ہے۔ بیماری اُن عناصر کے جدا ہونے کا سبب بنتی ہے اور عناصر اپنے اپنے مراکز کی طرف پرواز کر جاتے ہیں۔ اُن عناصر کی پرواز کے لئے حکمتِ خداوندی موت کے وقت تک مانع ہی رہتی ہے۔ اللہ نے قیامت کے وقت کا علم اپنے لئے مخصوص فرما دیا ہے۔ جب تمام عناصر اپنے مراکز کی رفاقت چاہتے ہیں اور اپنی اصل کے لئے بے چین ہیں تو رُوح جو کہ حسّاس بھی ہے اپنی اصل سے علیحدہ رہنے میں کس قدر بے چین ہوگی۔ رُوح، اجزائے عنصری سے کہتی رہتی ہے کہ

کردۂ بر دیگراں نوحہ گری	مُدتے بنشیں و بر خود می گری
تُو دُوسروں کے لیے روتا رہا ہے	کچھ دیر اپنے پر بھی رو کر دیکھ لے

میں عرشی ہوں اور تم فرشی ہو۔ مجھے اپنے مرکز سے جدا رہنا بہت ناگوار ہے۔ چونکہ جسم فرشی اجزاء سے بنا ہے اس لئے اُس کا میلان فرشی چیزوں کی طرف ہوتا ہے۔

رُوح انسانی کی اصل رُوحِ اعظم ہے لہٰذا رُوح کا میلان ابدی زندگی اور حَیٌّ وَ قَیُّوْمٌ کی طرف ہے اور جسم کا میلان صرف کھانے پینے کی طرف ہے۔ جس طرح رُوح شرف کی طرف مائل ہے اُسی طرح شرف بھی رُوح کی طرف مائل ہے۔ قرآن پاک میں مومنوں کے بارے میں کہا گیا ہے یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ یعنی ''خدا اُن سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں''۔ معلوم ہوا کہ جس طرح رُوح، رُوحِ اعظم کی طرف مائل ہے اُسی طرح رُوحِ اعظم بھی رُوح کی طرف مائل ہے۔ اگر میں اُس رُوح اور رُوحِ اعظم کے اتحاد کی بات کروں گا تو یہ مثنوی بہت ضخیم ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہر معشوق اپنے عاشق کا عاشق ہوتا ہے۔ جبکہ عشق طرفین میں ہوتا ہے تو عاشق کا عشق، معشوق کے چکر کٹواتا ہے اور معشوق کا عشق اُس میں حُسن کا اضافہ کرتا ہے۔ معشوق کا عشق اُس کے رُخساروں کو گلنار بناتا ہے اور عاشق کا عشق اُسے جلاتا ہے۔ کہربا میں بھی عشق ہے لیکن بے نیازی کے ساتھ، لہٰذا وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے۔ تنکے میں بھی عشق ہے جو اُسے کہربا کی طرف کھینچ لاتا ہے۔

اب کائنات کے ذکر کو چھوڑ کر صدرِ جہاں کے عاشق کی طرف چلتے ہیں۔ عاشق کی سرد آہوں کا اثر صدرِ جہاں پر ہوا اور وہ اُس پر مہربان ہو گیا لیکن صدرِ جہاں کے عشق کے لئے اُس کی عزت اور مرتبہ اپنے معشوق کی تلاش میں مانع تھا۔ صدرِ جہاں کا عشق تو اُس کا مشتاق تھا لیکن اُس کی سلطنت عشق کے لئے مانع بن رہی تھی۔ کشش دونوں میں تھی لیکن کس کی کشش دوسرے کی کشش کا اثر تھی اس میں عقل حیران ہے۔ حضرتِ حق اپنی محبوبیت کے اظہار کے لئے عاشقوں میں جذبہ عشق پیدا کرتا ہے لیکن یہ ایسی تقریر ہے کہ عوام اِسی سے اللہ تعالیٰ کی احتیاج اور ضرورت کا نتیجہ نکال لیں گے۔ اِس لئے اُس کا بیان مناسب نہیں ہے۔ حضرتِ حق تعالیٰ اجازت نہیں دیتا ہے کہ اس امر کی وضاحت کی جائے۔ مجھے اِس ارادے سے روکنے والی وہی ذات ہے جو انسانوں کے پختہ عزم و ارادہ کو روک دیتی ہے۔ انسان سینکڑوں پختہ ارادے کرتا ہے اور ارادے کو پورا بھی نہیں کر سکتا۔ اِس سے معلوم ہوا کہ روکنے والی کوئی خاص ذات ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن ارادوں کو اس لئے فسخ کراتا ہے کہ لوگوں کو اُس کی معرفت حاصل ہو جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''میں نے اپنے خدا کو اپنے ارادوں کے فسخ ہونے سے پہچانا''۔ اللہ تعالیٰ ہمارے دل میں سو ارادے پیدا فرما دیتا ہے اور پھر اُن کو ناکام بھی کر دیتا ہے۔ جب پہلا ارادہ ناکام ہوتا ہے تو انسان سمجھتا ہے کہ کوئی

نالہ میکن گاے تو علامُ الغیوب
گریہ زاری کر اور کہہ اے خُدا تو غیب کا جاننے والا ہے

زیرِ سنگِ مکرِ بد مارا مکوب
مجھے بُرے مکر جیسے پتھر کے نیچے نہ کچل

ذات فسخ کرنے والی ہے۔ جب انسان کی تدابیر ناکام ہوتی ہیں تو اُس کو قضاءِ خداوندی اور خدا کا یقین ہو جاتا ہے۔ کبھی ارادے پورے بھی ہو جاتے ہیں کہ انسان مایوس نہ ہو اور ارادے کی نیت کو ہی نہ چھوڑ بیٹھے۔ وہ ارادہ چھوڑ دے گا تو ارادے کے ناکام ہونے سے جو معرفتِ خداوندی حاصل ہوتی ہے وہ نہ ہوگی۔ اہلِ عقل باوجود ارادے کی پختگی کے' پھر محرومی سے ذاتِ باری کی معرفت حاصل کرتے ہیں۔ حدیث ہے ''جنت کو ناپسندیدگیوں سے گھیر دیا گیا ہے'' یعنی جنت میں جانے کے لئے وہ اسباب ہیں' جو انسانی طبیعت کو ناگوار گزرتے ہیں۔ اہلِ عقل کی نامرادی جبری ہے لیکن عاشقوں کی محرومی اختیاری ہوتی ہے۔ اہلِ عقل مجبوری کے بندے ہیں اور عاشقانِ حق اُس محرومی میں وصلِ حق کی نعمتیں حاصل کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے ''پھر حق تعالیٰ آسمان پر استویٰ ہوا اور وہ ایک دُھواں تھا۔ پھر اُس نے آسمان اور زمین سے کہا تم دونوں فرماں برداری کرو خوشی سے یا جبراً''۔

اِس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ کچھ لوگ اطاعت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں' جیسے کہ کفار کے وہ قیدی کہ جب قید ہو کر آئے تو آنحضور ﷺ کو غضبناک نظروں سے دیکھ رہے تھے حالانکہ وہ اُن کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جا رہے تھے۔ آنحضور ﷺ اُن قیدیوں کا نہ فدیہ قبول فرما رہے تھے اور نہ روپیہ پیسہ اور نہ ہی اُن کے پاس کوئی سفارش پہنچ سکتی تھی۔ وہ قیدی دل میں یہی کہہ رہے تھے کہ لوگ اُن کو رحمتِ عالَم کہتے ہیں حالانکہ یہ لوگوں کے گلے کاٹ رہے ہیں۔ وہ دل ہی دل میں حضور ﷺ پر طعنہ زنی کر رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے ہم طاقت ور ہوتے ہوئے اِن بے سروسامان لوگوں سے شکست کھا کر قیدی بنے ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ ہماری غلط روی ہے یا ہم پر ستاروں کی نحوست ہے یا جادو ہوا ہے۔ پھر دل میں کہتے کہ اُنہوں نے جادو کیا تو ہم نے بھی تو جادو کیا تھا۔ وہ کارگر کیوں نہیں ہوا؟ قرآن میں ہے کہ ''اے مکہ والو! تم فتح مانگتے تھے (کہتے تھے جو حق پر ہو اُس کو فتح حاصل ہو) تو فتح آ گئی۔ اب اگر تم باز رہو گے تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر تم پلٹے تو ہم بھی پلٹیں گے اور تمہارا جتھہ تمہیں فائدہ نہ پہنچا سکے گا خواہ کتنا ہی زیادہ ہو اور بیشک اللہ مومنوں کے ساتھ ہے''۔

کفار کہتے تھے کہ ہم نے بتوں اور خدا سے دُعائیں مانگی تھیں کہ جو حق پر ہو اُسے فتح ہو جائے تو لگتا ہے مسلمان حق پر ہیں۔ پھر اپنے اس خیال کی تردید کرتے اور سوچتے کہ ہماری شکست اور مسلمانوں کی شکست میں بہت فرق ہے۔ ہم شکست سے پست ارادہ ہو جاتے ہیں لیکن مسلمان شکست کے بعد زیادہ اُبھرتے ہیں۔ یہ شکست سے پست ہمت نہیں ہوتے بلکہ اِن میں قوتِ ایمانی اور بڑھ جاتی ہے۔ مسلمانوں کی بے سروسامانی ان کے ایمان کی علامت ہے اور مومن کی

اے بسا نازا کہ گردد آں گناہ		افگند مر بندہ را از چشمِ شاہ
شاہ کے سامنے کیے ہوئے بعض ناز گناہ بن جاتے ہیں		اور بندے کو اُس کی نگاہ سے گرا دیتے ہیں

شکست اُس کے اعمال و اخلاق کی اِصلاح کر دیتی ہے جیسے مشک و عنبر کی ڈلی کو اگر توڑ دیا جائے تو خوشبو زیادہ پھیلتی ہے۔ کافروں کی شکست کی مثال لید کی سی ہے کہ اگر کریدیں گے تو زیادہ بدبو پھیلے گی۔ مسلمانوں اور کافروں کی شکست کو ایک جیسا نہیں سمجھنا چاہیے۔ مسلمانوں کی شکست چونکہ مزید تقویت کا باعث ہے اسی لئے قرآن میں صلح حُدیبیہ کی بظاہر ناکامی کو فتحِ مبین قرار دیا گیا کیونکہ آئندہ آنے والے واقعات نے یہی ثابت کر دیا ہے۔

صلح حُدیبیہ میں آنحضور ﷺ کو حکم ہوا کہ عُمرہ کیئے بغیر واپس ہو جاؤ اور اِس ناکامی سے رنجیدہ نہ ہو کیونکہ یہ ناکامی بہت سی فتوحات کا سبب بنے گی۔ اگر فتوحات اور غنیمتیں نہ بھی ہوں تب بھی یہ جماعت وہ ہے جس کو رضا کا مقام حاصل ہے کہ جس میں غم بھی اِسی طرح خوشگوار ہوتا ہے جس طرح خوشی۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا نے فرمایا کہ سالک کو رضا کا مقام اُس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ غم بھی اُس کے لئے ایسا ہی خوشگوار ہو جیسا کہ خوشی۔ اِس جماعت کے لوگ فقر میں شہنشاہی اور خزاں میں بہار کے لُطف اُٹھاتے ہیں۔ اگر کنوئیں کی گہرائی میں اُن کو معیتِ حق حاصل ہے تو وہ آسمان کی بلندی سے بہتر ہے۔ بڑائی دراصل معیتِ حق ہے۔ اونچائی یا نیچائی میں خود کوئی فضیلت اور بڑائی نہیں ہے۔ اللہ کا قرب، بلندی اور پستی سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ ترکِ ہستی سے ہوتا ہے۔ جب مقامِ فنا حاصل ہو جائے تو اَسرارِ خداوندی ظاہر ہوتے ہیں۔ قیدی کہہ رہے تھے کہ آنحضور ﷺ کو اگر فنائیت حاصل ہے اور وہ اللہ کے مُقرّب ہیں تو ہماری تباہی پر کیوں خوش ہو رہے ہیں۔ وہ ہمیں قید میں دیکھ کر خوش کیوں ہیں یقیناً اُن کی خوشی اِس بنا پر ہے کہ اُنھوں نے ہم پر فتح پائی ہے۔ اللہ والے تو سب انسانوں پر مہربان ہوتے ہیں خواہ انسان بھلے ہوں یا بُرے۔ اُن کی یہ خفیہ باتیں نبی اکرم ﷺ نے بھی سُن لی تھیں۔

حضور ﷺ کے کان اِس جہان کے کان نہ تھے بلکہ خدائی کان تھے جن کے لئے آہستہ بات اور بلند آواز یکساں تھیں۔ جن لوگوں کو قربِ الٰہی حاصل ہو جاتا ہے وہ صِفاتِ حق سے متّصف ہو جاتے ہیں۔ لوحِ محفوظ کے اَسرار شیاطین آسمانوں پر پہنچ کر بھی نہیں سُن سکتے لیکن آنحضور ﷺ اپنی جگہ پر سُن لیتے تھے۔ اَسرارِ خداوندی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ پیغمبر ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے۔ آنحضور ﷺ نے جب قیدیوں کی بات سُن لی تو فرمایا: میرا ہنسنا جنگ کے کسی معاملے سے متعلق نہیں ہے۔ تم لوگ کافر ہو اِس لئے مردہ ہو۔ مُردے کو مارنا تو بہادری نہیں ہے۔ میں تو تمہیں پہلے ہی اِس طرح بندھا ہوا دیکھ رہا تھا۔ خاندان اور سلطنت پر ناز کرنا ایسا ہی ناپائیدار ہے جیسا کہ اونٹ کا سیڑھی پر ٹکاؤ۔ جب سے میں جسم کی مادیت سے آزاد ہو گیا ہوں ہر آنے والے واقعہ کو اِسی طرح دیکھ لیتا ہوں جیسے کہ وہ میرے سامنے ہو رہا

این آباد ست آں راہِ نیاز
عاجزی کا راستہ اطمینان لاتا ہے

ترکِ نازش گیر و با آں رہ بساز
کسی نیکی پر ناز نہ کر بلکہ عاجزی سے مانوس ہو جا

ہو۔ کسی چیز کے مَعدُوم ہونے کی حالت میں اُس کے وجود کو دیکھ لیتا ہوں۔ میں ازل سے ہونے والے واقعات سے بھی باخبر ہوں۔ حضرت آدم علیہ السلام کی پشت میں سے اُن کی اولاد کو چیونٹیوں کی شکل میں نکال کر اُن سے عہدِ الَست لیا گیا تھا تو میں نے اُس وقت تم کو اوندھا دیکھا تھا۔ تمہاری شکست میرے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ کائنات کے بارے میں جو علم مجھے ازل میں حاصل ہوا تھا' کائنات کے وجود کے بعد اُس میں کوئی اِضافہ نہیں ہوا۔ میں نے ازل ہی میں تمہیں قہرِ الٰہی میں مبتلا دیکھا تھا۔ وہ قہر بھی ایسا تھا جسے تم مُہر سمجھتے ہو۔ میرا یہ جہاد مُلک گیری کے لئے نہیں ہے۔ میرا کام تو لوگوں کو حیاتِ ابدی عطا کرنا ہے۔ میرا جنگ کرنا عالَم میں فساد کو رفع کرنے کے لئے ہے۔ میں اپنی شان و شوکت کے لئے جہاد نہیں کرتا بلکہ مُفسدین کو ختم کر کے عالَم میں امن پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ میری مثال اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ جب آگ خوب پھیل گئی تو پروانوں اور اُن جانوروں نے جو آگ میں گرتے ہیں اس میں گرنا شروع کر دیا۔ پس میں تمہاری کمر کو پکڑتا ہوں کہ تم کو آگ سے بچاؤں لیکن تم اس میں گھسے پڑتے ہو۔ جس چیز کو تم اپنی فتح سمجھتے ہو یہی تمہاری نحوست ہے۔ تم ایک دوسرے کو اژدہے کے منہ میں جانے کی دعوت دیتے ہو۔

سرکش عین غلبہ میں مغلوب اور عین فتح مندی میں بھی قیدی ہے

ایک چور نے کسی خواجہ کو مغلوب کیا اور اُس کا سونا اکٹھا کرنے لگا۔ اتنے میں حاکم آ گیا اور اُسے پکڑ کر باندھ لیا۔ اگر وہ خواجہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا تو بچ جاتا۔ چور کا خواجہ پر غالب آ جانا ہی اُس کی مغلوبیت ہے۔ اللہ تعالیٰ قصداً کفار کو غلبہ عطا فرما دیتا ہے تاکہ وہ غلبہ کے غرور میں مبتلا ہو کر جال میں پھنسیں جبکہ غلبہ کا غرور تباہی کا باعث بنتا ہے تو اُس غرور میں مبتلا ہو کر کسی پسپا ہوتے ہوئے کا پیچھا نہیں کرنا چاہیے اور کمزوروں پر زیادتی کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ حدیث شریف میں ہے "کیا جنتیوں کا پتہ بتا دوں' ہر کمزور جس نے کمزوری اختیار کی ہو۔ وہ اللہ کے بھروسے قسم کھائے تو اللہ اُس کی قسم ضرور پوری کرتا ہے"۔ اہلِ جنت کی کمزوری کمال ہوشیاری اور اپنے اَفعال سے بدظنی کی بنا پر ہوتی ہے۔ کمزوری' کبھی عقل کی کمی سے آتی ہے اور کبھی بُزدلی کی وجہ سے' کبھی مذہب پر یقین نہ ہونے سے' لیکن اہلِ جنت کی کمزوری ان وجوہ سے نہیں ہے۔ صلحِ حُدیبیہ کے موقع پر مومنوں کی بظاہر مغلوبیت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا "اور اگر شہرِ مکہ میں کچھ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں نہ ہوتیں تو تم اُن کے حال سے واقف نہ تھے اور تم اُن کو پامال کر ڈالتے اور نادانستہ تم کو اُن سے نقصان پہنچ جاتا تو ابھی معاملہ یکسو کرا دیا جاتا مگر اللہ نے اُس وقت حُدیبیہ میں اپنی حکمت سے لڑائی نہ ہونے دی کہ اللہ اس عرصہ میں جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل کرے۔ اگر مکہ کے

چو بگریانم بجوشد رحمتم
جب میں رُلاتا ہوں میری رحمت جوش مارتی ہے

آں خروشندہ بنوشد نعمتم
اور رونے والا میری آواز سُن لیتا ہے "میری نعمت بھی"

رہنے والے مسلمان کہیں کوئی گئے ہوتے تو اہلِ مکہ کو جس جس نے کفر کیا سب کو دردناک عذاب کی سزا دیتا"۔

"وہ خدا ہی تو ہے جس نے تمہیں کافروں پر فتح دی۔ اُن کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا اور تمہارے ہاتھوں کو اُن سے روک دیا اور اس وقت جو کچھ تم کرتے تھے اللہ سب دیکھتا تھا" غلبے کے وقت بھی آنحضور ﷺ اپنے آپ کو عاجز ہی سمجھتے تھے اور اس غلبے کو محض تائیدِ خداوندی سے جانتے تھے۔ جنگِ بدر میں جبکہ آنحضور ﷺ نے ایک مٹھی مٹی پھینکی اور اُس سے کافر مغلوب ہوئے تو اُس کے بارے میں قرآن میں اللہ نے فرمایا: "جب تم نے مٹی پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی اللہ نے پھینکی" حضور ﷺ نے قیدیوں سے فرمایا کہ "تم پر میری ہنسی اس وجہ سے نہ تھی کہ تم قیدی بن گئے تھے میں تو اس لئے ہنس رہا تھا کہ میں تمہیں قید کر کے جنت کی طرف لے جا رہا ہوں اور اس بات پر تعجب کر رہا ہوں کہ باوجود دشمنی کے تمہیں آگ سے بچا کر سبزہ زار میں لے جا رہا ہوں"۔ جب توفیقِ الٰہی شاملِ حال ہوتی ہے تو وہ انسان کو بخوشی یا جبراً راہِ راست پر لے آتی ہے۔ عام انسان خوف اور ڈر سے راہِ ہدایت پر چلتے ہیں اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ اپنی خوشی اور بصیرت سے راہِ راست پر چلتے ہیں۔

انسان مجاہدہ کرے تو اُس کو نورِ باطنی حاصل ہو جاتا ہے جس سے راہِ ہدایت اُس کے لئے آسان ہو جاتی ہے۔ بچے اولاً مکتب میں جانے سے گھبراتے ہیں لیکن اگر عمل کا ثواب آنکھوں سے نظر آنے لگے تو پھر عبادت گزاروں کو دیکھ کر رشک آنے لگے۔ اہلُ اللہ کی عبادت محض عشق کی بنیاد پر ہوتی ہے اور عام انسان کی مثال اُس بچے کی سی ہے جو اپنی دودھ پلانے والی سے صرف دودھ کے لالچ میں محبت کرتا ہے۔ جو لوگ جنت کے لالچ یا دوزخ کے ڈر سے اللہ کے عاشق ہیں وہ لوگوں کی دیکھا دیکھی ایسا کر رہے ہیں۔ عشق کی کوئی بھی حالت ہو۔ اللہ ہی کی کشش اُس کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ چاہے کوئی عشق میں جنت کا اُمیدوار ہے یا ذاتِ باری کا عاشق ہے' صرف وصال کا طالب ہے اور ہجر سے ڈرتا ہے' ان دونوں کی طلب اللہ ہی کی پیدا کردہ ہے۔

معشوق کا عاشق کو جذب کرنا' اِس طریقہ پر کہ عاشق نہ اُسکو جانتا ہے' اور نہ اُس کی اُمید رکھتا ہے اور نہ اُس کے دِل میں آتا ہے اور اِس کشش کا اثر عاشق میں کچھ ظاہر نہیں ہوتا' سوائے خوف سے مِلی ہوئی مایُوسی کے اور طلب کی ہمیشگی کے

معشوق کی کشش ایسی ہوتی ہے کہ وہ عاشق کو محسوس نہیں ہوتی۔ میلان دونوں طرف ہوتا ہے لیکن معشوق کا پوشیدہ میلان ہوتا ہے

گر نخواہم داد خود ننمایمش
اگر میں دینا نہ چاہوں تو اُسے نہ دکھاؤں

چونکہ کردم بستہ دل بکشایمش
جب میں اس دل کو تنگ کرتا ہوں تو کشادہ بھی کرتا ہوں

اور عاشق کا کھلم کھلا۔ حاکمِ بخارا صدرِ جہاں کے عاشق کا عشق ایسا ہے کہ اِس کا بیان ضروری ہے۔ اُس کی خواہش ہے کہ موت سے پہلے اپنے معشوق کا چہرہ دیکھ لے۔ معشوق کا دیدار عاشق کے لئے آبِ حیات ہوتا ہے۔ اُس کے بعد موت نہیں آسکتی۔ جس معشوق کا دیدار موت کو دفع نہ کر سکے وہ دراصل معشوق ہی نہیں ہے۔ عشق کا صحیح کارنامہ تو یہی ہے کہ اُس میں موت آجائے۔ صحیح ایمان کی علامت یہی ہے کہ اُس میں جان قربان کرنا اچھا لگے۔ اگر ایمان میں یہ کیفیت نہیں ہے تو وہ ایمان ناقص ہے۔ تم اپنا صحیح دوست اُسی کو سمجھو گے جو تمہارے لئے جان دے دے۔ جب وصال کے شوق میں مرنا آسان ہو جائے تو پھر وہ موت' موت ہی نہیں ہوتی محض ایک نقل مکانی ہے۔ موت تو ایک ناگوار چیز ہے۔ جب ناگواری ختم ہوگئی تو موت' موت ہی نہ رہی۔ صحیح دوست تو اللہ تعالیٰ ہے اور دُنیا میں وہ دوست' دوست ہے جو اللہ والا ہے۔

جب اُس بخاری عاشق نے صدرِ جہاں کو دیکھا تو وہ بے حس و حرکت ہو گیا اور سر سے پاؤں تک ٹھنڈا پڑ گیا۔ اُسے ہوش میں لانے والی سب تدبیریں ناکام ہوگئیں۔ معشوق کی خوشبو کے سوا عاشق کی بے ہوشی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ صدرِ جہاں نے جب اُس کی یہ حالت دیکھی تو سواری سے اُتر کر اُس کے پاس آگیا۔ اُس نے کہا کہ عشق کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ عاشق' معشوق کو ڈھونڈتا ہے اور اُس کے سامنے آنے پر فنا ہو جاتا ہے۔ خدا کے عاشق کا بھی یہی حال ہونا چاہیے کہ عاشق کو فنا کا درجہ حاصل ہو جائے۔ اپنی اِس فنا کو بھی کچھ نہ سمجھو کیونکہ وہاں ہزاروں فانی ہیں۔ عاشق کا وجود معشوق کے ظاہر ہو جانے پر اِس طرح ختم ہو جانا چاہیے جیسے سورج کے آتے ہی سایہ غائب ہو جاتا ہے یا جیسے جنون آنے پر عقل رخصت ہو جاتی ہے یا آندھی آنے سے مچھر بھاگ جاتا ہے۔

مچھر کا حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہوا کی فریاد کرنا

مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہر ایک کے ساتھ انصاف کرنے والے ہیں۔ آپ دُنیا کی ہر ایک چیز پر حکومت کرتے ہیں' میں بھی آپ سے انصاف کا طالب ہوں کیونکہ آپ لوگوں کی مشکلیں حل کر دیتے ہیں۔ ہم کمزور سے کیڑے ہیں۔ آپ کی قدرت اِنتہا پر ہے اور ہماری کمزوری انتہا پر ہے۔ آپ کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے۔ مہربانی کر کے ہمیں فکر اور تکلیف سے نجات دلا دیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا: تمہیں کس نے تکلیف پہنچائی ہے؟ میں کسی کو کسی دوسرے پر ظلم کی اجازت نہیں دے سکتا۔ میں نے تو تمام شیطانوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر رکھا ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائیں۔ میں مظلوموں کی فریاد سنتا ہوں۔ تم مجھے بتاؤ کہ تم کس کے ہاتھوں تنگ ہو؟ مچھر

رحمتم موقوفِ آں خوش گریہ ہاست
میری رحمت خوب رونے پر موقوف ہے

بعد ازاں از بحرِ رحمت موج خاست
پھر اُسکے بعد رحمت کے دریا میں موج اُٹھتی ہے

بولا: حضور ہم ہوا کے ہاتھوں پریشان ہیں۔ ہم اُس کے مقابلے میں سوائے فریاد کرنے کے کچھ نہیں کر سکتے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے اچھی بھنبھناہٹ والے! اللہ نے مجھے فرمایا ہے کہ جب فیصلہ کرنے لگوں تو دونوں فریقوں کو اچھی طرح سُن لوں اور پھر انصاف کروں۔ مدّعا علیہ کی غیر حاضری میں مدّعی کے قول پر فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ فریقین کی موجودگی ضروری ہے اس لئے مدّعا علیہ کو بھی حاضر کیا جائے۔

مچھر نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرتے ہوئے عرض کیا کہ مدّعا علیہ آپ کے زیرِ فرمان ہے اس لئے اُس کو بھی حاضری کا حکم دیجئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہوا کو طلب کر لیا۔ ہوا تیزی سے حاضر ہوئی تو مچھر بھاگ نکلا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مچھر سے کہا: تُو یہاں ٹھہر تاکہ دونوں کی موجودگی میں فیصلہ کر سکوں۔ جس طرح ہوا کا وجود مچھر کی فنا ہے اُسی طرح وصلِ حق واصل کی فنا ہے۔ وصل سے اگرچہ بقا باللہ حاصل ہوتی ہے لیکن اُس سے پہلے مقامِ فنا طے کرنا پڑتا ہے۔ ممکن کا وجود ظل ہے اور سایہ ہے اور ذاتِ باری نور ہے۔ نور کے ظہور کے وقت سایہ معدوم ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے معدوم ہے اور چونکہ اُس کو بقا باللہ حاصل ہے اِس لئے موجود ہے۔ ایسے انسان میں ہستی اور نیستی کا اجتماع حیران کُن ہے۔

معشوق کا بے ہوش عاشق کو نوازنا تاکہ وہ ہوش میں آجائے

صدرِ جہاں در پردہ اُس پر عنایت کر رہا تھا۔ اُس بے ہوش کے رخساروں پر صدرِ جہاں کے آنسو گر رہے تھے اور وہ اُسے بے ہوشی سے ہوش میں لا رہا تھا تاکہ اُس سے باتیں کرنے لگے۔ صدرِ جہاں نے اُس کے کان میں کہا: فراق میں تیری جان بے چین تھی۔ اب جبکہ میں تیرے پاس ہوں تو تیری جان کیوں بھاگ گئی ہے؟ انسان کے عشقِ خداوندی میں مبتلا ہونے کی یہ مثال ہے کہ ایک مرغ ایک اونٹ کو اپنا مہمان بنا لایا۔ جب اونٹ نے اُس کے گھر میں قدم رکھا تو گھر کو برباد کر دیا۔ یہی حال انسان اور عشقِ الٰہی کا ہے کہ جب وہ مہمان بن کر آتا ہے تو خانۂ مرغ جو کہ عقل و ہوش ہیں وہ ختم و فنا ہو جاتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے: ''ہم نے امانت آسمانوں اور زمینوں پر پیش کی۔ اُنہوں نے اسے اُٹھانے سے انکار کر دیا اور اِس سے ڈر گئے۔ انسان نے اِس امانت کو اُٹھا لیا۔ یقیناً وہ بڑا ظالم اور جاہل تھا''۔ وہ امانت عشقِ الٰہی ہی تھی۔ انسان کی نادانی دیکھو کہ وہ اِس مشکل کام میں پھنس گیا۔ عشقِ الٰہی میں مبتلا انسان کو ظالم کہا گیا ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو فنا کرتا ہے لیکن یہ ایسا ظلم ہے جو سب انصافوں سے بڑھا ہوا ہے۔

تا نگرید طفل کے جوشد لبن بچہ نہ روئے تو ماں کا دودھ کب جوش مارتا ہے	تا نگرید ابر کے خندد چمن اگر ابر نہ روئے تو چمن کیسے خوشگوار ہو

صدرِ جہاں نے اس بے ہوش کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ اِس کا سانس تب لوٹے گا جب میں اُسے سانس عطا کروں گا۔ جب یہ میری سانس سے ہوش میں آئے گا تو پھر اس کی رُوح میری طرف متوجہ ہوگی۔ میری عطا کردہ جان میں میری اعلیٰ بخششیں قبول کرنے کی صلاحیت ہوگی۔ اُس کی پہلی جان نامحرم تھی۔ وہ میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتی تھی۔ میں اُس پر ایسی پھونک ماروں گا کہ تمام آلائشِ بشری سے پاک ہوجائے اور ہمارا وصل ہوجائے۔ اے میرے عاشق! تیری ہستی اور بے ہوشی ہماری وجہ سے ہے اور تیری ہستی ہماری ہستی سے قائم ہے۔ میں تمہیں ایسے اَسرار کی تعلیم دوں گا جو مادی ہونٹوں سے نہیں سُنائے جاسکتے۔ یہ باطنی اَسرار ہیں۔ اب تُو اپنے وہ کان کھول جو تیرے ظاہری کانوں کے علاوہ ہیں۔ یہ خوشخبری سُن کر اُس مُردے میں جان پڑنے لگی۔ یہ عاشق مٹی سے تو گیا گزرا نہ تھا کہ بادِصبا کے جھونکوں سے ہی اُس میں جان پڑ جاتی ہے اور اُڑنے لگتی ہے۔ سارے عالَم کو دیکھ ایک کرشمے سے عدم سے وجود میں آ گیا۔

صدرِ جہاں کی باتیں سُن کر وہ ہوش میں آ گیا۔ رقص کرنے لگا اور سجدہ میں گر گیا۔ اُس مدہوش نے ہوش میں آ کر صدرِ جہاں سے کہا کہ آپ کی ذات میرے لئے عنقا ہوگئی تھی۔ میں تو اس آرزو میں بیہوش ہوا ہوں کہ آپ کے کان کو اپنا دردوغم سُنا سکوں۔ آپ کی مجھ پر مہربانیوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ آپ کا دُنیا میں کوئی ثانی نہیں ہے۔ میری بات اور آہ و بکا بمنزلہ کڑک کے ہے جو میری آنکھوں کے اَبر سے آنسو بہانا چاہتی ہے۔ میں روتا ہوں تو زبانی شکوے سے محروم ہوجاتا ہوں اور شکوہ کرتا ہوں تو رو نہیں سکتا۔ اب اُس کی یہ حالت ہوگئی کہ کبھی روتا کبھی ہنستا اور کبھی شکوے کرتا۔ اُس کی حالت دیکھ کر لوگ حیران تھے۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ اُس عاشق میں ہجر زیادہ دردناک تھا یا یہ وصال زیادہ دردناک ہے۔

اے لوگو! عشق کے اَحوال دونوں جہاں کے اَحوال سے جدا ہیں۔ پاگل میں ایک دیوانگی ہوتی ہے لیکن عاشق میں بہت دیوانگیاں ہوتی ہیں۔ عشق خود ایک پوشیدہ چیز ہے لیکن اُس کے آثار بہت کھلے ہوئے ہوتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام باوجود اپنی بلندیوں کے اِس کی تمنا کرتے رہے ہیں۔ عشق اُن کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا۔ اگر عشق کی اپنی کوئی زبان ہوتی تو وہ اپنا اور عاشقوں کا حال بیان کرسکتا۔ کوئی دوسرا عشق کی حقیقت بیان نہیں کرسکتا۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ میں عاشقوں کا محرمِ راز ہوں لہٰذا عشق کی حقیقت سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں لیکن میری یہ کوشش ایسی رائیگاں ہے جس طرح پنجرے میں پھونک بھرنا۔ اے رومی! تیرے عشق کی حقیقت کو بیان کرنے کے دعوے تیرے پراگندہ خیال ہیں، جو شب کی بے چینی کے اثرات ہوتے ہیں۔ تُو پہلے کوئی محرم تلاش کر پھر اُس سے بات کرنا۔ تو خود عاشق اور مَست ہے اور زبان چلاتا ہے۔ یہ تو بڑی حیرت انگیز بات ہے۔ جب تُو زبانِ عشق کے

چوں بانبازیست عالم برقرار
یہ (دُنیا) ایک دوسرے سے شرکت کی وجہ سے قائم ہے

ہر کسے کارے گزینند زافتقار
ضرورت کی وجہ سے ہر ایک کوئی کام کرتا ہے

نازو انداز کا بیان شروع کرتا ہے تو آسمان اللہ کو پکار کر اُن رازوں کے مخفی رہنے کی دُعا کرتا ہے لیکن عشق کے راز کو چھپانا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی چنگاری کو روئی میں چھپائے۔ میں عشق کو چھپانا چاہتا ہوں تو عشق میرے کان پکڑ کر کہتا ہے کہ مجھے چھپا کر دیکھ تو کیسے چھپا سکتا ہے۔ میں اُسے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو پوشیدہ کرلو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ میری مثال اُس شراب کی سی ہے جو مٹکے میں مقید ہے اور اُس کے آثار سرِ محفل نہیں ہیں۔

میں بھی رُوح میں مقید ہوں لیکن آثار کھلے ہوئے ہیں۔ عام شراب پینے والا شرابی کبھی سیر نہیں ہوتا اور ہمیشہ پیتے رہنے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ جب ظاہری شراب کی یہ صورت ہے تو شرابِ عشق سے کیسے سیری ہوسکتی ہے۔ عشق کی جستجو کرے گا تو وہ تیری رُوح کے لئے آبِ حیات کا کام کرے گا اور تیرا بدن اُس کے لئے جام بن جائے گا۔ جب عشق توفیق کی شراب کو جوش دیتا ہے تو پھر ابریق بدن پارہ پارہ ہوجاتا ہے اور وہ علائق جسمانی سے آزاد ہوجاتا ہے۔ اب یہ کیفیت ہوگی کہ عشق، عاشق اور معشوق میں اتحاد ہوجائے گا۔ پانی اور ساقی اور مست ایک ہوجائیں گے۔ اگر یہ اتحاد تیری سمجھ میں نہیں آتا تو تردید نہ کر اور معاملہ اللہ کے سپرد کردے۔ انگور کے شیرے کے تمام خواص ساقی کا پرتو ہیں۔ اگر کوئی انکار کرے تو اُس سے دریافت کر کہ انگور کے شیرے میں یہ خواص کہاں سے آئے ہیں؟ انسان اچھی طرح جانتا ہے کہ کوئی کام کام کرنے والے کے بغیر وجود میں نہیں آتا تو لامحالہ ایک ذات ہے جو ان تمام چیزوں پر تصرف کئے ہوئے ہے اور وہ یقیناً حق تعالیٰ کی ذات ہے۔

لمبے ہجر اور امتحان میں مُبتلا عاشق کا قصہ

ایک جوان کسی عورت پر عاشق ہوگیا لیکن اُس کو کسی طرح اِس کا وصل میسر نہیں آتا تھا۔ وہ بے دل، پریشان، دیوانہ ہوا پھرتا تھا۔ عشق انسان کے لئے اِبتداء ہی سے خونی ہوتا ہے اور پوری پوری دشمنی کرتا ہے تاکہ کچا اور نااہل ہے تو بھاگ جائے۔ وہ عاشق کسی کو قاصد بناتا تو وہ رقیب بن جاتا۔ اگر خط لکھتا تو پڑھنے والا اُس کی محبوبہ کو غلط پڑھ کر سُناتا۔ وہ صبا کے ہاتھ پیغام بھیجتا تو صبا گرد آلود ہوجاتی۔ غرض کہ کوئی تدبیر معشوق تک حالِ دل پہنچانے میں کام نہ دیتی۔ پیغام رسانی کے سب اَسباب بے کار ہوگئے۔ محبوب کا انتظار اُسے مغموم بنا دیتا اور اسی طرح اُس پر مایوسی طاری ہوگئی۔ اب یہ حالت ہوگئی کہ کبھی وہ عشق کو بلائے بے درماں سمجھتا اور کبھی اُسی کو مدارِ زندگی بتاتا۔ کبھی اُس پر خودی کا غلبہ ہوتا اور خواہشات پیدا ہوتیں۔ کبھی بالکل فنا کے درجے میں پہنچ جاتا اور اپنے وجود ہی کو بھلا بیٹھتا۔ کبھی تنہائی کی وحشت میں گریہ وزاری کرتا اور کبھی محبوب کے خیال سے باتیں کرتا رہتا۔ جب وہ اپنے وجود کو فراموش کردیتا تو محبوب

سے اتحاد کا چشمہ جوش مارتا۔ بے سروسامانی اُس کے لئے موجبِ راحت بن گئی تھی۔

جب اُس کا عشق خواہشات کے خس و خاشاک سے پاک ہوگیا تو وہ عاشقوں کا رہنما بن گیا۔ بہت سے تو وہ لوگ ہوتے ہیں کہ طوطی کی طرح خوش بیان ہوتے ہیں لیکن اُن کا باطن بالکل خاموش ہوتا ہے۔ کچھ وہ لوگ جن کی رُوحیں خوش اور تر و تازہ ہوتی ہیں مگر بظاہر تُرش رُو ہوتے ہیں۔ ظاہری طور پر حقیقی ولی اور بناوٹی ایسا ہی یکساں ہے جس طرح کہ قبرستان کی قبریں یکساں ہوتی ہیں لیکن حقیقتاً اُن میں ایسا فرق ہے جیسا کہ مُردوں میں ہوتا ہے۔ ہر قبر والے کی حالت جُداگانہ ہوتی ہے۔ مُردوں کا کیا ذکر زندوں میں بھی بظاہر یکسانیت ہے لیکن اندرونی حالات بہت مختلف ہوتے ہیں۔ انسان، انسان میں فرق اُس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ بولتا ہے۔ بولنے سے بھی پوری حقیقت واضح نہیں ہوتی۔ اصل حالت کا پتہ لگانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ لوگوں کے جسم سب ایک جیسے ہوتے ہیں لیکن رُوحیں مختلف ہوتی ہیں۔ آوازیں بھی انسانوں میں ایک ہی طرح کی ہوتی ہیں مگر چھپا ہوا درد اور ناز مختلف ہوتے ہیں۔ جو شخص اصل حالت سے واقف نہیں ہوگا وہ ایک جیسی آوازوں کی وجہ سے سب کو ایک جیسا ہی سمجھے گا۔

درختوں کا ہلنا بھی بظاہر ایک جیسا ہی ہوتا ہے لیکن ایک کا ہلنا کلہاڑے کی چوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے اور دوسرے کا بادِ صبا کے جھونکے کی وجہ سے۔ اگر انسان میں خود امتیاز کرنے کی طاقت نہیں ہے تو کسی صاحبِ بصیرت سے مشورہ کر لے۔ کسی کو پہچاننے کے لئے اُس آدمی کا سہارا لے جو خوش دماغ اور جو عاشقوں کی آنکھ کی پہچان رکھتا ہو۔ ویسے تو اس دُنیا کا ہر کام سبب سے ہوتا ہے لیکن سبب میں مُسبّبیت پیدا کرنے والی ذات تو باری تعالیٰ ہی کی ہے۔ انسان کے لئے تو کوشش شرط ہے اور انسان کی کوشش رائیگاں نہیں جاتی۔ محبوب کی جستجو میں جب تم اُس کے کوچے پر دھرنا دے دو گے تو ضرور کبھی نہ کبھی اُس کا دیدار پالو گے۔ مٹی کھودتے رہو گے تو کنویں سے پانی ضرور نکل آئے گا۔ کھیت میں بوؤ گے تو اُس کی فصل ضرور کاٹو گے۔ لوہے پر پتھر مارو گے تو یہ سُنّت اللہ ہے کہ اُس میں آگ پیدا ہو جائے گی۔ وہ لوگ بدبخت ہوتے ہیں، جو سنتِ الٰہی کو پیشِ نظر نہیں رکھتے اور نادر الوقوع باتوں پر دھیان دیتے ہیں، جیسے کسی شخص نے کھیتی کی اور وہ جل گئی۔

شیطان نے عبادتیں کیں لیکن اُسے کچھ نہ ملا۔ ایسے لوگ لاکھوں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ کو نہیں دیکھتے کہ عبادات سے اُن کو کتنے بڑے درجات ملے۔ نادر واقعات کی مثالیں لا کر عبادت سے گریز کرنا ہی اگر دلیل ہے تو اتفاقاً ایسا بھی ہوتا ہے کہ روٹی کھانے سے انسان مرا ہے تو پھر روٹی کیوں نہیں چھوڑتے۔ کج بحثی اور جھگڑالو پن بدبختی کی دلیل ہوتی

گفت چوں شاہِ کرم میداں رُود
جب شاہِ کرم میدان میں نکلتا ہے

عینِ ہر بے آلتی آلت شود
ہر بے سروسامانی میں سامان پیدا ہو جاتا ہے

ہے۔ کج بحثی چھوڑ کر عمل میں لگ جاؤ اور عمل بھی اللہ کے بھروسے پر کرو تو پھر یقیناً اُس عمل کا فائدہ ملے گا۔ انسان کو اُس کے عمل کا پھل ضرور ملتا ہے۔

وہ عاشق رات کے وقت گھوم رہا تھا کہ اُسے کوتوال آتا نظر آیا۔ وہ دوڑ کر قریبی باغ میں گھس گیا تاکہ چھپ جائے۔ باغ میں اُس کی محبوبہ شمع لئے موجود تھی۔ چونکہ کوتوال وصال کا سبب بنا تھا اِس لئے اُس نے کوتوال کو دُعائیں دینی شروع کر دیں۔ وہ خود کوتوال کے ڈر سے باغ میں چُھپا تھا لیکن جب اللہ کا کرم ہوتا ہے تو پاؤں کا ٹوٹنا بھی پَر لگنا بن جاتا ہے۔ اللہ ایک ضد کو دوسری ضد کے حصول کا سبب بنا دیتا ہے۔ قرآن پاک میں ہے: عَسٰٓی اَنۡ تَکۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّهُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ ''کبھی تم ایک چیز کو ناپسند کرتے ہو اور وہی تمہارے لئے بہتر ہوتی ہے''۔ تمام راستوں کی کشادگی کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اِس لئے ہر کام میں اُسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ اُس عاشق کا بقیہ قصہ دفترِ چہارم میں بیان کیا گیا ہے۔

دفترِ سوم ختم شُد

زانکہ آلت دعویٰ است و ہستی ست — کار در بے آلتی و پستی ست

کیونکہ سامان تو دعویٰ اور انانیت پیدا کرتا ہے — عاجزی اور محرومی سے کامیابی حاصل ہوتی ہے

انوار العلوم

فِعل و قول آمد گواہانِ ضمیر — زیں دو بر باطن تو استدلال گیر

قول اور فعل دل کے گواہ ہیں — اِن دونوں سے تُو باطن پر دلیل حاصل کر لے

•

آں حقیقت را کہ باشد از عَیاں — ہیچ تاویلے نگنجد دَرمیاں

وہ حقیقت جو مشاہدے میں آ جائے — پھر اُس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی

•

عِشق دَر ہنگامِ اِستیلا و خشم — زشت گرداند لطیفاں را بچشم

عشق اور غصہ غلبہ کے وقت — عُمدہ چیزوں کو آنکھ کو بُرا دکھاتا ہے

•

دَر درُوں یک ذرّہ نُورِ عارفی — بہ بُود از صد مُعرّف اے صَفی

اگر باطن میں عرفان کا ایک ذرہ بھی ہو تو اُس سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے — وہ سو وعظ کرنے والوں کے الفاظ سے بہت بہتر ہوتا ہے

•

عِلّتِ دیدن مدان پیہ اے پسر — ورنہ خواب اندر ندیدے کس صُوَر

اے بیٹا! آنکھ کی چربی کو دیکھنے کا سبب نہ سمجھ — خواب میں آنکھ بند ہے، پھر بھی تُو دیکھتا ہے

•

نیم تو مُشک ست نیمی پشک ہیں — ہیں میفزا پشک افزا مُشکِ چیں

دیکھ لے! تیرا آدھا مُشک اور آدھا مینگنی ہے — خبردار! مینگنی نہ بڑھا، رُوح کا مُشک بڑھا

مکر کُن تا کمتریں بندہ شوی — دَر کمی اُفتی خداوندہ شوی

ایسی تدبیر کر کہ تُو اپنے آپ کو عاجز بنا لے — اگر عاجزی اختیار کرے گا تو آقا بن جائے گا